www.ahlehaq.org
احسن الفتاوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فسئلوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون

إنما شفاء العي السؤال

احسن الفتاویٰ

بحذف مکررات وتخریجات فرائض مسائل غیر مہمہ

جلد ۹

(از)

فقیہ العصر مفتی اعظم مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

(واحد تقسیم کنندگان)

ایچ ایم سعید کمپنی

ادب منزل پاکستان چوک کراچی

نام کتاب ــــ احسن الفتاویٰ

جلد ــــ نہم

زیر اہتمام ــــ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

ضخامت ــــ ۴۴۸ صفحات

کتابت ــــ محمد عیسیٰ سربازی

تعداد ــــ ایک ہزار

پریس ــــ ایجوکیشنل پریس کراچی

طبع اول ــــ سنہ ۱۴۲۴ھ

طبع دوم ــــ سنہ ۱۴۲۵ھ

ملنے کا پتہ

ایچ ایم سعید کمپنی

ادب منزل پاکستان چوک کراچی
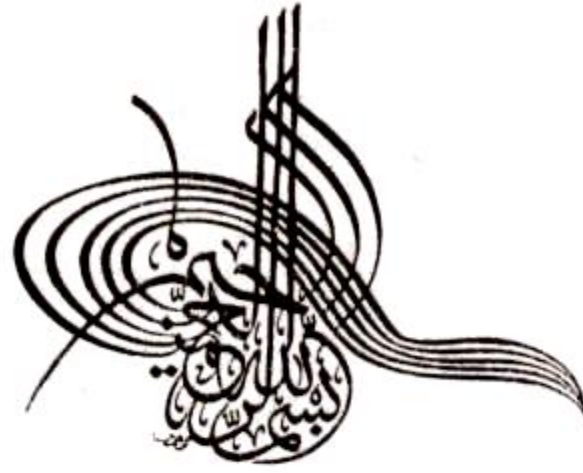
عرض مرتب

احسن الفتاوی کی آٹھ جلدیں حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کی زندگی میں شائع ہوگئی تھیں، جلد نہم میں شامل رسائل کی کتابت پہلے سے مکمل ہو چکی تھی اور مسائل کا مسودہ حضرت کے وصال سے تقریباً ایک سال قبل مکمل ہو چکا تھا، مگر احسن الفتاوی کے کاتب منشی فاروق صاحب ضعف کی وجہ سے مزید کتابت سے معذور تھے۔ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کے معیار کا نیا کاتب ڈھونڈنا ایک مشکل کام تھا، کیونکہ حضرت کے ہاں خوبصورتی سے زیادہ اہمیت املاء وترقیم کو تھی اور اس کی صحت کا ایسا اہتمام تھا کہ اس میں ذرا سا تسامح بھی گوارا نہ تھا۔ کئی کاتب اپنی کتابت دکھاتے رہے، مگر پسند نہ آئی، آخر ایک کاتب صاحب کی کتابت پر کچھ اطمینان ہوا تو مسودہ انہیں دیدیا گیا، آدھے یا اس سے زائد حصے کی کتابت کے بعد حضرت نے اس پر نظر ثانی شروع فرمائی تو املاء وکتابت کی غلطیوں کی کثرت دیکھ کر ساری کتابت مسترد فرمادی۔ پھر ایک نئے کاتب مولوی محمد عیسیٰ صاحب سربازی سے ...... جو پہلے کسی زمانہ میں حضرت کے بعض رسائل ومواعظ کی کتابت کر چکے تھے...... رابطہ کیا گیا اور مسودہ ان کے حوالے کیا گیا، وہ ابھی تین چوتھائی کتابت ہی کر پائے تھے کہ ۶ ذی الحجہ ۱۴۲۲ھ کو حضرت والا کا وصال ہوگیا، رحمہ الله تعالیٰ رحمةً واسعةً ورفع درجاته ونزله المقعد المقرب عنده.

علم وعمل کے آفتاب و ماہتاب کے اس جہانِ فانی سے رخصت ہونے پر ایسی تنہائی ومحرومی محسوس ہونے لگی کہ کچھ عرصہ تک اس کام کے لئے یکسوئی ودلجمعی میسر نہ آئی، دوسری طرف کاتب صاحب کی مصروفیت بھی تأخیر کا باعث بنتی رہی، اس طرح اس جلد کی اشاعت میں حضرت کے وصال کے بعد بھی ڈیڑھ سال سے زیادہ تأخیر ہوگئی۔

یہ سطور لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ اس جلد کے تمام رسائل ومسائل حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کے اپنے تحریر فرمودہ ہیں یا بندہ کے تحریر کردہ ہیں جنہیں حضرت والا نے تصحیح وتصویب کے بعد احسن الفتاوی کے لئے منتخب فرمایا تھا۔

اس جلد کی پہلی طبع میں یہ وضاحت نہ ہوسکی تھی، حضرت استاذ صاحب دامت برکاتہم نے اس طرف توجہ دلائی، اس لئے دوسری طبع میں یہ سطور شامل کی جارہی ہیں۔

محمد عفا اللہ عنہ

مرتب احسن الفتاوی

دارالافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی

۱۰ ذی القعدہ ۱۴۲۴ھ

فہرست مضامین احسن الفتاوی جلد نہم

عنوان	صفحہ
مسائل شتی	

عنوان	صفحہ

رسائل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسائل شتی

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یزید کی بغاوت کیوں کی؟

[اس مسئلہ کی تفصیل کتاب الجہاد ص ۱۹۹ ج ۶ رسالہ "ذب الجهول عن سبط الرسول صلی اللہ علیہ وسلم" میں ہے]

کیا تین بار سورۂ اخلاص پڑھنے سے قرآن کا ثواب ملتا ہے؟

سوال: کیا یہ صحیح ہے کہ سورۂ اخلاص تین بار پڑھنے سے کامل قرآن پڑھنے کے برابر ثواب ملتا ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

سورہ اخلاص کی فضیلت کے بارے میں صحیح بخاری وصحیح مسلم میں مندرجہ ذیل روایات منقول ہیں:

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رجلاً سمع رجلا یقرأ قل ھو اللہ احد یردّدھا، فلما اصبح جاء الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فذکر ذلک له، وکان الرجل یتقالھا، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: والذی نفسی بیدہ انھا تعدل ثلث القراٰن (صحیح البخاری ص۷۵۰ ج ۲)

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاصحابه: ایعجز احدکم ان یقرأ ثلث القراٰن فی لیلة فشق ذلک علیھم وقالوا اینا یطیق ذلک یا رسول اللہ فقال الواحد الصمد ثلث القراٰن (حوالہ بالا)

عن ابی ھریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ خرج الینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال اقرأ علیکم ثلث القراٰن فقرأ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ اَللّٰہُ الصَّمَدُ حتی ختمھا۔ (مسلم ص۲۷۱ ج ۱)

ان احادیث میں سورۂ اخلاص کو ثلثِ قرآن کے برابر قرار دیا گیا ہے جس کی محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ نے مختلف توجیہات بیان فرمائی ہیں، چند معروف توجیہات یہ ہیں:

① قرآن میں تین قسم کے مضامین بیان کئے گئے ہیں: اللہ تعالیٰ کی صفات، احکام اور قصص۔ سورۂ اخلاص پوری کی پوری صفاتِ باری تعالیٰ پر مشتمل ہے، اس اعتبار سے یہ ثلثِ قرآن ہے۔

② اس کا ثواب ثلثِ قرآن کے برابر ہے۔

③ جس نے اس کے مضامین یعنی توحید اور اذعان بالخالق پر عمل کیا یعنی ایمان رکھا وہ (حصول مقصد میں) اس شخص کی طرح ہے جس نے ثلثِ قرآن پڑھا۔

④ ثواب ہی مراد ہے لیکن یہ صاحبِ واقعہ کے ساتھ خاص ہے۔

جبکہ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ فضیلت پر یقین رکھنا چاہئے اور اپنی رآی سے کوئی توجیہ نہیں بیان کرنی چاہئے کہ سورۂ اخلاص ثلثِ قرآن کے برابر کیسے اور کیوں ہے ؟

قال الحافظ العینی رحمہ اللہ تعالیٰ : قولہ (انہا) ای ان قراءۃ قل ھواللہ احد تعدل ثلث القرآن، واختلف فی معناہ فقال المازری: القرآن ثلاثۃ انحاء قصص واحکام وصفات اللہ عزوجل، وھذہ السورۃ متمحضۃ للصفات وھی ثلث وجزء من الثلاثۃ، وقیل ثوابھا یضاعف بقدر ثواب ثلث القرآن بغیر تضعیف، وقیل القرآن لایتجاوز ثلاثۃ اقسام: الارشاد الی معرفۃ ذات اللہ تعالیٰ ومعرفۃ اسمائہ وصفاتہ ومعرفۃ افعالہ وسننہ، ولما اشتملت ھذہ السورۃ علی التقدیس وازنھا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بثلث القرآن، وقیل ان من عمل بما تضمنتہ من الاقرار بالتوحید والاذعان بالخالق کمن قرأ ثلث القرآن، وقیل قال ذلک لشخص بعینہ قصدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، وقال ابوعمر: نقول بما ثبت عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ولا نعدہ ونکل ما جھلناہ من معناہ، فنردہ الیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ولاندری لم تعدل ھذہ ثلث القرآن (عمدۃ القاری ص۳۳ ج ۲۰) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۷/صفر س۷۵ھ

سورۂ اخلاص کی فضیلت اور ایک غلط فہمی کا ازالہ :

سوال : عام طور پر سورۂ اخلاص کی یہ فضیلت بیان کی جاتی ہے کہ تین بار سورۂ اخلاص پڑھنے سے پورے قرآن کا ثواب ملتا ہے اور حدیث کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ دریافت طلب یہ ہے کہ جب قرآن کی تلاوت سے مقصد ثواب کا حصول ہی ہے اور ہر شخص روزانہ کئی بار سورۂ

اخلاص پڑھ کر کئی قرآن پڑھنے کا ثواب حاصل کر سکتا ہے تو اسے باقاعدہ بالترتیب پورا قرآن پڑھنے کی کیا ضرورت ہے؟ اگر کوئی نہ پڑھے تو اس میں کیا حرج ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

حدیث میں سورۂ اخلاص کو ثلث قرآن قرار دیا گیا ہے، مگر یہ بیان نہیں کیا گیا کہ یہ ثواب کے اعتبار سے ثلث قرآن ہے، یہ کس اعتبار سے ثلثِ قرآن ہے؟ اس کی محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ نے مختلف توجیہات بیان فرمائی ہیں جن میں سے ایک توجیہ ثواب والی بھی ہے۔ معلوم ہوا کہ سورۂ اخلاص پڑھنے سے پورے قرآن کا ثواب ملنا حدیث نہیں بلکہ حدیث کی توجیہاتِ مختلفہ میں سے ایک توجیہ ہے لہٰذا اس فضیلت کو بطورِ حدیث بیان کرنا جائز نہیں بلکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان کے زمرے میں آتا ہے اور ایسا شخص "من کذب علیّ متعمّدًا فلیتبوّأ مقعده من النار" میں بیان کردہ وعید کا مستحق ہے۔

بہرحال قرآن مجید کی باقاعدہ ترتیب سے تلاوت نہ کرنا اور صرف سورۂ اخلاص پڑھنے پر اکتفاء کرنا شرعًا و عقلًا کسی طرح بھی صحیح نہیں، وجوہ درج ذیل ہیں:

① سورۂ اخلاص کی فضیلت والی حدیث کی کوئی تشریح خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں کہ سورۂ اخلاص کے ثلث قرآن ہونے سے کیا مراد ہے؟ اور یہ کس اعتبار سے ثلثِ قرآن ہے؟ اسی لئے بعض حضرات محدثین نے اس حدیث کی کوئی توجیہ کرنے کو پسند نہیں کیا اور اسے مفوض الی الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیا ہے۔

② اگر توجیہ کا راستہ اختیار کیا بھی جائے تو بھی یہ توجیہ متعین نہیں کہ سورۂ اخلاص کا ثواب ثلثِ قرآن کے برابر ہے، بلکہ اس کی مختلف توجیہات کی گئی ہیں جن میں سب سے راجح توجیہ یہ ہے کہ یہ سورہ مضامینِ قرآن یعنی اسماء اللہ وصفاتہ، احکام اور قصص کے اعتبار سے ثلثِ قرآن ہے۔ لہٰذا یقین سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ سورۂ اخلاص کا ثواب ثلثِ قرآن کے برابر ہے۔

③ اگر ثواب والی توجیہ ہی اختیار کی جائے تو اس میں مختلف احتمالات ہیں:

(ا) اجر بلا تضعیف مراد ہے، یعنی ثلثِ قرآن کا اجر حقیقی تو مل جائے گا مگر ثلثِ قرآن کی تلاوت پر جو اجر اضافی ملتا وہ نہیں ملے گا۔

(ب) یہ فضیلت صاحبِ واقعہ کے ساتھ خاص ہے۔

(ج) سب سے بہتر مطلب وہ ہے جو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے،

کہ اجر و ثواب کی انواع مختلف ہیں، سورۂ اخلاص پڑھنے سے ایک نوع کا ثواب ملے گا جو اگرچہ ثلث قرآن کے برابر ہوگا مگر بقیہ قرآن کی تلاوت نہ کی جائے تو دوسری انواع اجر اور منافع سے محرومی رہے گی جبکہ بندہ سب انواعِ اجر کا محتاج ہے۔

شیخ الاسلام رحمہ اللہ تعالیٰ نے تقریبِ فہم کے لئے محسوسات میں اس کی مثال بیان فرمائی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص کے پاس مسکن، طعام، لباس اور کچھ نقدی موجود ہے جس کی مالیت ایک لاکھ روپے کے برابر ہے اور دوسرے شخص کے پاس مسکن، طعام و لباس کچھ نہیں ہے، البتہ ایک لاکھ روپے کی نقدی موجود ہے۔ اب یہ دوسرا شخص باوجودیکہ اس کے پاس پہلے شخص کے کل سامان کی قیمت کے برابر نقدی موجود ہے ان چیزوں کا محتاج ہے جو پہلے شخص کے پاس ہیں اور پہلے شخص کے پاس ضرورت کی ہر چیز موجود ہے، وہ دوسرے کا محتاج نہیں۔ اسی طرح سورۂ اخلاص تین بار پڑھنے والے کو اجر و ثواب کی انواع مختلفہ میں سے صرف ایک نوع حاصل ہے، وہ بقیہ قرآن کی تلاوت پر ملنے والے اجر و ثواب کی انواعِ مختلفہ کا محتاج ہے اور جو پورا قرآن کریم بالترتیب پڑھتا ہے اسے تمام انواع حاصل ہیں، وہ کسی نوع کا محتاج نہیں۔

حاصل یہ کہ اولاً تو تین بار سورۂ اخلاص پڑھنے سے کامل قرآن پڑھنے کا ثواب ملنا متعین نہیں، محض احتمال ہے اور محض احتمال کی بناء پر بقیہ قرآن سے صرف نظر کرنا اور بالترتیب تلاوت نہ کرنا کسی طرح بھی معقول نہیں۔

ثانیاً ثواب کا حصول یقینی تسلیم کر بھی لیا جائے تو اس سے ثلث قرآن کا اجر حقیقی ملے گا، اجر اضافی سے محروم رہے گا یا اجر کی ایک نوع حاصل ہوگی خواہ سینکڑوں بار سورۂ اخلاص پڑھ لے دوسری انواع اجر، تلاوت کی برکات اور اس میں غور و تدبر کے منافع سے محروم رہے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد بیانِ فضیلت سے اس سورۃ کا مہتم بالشان ہونا بیان کرنا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ سورۃ تین بار پڑھنا پورے قرآن کے قائم مقام ہو جائے گا اور پورے قرآن کی تلاوت کی ضرورت نہیں رہے گی۔ جیسے والدین کی خدمت کی اہمیت بیان کرنے کے لئے اس پر حدیث میں جہاد کا اطلاق کیا گیا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ والدین کی خدمت جہاد کے قائم مقام ہو جائے گی اور فریضۂ جہاد ادا کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔

اسی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور علماء و صلحاء امت کا تعامل یہی چلا آرہا ہے کہ وہ بالترتیب پورے قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہے اور اسی کی تاکید

کرتے رہے، کسی نے بھی سورۂ اخلاص کی قراءۃ پر اکتفاء کرتے ہوئے بالترتیب تلاوت کو ترک نہیں کیا۔

قال الحافظ العینی رحمہ اللہ تعالیٰ: وقیل ثوابھا یضاعف بقدر ثواب ثلث القرآن بغیر تضعیف (الیٰ ان قال) وقال ابو عمر نقول بما ثبت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا نعدہ ونکل ما جھلناہ من معناہ فنردہ الیہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا ندری لم تعدل ھذہ ثلث القرآن وقال ابن راھویہ لیس معناہ ان لو قرأ القرآن کلہ کانت قراءۃ قل ھو اللہ احد تعدل ذلک اذا قرأھا ثلث مرّات لا ولو قرأھا اکثر من مأتی مرّۃ. (عمدۃ القاری ص۳۳ ج ۲۰)

وقال العلامۃ الجنجوھی رحمہ اللہ تعالیٰ: ان المراد بذلک الاجر المعین لقراءۃ یٰس مع ما یؤتی لہ بعد ذلک منۃ منہ تعالیٰ وفضلا، وفی القرآن لم یرد ھٰھنا الا ما ھو لہ معین من الاجر. (الکوکب الدری ص۱۱ ج ۴)

وقال شیخ الاسلام ابن تیمیۃ رحمہ اللہ تعالیٰ: فاذا قرأ الانسان (قل ھو اللہ احد) حصل لہ ثواب بقدر ثواب ثلث القرآن، لکن لا یجب ان یکون الثواب الحاصل من جنس الثواب الحاصل ببقیۃ القرآن، بل قد یحتاج الی جنس الثواب الحاصل بالامر والنھی والقصص، فلا تسد (قل ھو اللہ احد) مسد ذلک ولا یقوم مقامہ فلھذا لو قرأ (قل ھو اللہ احد) فانہ وان حصل لہ اجر عظیم لکن جنس الاجر الذی یحصل بقراءۃ غیرھا لا یحصل لہ بقراءتھا، بل یبقی فقیرا محتاجا الی ما یتم بہ ایمانہ من معرفۃ الامر والنھی والوعد والوعید ولو قام بالواجب علیہ. فالمعارف التی تحصل بقراءۃ سائر القرآن لا تحصل بمجرد قراءۃ ھذہ السورۃ، فیکون من قرأ القرآن کلہ افضل ممن قرأھا ثلث مرات من ھذہ الجھۃ لتنوع الثواب، وان کان قارئ (قل ھو اللہ احد) ثلاثا یحصل لہ ثواب بقدر ذلک الثواب، لکنہ جنس واحد لیس فیہ الانوع التی یحتاج الیھا العبد، کمن معہ ثلاثۃ اٰلاف دینار واٰخر معہ طعام ولباس ومساکن ونقد یعدل ثلاثۃ اٰلاف دینار فان ھذا معہ ما ینتفع بہ فی جمیع امورہ، وذاک محتاج الی ما مع ھذا، وان کان ما معہ یعدل ما مع ھذا وکذلک لو کان معہ طعام من اشرف الطعام یساوی ثلاثۃ اٰلاف دینار فانہ محتاج الی لباس ومساکن، وما یدفع بہ الضرر من السلاح و الادویۃ وغیر ذلک مما لا یحصل بمجرد الطعام۔

(مجموعہ فتاوی ابن تیمیۃ ص۱۳۸ ج ۱۷) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۷ ربیع صفر ۸۵ھ

موسیٰ علیہ السلام کا ملک الموت کو طمانچہ مارنا:

سوال: کیا موسیٰ علیہ السلام نے ملک الموت کو قبض روح کے وقت طمانچہ مارا تھا؟ کیا یہ صحیح ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

یہ واقعہ صحیح ہے، ملک الموت شکل انسانی میں آئے تھے اور موسیٰ علیہ السلام کو موت کا اختیار بھی نہ دیا، حالانکہ انبیاء علیہم السلام کو پہلے اختیار دیا جاتا ہے، اس لئے موسیٰ علیہ السلام نے ملک الموت کو نہیں پہچانا اور کوئی انسان سمجھ کر طمانچہ مار دیا، بعد میں جب موسیٰ علیہ السلام کو موت کا اختیار دیا گیا تو آپ نے موت کو اختیار فرمایا۔ کما فی روایۃ البخاری وغیرہ، کیونکہ اب آپ کو اس کا مأمور من جانب اللہ ہونا متحقق ہو گیا تھا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۹/صفر سنہ ۷۵ھ

زندہ کو بھی ایصالِ ثواب کیا جا سکتا ہے:

سوال: کیا کسی زندہ شخص کو اعمالِ صالحہ وصدقات کا ایصال ثواب کیا جا سکتا ہے جیسا کہ بعض عقیدتمند اپنے شیوخ وعلماء کے لئے کرتے ہیں، نیز ایصال ثواب صرف نوافل کا کیا جا سکتا ہے یا فرائض کا بھی؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

زندہ کو ایصالِ ثواب کیا جا سکتا ہے اور فرض ونفل میں کوئی فرق نہیں، دونوں کا ایصال ثواب کیا جا سکتا ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: وفی البحر من صام اوصلی اوتصدق وجعل ثوابہ لغیرہ من الاموات والاحیاء جاز ویصل ثوابها الیھم عند اھل السنۃ والجماعۃ کذا فی البدائع ثم قال وبھذا علم انہ لافرق بین ان یکون المجعول لہ میتا اوحیا والظاھر انہ لافرق بین ان ینوی بہ عند الفعل للغیر اویفعلہ لنفسہ ثم بعد ذلک یجعل ثوابہ لغیرہ لاطلاق کلامھم وانہ لافرق بین الفرض والنفل اھ (رد المحتار ص۶۰۵ ج۱) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

یوم عرفہ سنہ ۸۳ھ

فرائض کا بھی ایصال ثواب کیا جا سکتا ہے:

سوال: ایصال ثواب صرف نوافل کا کیا جا سکتا ہے یا فرائض کا بھی؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

فرض ونفل دونوں کا ایصال ثواب کیا جا سکتا ہے (رد المحتار ص۶۰۵ ج۱) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۲ رذی الحجہ سنہ ۸۴ھ

بدل کر آئے ہوئے سامان کا حکم:

سوال: بعض مرتبہ دھوبی کے ہاں سے کپڑے بدل کر آجاتے ہیں، اگر یہ واپس کر دیئے جاتے ہیں تو یہ بھی ہاتھ سے گئے اور اپنے کپڑے بھی نہیں ملتے، اسی طرح بعض دفعہ مساجد میں جوتے تبدیل ہو جاتے ہیں اور کبھی چور نیا جوتا اُٹھا کر پُرانا جوتا رکھ جاتا ہے، کیا ان کپڑوں اور جوتوں کا استعمال کرنا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر ان کپڑوں اور جوتوں کے مالک کا پتا لگانا ممکن نہ ہو تو جواز استعمال کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ اپنی بالغ اولاد یا کسی دوسرے عزیز پر صدقہ کر دے بشرطیکہ وہ فقیر ہوں، پھر وہ اپنی رضا سے صدقہ کرنے والے کو واپس کر دیں۔ اگر یہ شخص خود فقیر ہے تو اس حیلہ کی بھی ضرورت نہیں، اس کے لئے ان کا استعمال کرنا جائز ہے۔

قال العلامۃ طاهر بن عبد الرشيد البخاري رحمه الله تعالى: امرأة وضعت ملاءتها فجاءت امرأة اخرى ووضعت ملاءتها ثم جاءت الاولى واخذت ملاءة الثانية وذهبت لا يسع للثانية ان تنتفع بملاءة الاولى والحيلة ان تتصدق الثانية بهذه الملاءة على بنتها ان كانت فقيرة على نية ان يكون الثواب لصاحبتها ان رضيت ثم تهب البنت الملاءة منها فيسعها الانتفاع بها كاللقطة (خلاصۃ الفتاوی ص۳۵ ج۴)

اگر کسی طرح اس کا یقین ہو جائے کہ یہ چیز اسی کی ہے جو اس کی چیز کو لے گیا ہے اور یہ بھی یقین ہو جائے کہ وہ اپنی چیز لینے یہاں نہیں آئے گا اور نہ ہی اس کا کوئی سُراغ لگانا ممکن ہو تو اس چیز کو خود بھی رکھ سکتا ہے مگر اس کی قیمت زیادہ ہو تو بقدر زائد صدقہ کر دے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۷ رذی الحجہ سنہ ۸۵ھ

سلام کہنا سنتِ مؤکدہ ہے:

سوال: ہر خاص و عام جو بھی راستہ میں ملے اسے سلام کہنا سنت مؤکد ہے یا غیر مؤکدہ؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

بعض نے وجوب سلام کا قول کیا ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ ابتداء بالسلام سنت مؤکدہ ہے اور جواب سلام واجب ہے، البتہ فاسق کو سلام کہنا مکروہ ہے۔

ڈاڑھی منڈانا یا کٹانا بھی فسق ہے، لیکن جن فساق سے تعارف ہو، ان کو سلام نہ کہنے سے تہمت کبر اور دین و اہلِ دین سے تنفر کا خطرہ ہو تو ان کو سلام کہنا جائز ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ فلو اصم یریہ تحریک شفتیہ) قال فی شرح الشرعۃ واعلم انہم قالوا ان السلام سنۃ واسماعہ مستحب وجوابہ ای ردہ فرض کفایۃ واسماع ردہ واجب بحیث لو لم یسمعہ لا یسقط ھذا الفرض عن السامع حتی قیل لو کان المسلم اصم یجب علی الراد ان یحرک شفتیہ ویریہ بحیث لو لم یکن اصم لسمعہ (رد المحتار ص۲۶۵ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۹ر شوال سنہ ۸۶ھ

لاؤڈ اسپیکر کے سلام کا جواب دینا:

سوال: لاؤڈ اسپیکر سے سلام سننے پر اس کا جواب دینا ضروری ہے یا نہیں؟ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم نے آلات جدیدہ ص۱۱۲ پر تحریر فرمایا ہے کہ ریڈیو سے سلام سُننے تو جواب واجب نہیں، اس لئے کہ جواب سنانے پر قدرت نہیں، یہی علت لاؤڈ اسپیکر میں بھی پائی جاتی ہے تو کیا اس کا بھی وہی حکم ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

ریڈیو اور اسپیکر دونوں کا ایک ہی حکم ہے کہ سلام کا جواب واجب نہیں، اس لئے کہ یہ سلام ہی بے موقع ہے، وعظ و خطبہ وغیرہما سے قبل سلام شرعاً معہود نہیں۔

وردان رجلا عطس فسلم علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال صلی اللہ علیہ وسلم وعلی امک السلام فعدل صلی اللہ علیہ وسلم عن الجواب المسنون الی الاسلوب الغریب تنبیہا لہ علی ان موقع السلام ھو عند اللقاء لا بعد

العطاس رواه الترمذی وابوداؤد (مشکوٰۃ ص۴۰۶)

اسماع پر قدرت وجوبِ جواب کے لئے شرط نہیں، چنانچہ کسی خط کا جواب لکھنے کا ارادہ نہ ہو تو ابلاغ جواب سلام بذریعہ خط پر حقیقۃً اگرچہ قدرت ہے مگر حکماً قدرت نہیں، اس لئے کہ خط کا جواب لکھنا ضروری نہیں، سو اس صورت میں سلام کا جواب لکھنے کو واجب قرار دینے میں حرج ہے، وھو مدفوع۔ اس لئے یہ قدرت بحکم عدم قدرت ہے، معہذا زبان سے اس کا جواب دینا واجب ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ ویجب رد جواب کتاب التحیۃ) لان الکتاب من الغائب بمنزلۃ الخطاب من الحاضر مجتبی والناس عنہ غافلون ط اقول المتبادر من ھذا ان المراد رد سلام الکتاب لا رد الکتاب (وبعد اسطر) وقال النووی رحمہ اللہ تعالیٰ ولو اتاہ شخص بسلام من شخص ای فی ورقۃ وجب الرد فورا (رد المحتار ص۲۶۶ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۵ ذی القعدہ سنہ ۸۶ھ

جواب سلام کا اسماع:

سوال: کیا سلام کا جواب اتنی بلند آواز سے دینا ضروری ہے کہ سلام کہنے والا اسے سن لے یا مطلقاً جواب کافی ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر اسماعِ جواب پر قدرت ہو تو ضروری ہے ورنہ نہیں، جیسے خط کے سلام کا جواب اگر خط کا جواب لکھا تو اس میں سلام کا جواب لکھنا بھی واجب ہے اور یہ ابلاغ بمنزلۂ اسماع ہے اور اگر خط کا جواب نہیں لکھا تو زبان سے جواب دینا واجب ہے، تفصیل "احسن الفتاوی" جلد ۸ کتاب الحظر والاباحۃ میں عنوان "خط کے سلام کا جواب" کے تحت ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۶ ذی القعدہ سنہ ۸۶ھ

دونوں نے بیک وقت سلام کہہ دیا:

سوال: دو آدمیوں نے بیک وقت ایک دوسرے کو سلام کہا تو دونوں پر ردِّ سلام واجب ہوگا یا کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصّواب

دونوں پر جواب دینا واجب ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ عن التتارخانیۃ: فان سلما معا یرد کل واحد (رد المحتار ص۲۶۷ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۶ ذی القعدہ سنہ ۸۶ھ

اشارہ سے سلام کا جواب:

سوال: ہاتھ کے اشارہ سے سلام کرنے والے کو جواب دینا واجب ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصّواب

اگر آواز پہنچانے پر قدرت کے باوجود صرف ہاتھ کے اشارہ سے سلام کیا تو اس کا جواب واجب نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۳ ربیع الاوّل سنہ ۸۹ھ

خالی گھر یا مسجد میں داخل ہوتے وقت سلام کہنا:

سوال: اگر کوئی شخص اپنے گھر یا مسجد میں جائے جہاں کوئی شخص موجود نہ ہو یا ایسی جگہ سے نکلے تو اسے سلام کہنا چاہئے یا نہیں، اگر کہنا چاہئے تو کن الفاظ سے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

خالی گھر میں داخل ہوتے وقت استحباب سلام کی فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے اور گھر اور مسجد میں بظاہر کوئی فرق نہیں، بلکہ مسجد میں وجود ملائکہ اقرب ہے، یہ حکم اس صورت میں ہے کہ مسجد خالی ہو، اگر اس میں لوگ ہوں تو سلام کہنا جائز نہیں اس لئے کہ اس سے ان کی عبادت میں خلل واقع ہوگا۔

ایسے موقع پر سلام ان الفاظ سے کہنا چاہئے:

السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین۔ قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قولہ واذا اتی دار انسان الخ) وان دخل بیتا لیس فیہ احد یقول السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین فان الملائکۃ ترد علیہ السلام (رد المحتار ص۲۶۵ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۳۰ ربیع الثانی سنہ ۸۹ھ

نابالغ پر سلام کا جواب واجب نہیں:

سوال: بالغ اگر نابالغ کو سلام کہے تو نابالغ پر جواب دینا واجب ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

نابالغ غیر مکلف ہے، اس لئے اس پر سلام کا جواب واجب نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۵ ذی الحجہ سنہ ۸۹ھ

نابالغ کے سلام کا جواب واجب نہیں:

سوال: نابالغ اگر بالغ کو سلام کہے تو بالغ پر جواب دینا واجب ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

واجب نہیں، بشرطیکہ بچہ عاقل نہ ہو، اس کی دل شکنی کا اندیشہ نہ ہو ورنہ سلام کا جواب واجب معلوم ہوتا ہے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ:

ردّ السلام واجب الا علی ﴿ من فی الصلوة او یأکل شغلا

(الی قوله) او سلم الطفل او السکران ﴿ او شابة یخشی بها افتتان

(رد المحتار ص ۴۱۵ ج ۱) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۵ ذی الحجہ سنہ ۸۹ھ

حکم ابلاغ سلام:

سوال: اگر ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ فلاں کو میرا سلام کہہ دینا، وہ خاموش رہا تو سلام پہنچانا ضروری ہوگا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

سکوت عرفاً ودلالةً رضا والتزام ہے، اس لئے اس صورت میں سلام پہنچانا واجب ہے، البتہ اگر صراحةً یا دلالةً التزام نہ کیا ہو مثلاً پہنچانے سے معذرت کردی یا ان شاء اللہ کہہ دیا تو پہنچانا واجب نہیں۔

قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: ولو قال لآخر اقرأ فلانا السلام یجب علیه ذلك۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قوله یجب علیه ذلك) لانه من ایصال الامانة لمستحقها والظاهر ان هذا اذا رضی بتحملها تأمل ثم رأیت فی

شرح المناوی عن ابن حجر التحقیق ان الرسول ان التزمه اشبه الامانة و الا فودیعة اھ ای فلا یجب علیه الذھاب لتبلیغه کما فی الودیعة ۔ (رد المحتار ص۲۶۶ ج ۵)

وقال العلامة الحصکفی رحمه الله تعالیٰ : والودیعة ما تترک عند الامین وھی اخص من الامانة کما حققه المصنف وغیرہ ورکنھا الایجاب صریحا کاودعتک او کنایة کقوله لرجل اعطنی الف درھم او اعطنی ھذا الثوب مثلا فقال اعطیتک کان ودیعة بحر لان الاعطاء یحتمل الھبة لکن الودیعة ادنی وھو متیقن فصار کنایة، او فعلا کما لو وضع ثوبه بین یدی رجل ولم یقل شیئا فھو ایداع، والقبول من المودع صریحا کقبلت او دلالة کما لو سکت عند وضعه فانه قبول دلالة کوضع ثیابه فی حمام بمرأی من الثیابی وکقوله لرب الخان این اربطھا فقال ھناک کان ایداعا خانیة وھذا فی حق وجوب الحفظ واما فی حق الامانة فتتم بالایجاب وحدہ حتی لو قال للغاصب اودعتک المغصوب برئ عن الضمان وان لم یقبل اختیار ۔

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ :(قوله شیئا) فلو قال لا اقبل لا یکون مودعا لان الدلالة لم توجد بحر وفیه عن الخلاصة لو وضع کتابه عند قوم فذھبوا وترکوہ ضمنوا اذا ضاع وان قاموا واحدا بعد واحد ضمن الاخیر لانه تعین للحفظ فتعین للضمان اھ فکل من الایجاب والقبول فیه غیر صریح (رد المحتار ص۴۹۳ ج ۴)

واللہ سبحانه وتعالیٰ اعلم ۔

۶ جمادی الاولی سنہ ۱۴۱۹ھ

لڑکیوں کا ختنہ مستحب ہے :

سوال : آج کل کے زمانہ میں لڑکیوں کا ختنہ سنت ہے یا نہیں؟ کسی حدیث سے اس کا ثبوت ہے؟ بیّنوا توجروا ۔

الجواب باسم ملھم الصواب

لڑکیوں کا ختنہ حدیث سے ثابت ہے، لڑکوں کا ختنہ سنت مؤکدہ ہے اور لڑکیوں کا ختنہ الذذ فی الجماع ہونے کی وجہ سے مستحب ہے، نہ کرنے میں کوئی گناہ نہیں ۔

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ تحت (قوله الختان) : لان الختان سنة للرجال من جملة الفطرة لا یمکن ترکھا وھی مکرمة فی حق النساء کما فی

الکفایۃ (رد المحتار ص ۲۳۷ ج ۵)

وقال رحمہ اللہ ایضا: (قولہ وختان المرأۃ) الصواب خفاض لانہ لا یقال فی حق المرأۃ ختان وانما یقال خفاض حموی (قولہ بل مکرمۃ للرجال) لانہ الذ فی الجماع زیلعی (قولہ وقیل سنۃ) جزم بہ البزازی معللا بأنہ نص علی ان الخنثی تختن ولو کان ختانہا مکرمۃ لم تختن الخنثی لاحتمال ان تکون امرأۃ ولکن لا کالسنۃ فی حق الرجال اھ اقول ختان الخنثی لاحتمال کونہ رجلا وختان الرجل لا یترک فلذا کان سنۃ احتیاطا ولا یفید ذلک سنیتہ للمرأۃ تأمل وفی کتاب الطہارۃ من السراج الوہاج اعلم ان الختان سنۃ عندنا للرجال والنساء وقال الشافعی رحمہ اللہ تعالی واجب وقال بعضہم سنۃ للرجال مستحب للنساء لقولہ علیہ الصلوۃ والسلام ختان الرجال سنۃ وختان النساء مکرمۃ (رد المحتار ص ۴۷۹ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

غرۃ ذی الحجہ سنہ ۸۶ھ

سؤال مثل بالا:

سوال: عورت کا ختنہ کرنا سنت ہے یا مستحب؟ اور یہ حکم تمام علاقوں کے لئے عام ہے یا اس میں کچھ تفصیل ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مذہب الحنفیہ: ختنہ رجال کے حق میں سنت مؤکدہ ہے اور نساء کے حق میں مستحب۔

مذہب المالکیہ: دونوں کے حق میں سنت ہے۔

مذہب الشافعیہ: رجال ونساء دونوں کے حق میں واجب ہے، اسی کو امام نووی رحمہ اللہ تعالی نے اختیار کیا ہے، دوسرا قول نساء کے حق میں عدم وجوب کا ہے۔

مذہب الحنابلہ: رجال کے حق میں واجب ہے اور نساء کے حق میں مستحب۔

احادیث ذیل سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عورتوں کے ختنہ کا عام دستور تھا:

عن عائشۃ رضی اللہ تعالی عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جاوز الختان الختان وجب الغسل فعلتہ انا ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاغتسلنا رواہ الترمذی وابن ماجہ (المشکوۃ ص ۴۸ ج ۱)

عن ام عطیۃ الانصاریۃ ان امرأۃ کانت تختن بالمدینۃ فقال لہا النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاتنہکی فان ذلک احظی للمرأۃ واحب الی البعل (ابوداؤد ص۳۶۸ ج ۲)

خرج سباع فقال ہل من مبارز؟ قال فخرج الیہ حمزۃ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ فقال یا سباع یا ابن ام انمار مقطعۃ البظور الحدیث (بخاری مع فتح الباری ص۲۹۵ ج ۷)

بعض نے عورتوں کے ختنہ کے بارے میں یہ تفصیل بیان کی ہے کہ بعض ممالک میں مستحب ہے اور بعض میں نہیں، بعض کتب طبیہ میں اس کی وجہ یہ نظر سے گزری ہے کہ گرم ممالک میں بظر کچھ لمبا ہوتا ہے اس لئے اسے کاٹ دیا جاتا ہے۔

قال العلامۃ السہارنفوری رحمہ اللہ تعالیٰ: واختلف فی وجوب الختان فروی عن الشافعی وکثیر من المشایخ رحمہم اللہ تعالیٰ انہ واجب فی حق الرجال والنساء وعند مالک وابی حنیفۃ رحمہما اللہ تعالیٰ قال النووی وہو قول اکثر العلماء انہ سنۃ فیہما قالہ الشوکانی، وقال الحافظ فی الفتح: قد ذہب الی وجوب الختان دون باقی الخصال المذکورۃ فی الباب الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ وجمہور اصحابہ وقال بہ من القدماء عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ حتی لو اسلم الکبیر لم یتم اسلامہ حتی یختتن وعن احمد وبعض المالکیۃ لایجب وعن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ واجب ولیس بفرض وعنہ سنۃ یأثم بترکہ وفی وجہ للشافعیۃ لایجب فی حق النساء انتہی (بذل المجہود ص۳۳۹ ج ۶)

وقال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: والاصل ان الختان سنۃ کما جاء فی الخبر وہو من شعائر الاسلام وخصائصہ فلو اجتمع اہل بلدۃ علی ترکہ حاربہم الامام فلا یترک الا لعذر وعذر شیخ لایطیقہ ظاہر (الی قولہ) وختان المرأۃ لیس سنۃ بل مکرمۃ للرجال وقیل سنۃ۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ بل مکرمۃ للرجال) لانہ الذ فی الجماع زیلعی (قولہ وقیل سنۃ) جزم بہ البزازی معللا بأنہ نص علی ان الخنثی تختتن ولو کان ختانہا مکرمۃ لم تختتن الخنثی لاحتمال ان تکون امرأۃ ولکن لا کالسنۃ فی حق الرجال اھ اقول ختان الخنثی لاحتمال کونہ رجلا وختان الرجل لایترک فلذا کان سنۃ احتیاطا ولا یفید ذلک سنیتہ للمرأۃ تأمل وفی

کتاب السراج الوهاج اعلم ان الختان سنة عندنا للرجال والنساء وقال الشافعی رحمه الله تعالیٰ واجب وقال بعضهم سنة للرجال مستحب للنساء لقوله علیه الصلوٰة والسلام ختان الرجال سنة وختان النساء مکرمة (رد المحتار ص۴۷۹ ج ۵)

قال العلامة ابن قدامة رحمه الله تعالیٰ: فاما الختان فواجب علی الرجال ومکرمة فی حق النساء ولیس بواجب علیهن هذا قول کثیر من اهل العلم (المغنی ص۶۴ ج ۱)

قال الامام النووی رحمه الله تعالیٰ: فالختان واجب عند الشافعی رحمه الله تعالیٰ وکثیر من العلماء وسنة عند مالک رحمه الله تعالیٰ واکثر العلماء وهو عند الشافعی رحمه الله تعالیٰ واجب علی الرجال والنساء جمیعا (شرح النووی علی مسلم ص۱۲۸ ج ۱)

وفی عون المعبود شرح سنن ابی داؤد: اختلف فی النساء هل یخفضن عموما او یفرق بین نساء المشرق فیخفضن ونساء المغرب فلا یخفضن لعدم الفضلة المشروع قطعها منهن بخلاف نساء المشرق (عون المعبود ص۱۲۳ ج ۷)

والله سبحانه وتعالیٰ اعلم۔

۲۴ ربیع الثانی سنه ۱۴۱۹ھ

ہندو کے متروک مکان سے سونا ملا:

سوال: زینب جب ہندوستان سے پاکستان آئی تھی تو ایک ہندو کے مکان سے اکتیس ۳۱ تولہ سونا ملا تھا جس کا اس نے زیور بنا لیا، اب دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا وہ اس کی مالکہ ہوگئی ہے؟ اور کیا اس کی زکوٰۃ ادا کرنا اس کے ذمہ فرض ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصّواب

اگر یہ واقعہ ابتداء قیام پاکستان کا ہے تو ان دنوں دونوں حکومتوں کے معاہدہ کے تحت اس سونے پر ہندو کی ملکیت قائم رہے گی، مالک کی تلاش کر کے اس تک پہنچانا فرض ہے، اگر انتہائی کوشش کے باوجود مالک کا علم نہ ہوسکے تو یہ سونا واجب التصدق ہے اگر زینب خود مسکینہ ہے تو خود بھی رکھ سکتی ہے۔

اگر دونوں حکومتوں کا معاہدہ ختم ہوجانے کے بعد یہ سونا ملا تو بحکم فی رہے جس پر حکومت پاکستان کی اجازت کے بغیر قبضہ کرنا درست نہیں، ہاں اگر زینب مسکینہ تھی تو بدون اجازت حکومت بھی اس کا قبضہ صحیح ہوگیا، وہ اس کی مالکہ ہوجائے گی۔

جن صورتوں میں زینب کی ملک کی صحت تحریر کی گئی ہے ان صورتوں میں زینب پر اس سونے کی زکوٰۃ واجب ہوگی، دوسری صورتوں میں زکوٰۃ واجب نہیں کیونکہ یہ مال غصب ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۳ صفر سنہ ۸۷ھ

عورت پر گھر کا کام واجب ہے:

سوال: کیا عورت پر گھر کا کام کاج جیسے شوہر اور بچوں کا کھانا پکانا واجب ہے؟ بصورت وجوب اگر عورت کوئی دینی یا دنیوی اعزاز وشرف رکھتی ہو تو کیا اس پر بھی واجب ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

عورت خواہ کوئی بڑے سے بڑا شرف رکھتی ہو تو بھی اس پر گھر کا کام کاج دیانۃً واجب ہے، البتہ اگر کھانا پکانے سے انکار کرے تو قضاءً واجب نہ ہونے کی وجہ سے اس کو مجبور نہیں کیا جا سکتا، اس صورت میں اگر عورت ایسے خاندان سے ہو کہ اس کی لڑکیاں خود کام نہ کرتی ہوں یا اسے کوئی ایسی بیماری ہو کہ کھانا نہیں پکا سکتی تو شوہر پر اسے کھانا پکوا کر دینا واجب ہے ورنہ نہیں۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: استأجر امرأته لتخبز له خبز اللاكل لم يجز وللبيع جاز صيرفية۔

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله لم يجز) لان هذا العمل من الواجب عليها ديانة لان النبي صلى الله عليه وسلم قسم الاعمال بين فاطمة وعلي رضي الله تعالى عنهما فجعل عمل الداخل على فاطمة وعمل الخارج على علي رضي الله تعالى عنهما وافاد المصنف اخر الباب ان استئجار المرأة للطبخ والخبز وسائر اعمال البيت لا تنعقد ونقله عن المضمرات ط قلت كأنه لانه واجب عليها ديانة ثم راجعت باب النفقة فرأيته علل به وزاد ولو شريفة لانه عليه السلام قسم الاعمال الخ (رد المحتار ص ۳۹ ج ۵)

وقال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: امتنعت المرأة عن الطحن والخبز ان كانت ممن لا تخدم او كان بها علة فعليه ان يأتيها بطعام مهيأ والا بأن كانت ممن تخدم نفسها وتقدر على ذلك لا يجب عليه ولا يجوز لها اخذ الاجرة

علی ذلک لوجوبہ علیہا دیانۃ ولو شریفۃ لانہ علیہ الصلوٰۃ والسلام قسم الاعمال بین علی وفاطمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فجعل اعمال الخارج علی علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ والداخل علی فاطمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مع انہا سیدۃ نساء العالمین بحر۔

(قولہ لوجوبہ علیہا دیانۃ) فتفتی بہ ولکنہا لا تجبر علیہ ان ابت بدائع۔

(رد المحتار ص ۶۴۸ ج ۲)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۰؍ جمادی الثانیہ سنہ ۸۷ھ

بیوی پر شوہر کے کن احکام کی اطاعت لازم ہے؟

سوال: بیوی پر شوہر کے کن احکام کا ماننا لازم ہے، شوہر اوامر کے امتثال اور نواہی سے اجتناب کے لئے کہے یا مباحات کا حکم دے تو کیا بیوی ان احکام کی تعمیل سے انکار کرنے کی صورت میں نافرمان کہلائے گی؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بیوی پر شوہر کے ہر جائز حکم کی تعمیل فرض ہے، اوامر شرع اور نواہی کے بارے میں شوہر کے حکم کی تعمیل بطریق اولیٰ فرض ہوگی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۸؍ ربیع الاول سنہ ۸۹ھ

امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو پردہ کیوں؟

سوال: امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے پردہ کرتی تھیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ پردہ تو اس سے فرض ہے جس سے نکاح جائز ہو اور امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کا کسی سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی حرمت تکریماً ہے اور پردہ میں بھی تکریم ہے، نیز حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بعد الوفات بھی بعض احکام میں مثل احیاء ہیں، اس لئے امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی حرمت ذوات زوج ہونے کی وجہ سے ہے جو پردہ کے منافی نہیں، علاوہ ازیں اس میں یہ حکمت بھی ہے کہ امت پر پردہ کی اہمیت واضح ہو۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۲؍ جمادی الاولیٰ سنہ ۸۸ھ

والدین کے گناہ معاف کروانے کا طریقہ :

سوال : جس شخص کے والدین نے گناہ کی زندگی گزاری اور یہ معلوم نہیں کہ توبہ واستغفار کیا یا نہیں، ایسی حالت میں اولاد کا کیا فریضہ بنتا ہے ؟ کیا کوئی ایسا عمل ہے جس سے ان کے گناہوں کی معافی یا کم از کم تخفیف ہو سکتی ہو ؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

والدین کے انتقال کے بعد اولاد پر ان کے یہ حقوق ہیں :

① ان کے لئے دعاء واستغفار کریں۔

② انہوں نے کسی سے کوئی عہد کیا ہوا تھا مگر پورا کرنے سے پہلے انتقال ہو گیا تو اس عہد کو پورا کریں۔

③ والدین کے اہل قرابت کے ساتھ صلہ رحمی اور اہل تعلق کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کریں۔

④ بلا قیود وشرائط بدنی ومالی عبادت کر کے ایصال ثواب کرنا بھی بہتر ہے۔

اس سے ان شاء اللہ تعالیٰ ان کے گناہ معاف ہوں گے اور ان کے عذاب میں تخفیف ہو گی۔

عن ابی اسید الساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال بینا نحن عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذ جاءہ رجل من بنی سلمۃ فقال یا رسول اللہ ھل بقی من بر ابوی شیء ابرھما بہ بعد موتھما قال نعم الصلوۃ علیھما والاستغفار لھما وانفاذ عھدھما من بعدھما وصلۃ الرحم التی لا توصل الا بھما واکرام صدیقھما رواہ ابوداؤد وابن ماجہ (مشکوۃ ص۴۲۰)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۹ جمادی الثانیہ سنہ ۸۸ھ

تصور شیخ کا حکم :

سوال : جو شخص تصور شیخ اور فیض از قبور اولیاء کا انکار کرے کیا وہ اہل سنت سے خارج ہو جاتا ہے ؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

تصور شیخ اور استفادہ از قبور اولیاء سے عوام کو منع کرنا چاہئے تاکہ شرک تک نوبت

نہ پہنچ جائے، اگرچہ فی نفسہ یہ دونوں امور جائز ہیں، لہٰذا اگر کوئی شخص سدًّا لباب الفتنہ انکار کرتا ہے تو اس کا انکار صحیح ہے اور واقعۃً منکر ہے تو حقیقت سے ناواقفیت اور جہل کی بنا پر ہے اس لئے ایسے شخص کو بدعتی یا اہلِ سنت سے خارج کہنا صحیح نہیں۔

ایسے مسائل میں زیادہ بحث مباحثہ کرکے عوام میں تفرقہ پیدا کرنا اور ان کو دین سے قریب لانے کی بجائے مزید دُور کرنا جائز نہیں، اپنی تمامتر کوشش خود کو اور دوسروں کو محرمات و منکرات قطعیہ سے بچانے اور دنیا و آخرت میں سرخرو کرنے پر صرف کرنی چاہئے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۲/رجب سنہ ۸۸ھ

بروز قیامت باپ کی طرف نسبت کرکے پکارا جائیگا:

سوال: قیامت کے روز لوگوں کو والد کے نام سے پکارا جائے گا یا والدہ کے نام سے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

چونکہ نسب باپ کی طرف سے ثابت ہوتا ہے اس لئے باپ کی طرف منسوب کرکے پکارا جائیگا، البتہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوۃ والسلام کے چونکہ والد نہیں تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی قدرت کاملہ سے بغیر والد کے حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پیدا فرمایا تھا، اس لئے ان کو والدہ کی طرف منسوب کرکے عیسیٰ ابن مریم کہہ کر پکارا جائے گا۔

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر ترجمۃ الباب قائم فرمایا ہے، "باب یدعی الناس بآبائہم" اور اس میں یہ روایت ذکر فرمائی ہے:

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان الغادر یرفع له لواء یوم القیامة یقال هٰذه غدرة فلان بن فلان (صحیح بخاری ص۹۱۲ ج ۲)

قال الحافظ العینی رحمہ اللہ تعالیٰ: قال ابن بطال الدعاء بالآباء اشد فی التعریف وابلغ فی التمییز (وبعد اسطر) وفی حدیث الباب رد لقول من یزعم انه لا یدعی الناس یوم القیٰمة الا بامهاتهم لان فی ذلك سترا علی آبائهم وفیه جواز الحکم بظاهر الامور (عمدة القاری ص۲۰۱ ج ۲۲)

وعن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم تدعون

یوم القیامۃ باسمائکم واسماء اٰبائکم فاحسنوا اسماءکم رواہ ابوداؤد (مشکوٰۃ ص۴۰۸)

قال العلامۃ عبد الحق المحدث رحمہ اللہ تعالیٰ: فاحسنوا اسماءکم پس نیک بنہید نامہائے خود را، این خطاب است مرجمیع بنی آدم را، پس پدران نیز داخل باشند ودر بعضے روایات آمدہ کہ روز قیامت مردم را بنام مادراں خوانند وگفتہ اند کہ حکمت درین آن است کہ تا اولاد زنا شرمندہ ورسوا نشوند بجہت رعایت حال عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کہ پدر ندارد واز برائے اظہار فضل وشرف حضرت امام حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما باظہار نسب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واگر این روایت ثابت شود اٰبائکم را حمل بر تغلیب میتوان کرد چناں کہ ابوین میگویند وشاید کہ گاہے باٰباء خوانند وگاہے بامہات یا بعضے را بنسبت پدران و بعضے را بنسبت مادران یا در بعضے مواطن چنان ودر بعضے چنین واللہ اعلم (اشعۃ اللمعات ص۵۴ ج۴)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۵ رجب سنہ ۸۸ھ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیٹے پر حدِّ زنا جاری کرنیکا قصہ موضوع ہے:

سوال: مشہور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی بیٹے کو زنا کرنے کی وجہ سے کوڑے مارے، حد ابھی تک پوری نہیں ہوئی تھی کہ ان کا انتقال ہوگیا، چنانچہ بقیہ کوڑے ان کی نعش پر مارے، کیا یہ قصہ صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو اس بیٹے کا نام کیا تھا اور عمر کتنی تھی؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ قصہ واعظین کے درمیان مشہور ہے جو موضوع اور باطل ہے، چنانچہ اللآلی المصنوعۃ میں یہ روایت شیرویہ بن شہریار کی سند سے نقل کی ہے اس کے بعد فرمایا ہے:

موضوع فیہ مجاھیل قال الدارقطنی حدیث مجاھد عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فی حدیث ابی شحمۃ لیس بصحیح وقد روی من طریق عبد القدوس بن الحجاج عن صفوان عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعبد القدوس یضع وصفوان بینہ وبین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رجال۔

صحیح قصہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے عبد الرحمٰن الاوسط ابوشحمہ کے نبیذ پینے کا ہے جس کے بعد انھوں نے خود اپنے آپ کو مصر کے گورنر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

کے سامنے حد جاری کرنے کے لئے پیش کیا، انھوں نے مجمع عام کی بجائے گھر کے اندر ان پر حد جاری کی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو تنبیہ فرمائی اور مدینہ منورہ لوٹنے کے بعد ان پر دوبارہ حد جاری کی، چنانچہ اللآلی المصنوعہ میں ہے:

والذی ورد فی ھذا ما ذکرہ الزبیر بن بکار وابن سعد فی الطبقات وغیرھما ان عبد الرحمن الاوسط من اولاد عمر ویکنی ابا شحمة کان بمصر غازیا فشرب لیلة نبیذا فخرج الی السکة فجاء الی عمرو بن العاص فقال اقم علی الحد فامتنع فقال له انی اخبر ابی اذا قدمت علیه فضربه الحد فی دارہ ولم یخرجه فکتب الی عمر یلومه و یقول الا فعلت به ما تفعل بجمیع المسلمین فلما قدم علی عمر ضربه واتفق انه مرض فمات ـ واللہ سبحانه وتعالیٰ اعلم۔

۱۵ / رجب سنہ ۸۸ھ

حکم تبرکات شاہی مسجد لاہور:

سوال: لاہور کی شاہی مسجد میں تبرکات یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمامہ، عصا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کلاہ اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دستاویزات رکھی ہیں، کیا واقعۃً یہ چیزیں انہی حضرات کی ہیں جن کی طرف منسوب ہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

ان کی تصدیق لازم نہیں اور انکار مناسب نہیں، امکان ثبوت کی بناء پر احترام ضروری ہے اور اگر ان کی زیارت سے شرک و بدعات کی تائید ہوتی ہو تو اس سے احتراز واجب ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۶ / رجب سنہ ۸۸ھ

روح پر موت نہیں آئے گی:

سوال: کیا روح پر موت آئے گی؟ کیا یہ مسئلہ اتفاقی ہے یا اختلافی؟ با حوالہ تحریر فرمائیں۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

ارواح کی فنائیت میں اختلاف ہے۔ صحیح قول یہ ہے کہ روح پر موت نہیں آئے گی۔ فنائیت ارواح سے مراد افتراق عن البدن ہے، ناقابلِ انتفاع ہو جانے یا تبدل صفات

کو فنائیت سے تعبیر کردیا جاتا ہے، بالخصوص تقیید بالزمان کما قالوا فی الجواب عن عدم فناء جھنم والجنۃ والعرش والکرسی۔

قال العلامۃ الآلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ: والصواب ان یقال موت الروح ھو مفارقتھا الجسد فان ارید بموتھا ھذا القدر فھی ذائقۃ الموت وان ارید انھا تعدم وتضمحل فھی لا تموت بل تبقی مفارقۃ ما شاء اللہ ثم تعود الی الجسد وتبقی معہ فی نعیم او عذاب ابد الآبدین ودھر الداھرین وھی مستثناۃ ممن یصعق عند النفخ فی الصور علی ان الصعق لا یلزم منہ الموت والھلاک لیس مختصا بالعدم بل یتحقق بخروج الشیء عن حد الانتفاع بہ ونحو ذلک وما ذکر فی تفسیر الاما تتین غیر مسلم (روح المعانی ص۱۵۹ ج ۱۵)

وقال الشاہ عبد العزیز المحدث الدھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ: زیرا کہ مضمونے کہ بایں قسم تاکید فرمودہ اند آنست کہ جان آدمی ہرچند در شدائد و مصائب گرفتار شود بحفظ الٰہی محفوظ است شکستہ شدن وفنا پذیر فتن از محالات است ولہٰذا در حدیث شریف وارد است انما خلقتم للأبد۔ یعنی جان آدمی کہ درحقیقت آدمی عبارت از آنست ابدی است ھرگز فنا پذیر نیست وآنچہ درعرف مشہور است موت ہلاک جان میکند محض مجاز است نہایت کار موت آنست کہ جان از بدن جدا شود و بسبب نایافت مربی و محافظ از ہم پاشد والا جان را فنا متصور نیست واثبات عالم برزخ وامکان حشر نشر مبنی برہمیں مسئلہ است (تفسیر عزیزی ص۱۳۳)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۶ر شعبان سنہ ۸۸ھ

معاہدہ یا وعدہ کی خلاف ورزی:

سوال: معاہدہ یا وعدہ کی خلاف ورزی گناہ کبیرہ ہے یا صغیرہ؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

معاہدہ جانبین سے ہوتا ہے، اس کی خلاف ورزی کرنا گناہِ کبیرہ ہے، وعدہ جانب واحد سے ہوتا ہے، اس کے خلاف کرنے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر وعدہ کرتے وقت ہی ایفاء کی نیت نہ ہو تو گناہ کبیرہ ہے اور اگر ایفاء کی نیت تھی، بعد میں بدل گئی تو بلا عذر خلاف کرنا مکروہ تنزیہی ہے اور عذر کی وجہ سے ہو تو مباح ہے، بشرطیکہ اس سے دوسرے کو ایذاء نہ پہنچے، ایذاء پہنچانا بہرحال حرام ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۷ر شعبان سنہ ۸۸ھ

کافر کا حق کیسے ادا کیا جائے؟

یہ مسئلہ "احسن الفتاوی" جلد ۶ کتاب اللقطہ ص ۳۸۹ پر آچکا ہے۔

غیبت اور جھوٹ فسق ہے:

سوال: فاسق کی جامع و مانع تعریف کیا ہے؟ کیا غیبت کرنا اور جھوٹ بولنا فسق کی تعریف میں آتا ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصّواب

اصطلاح شریعت میں فاسق ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جس کے اعمال میں نقص و فتور ہو، یعنی شریعت میں جن اعمال کے کرنے کا حکم ہے ان کو ترک کرتا ہو اور جن کے ترک کا حکم ہے ان کا ارتکاب کرتا رہتا ہو۔

غیبت کرنا اور جھوٹ بولنا کبائر میں سے ہیں اس لئے یہ بدرجۂ اتم فسق کی تعریف میں داخل ہیں۔

قال العلامة الآلوسی رحمه الله تعالیٰ فی تفسیر قوله تعالیٰ "یا ایها الذین اٰمنوا ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا" الآیة: والفاسق الخارج عن حجر الشرع من قولهم: فسق الرطب اذا خرج عن قشره، قال الراغب: والفسق اعم من الکفر ویقع بالقلیل من الذنوب والکثیر لکن تعورف فیما کانت کثیرة، واکثر ما یقال الفاسق لمن التزم حکم الشرع واقر به ثم اخل بجمیع احکامه او ببعضها، واذا قیل للکافر الاصلی فاسق فلأنه اخل بحکم ما الزمه العقل واقتضته الفطرة (روح المعانی ص ۱۴۵ ج ۲۶)

والله سبحانه وتعالیٰ اعلم

۲۱ ذی القعدہ سنہ ۸۸ھ

جلد سازی میں کٹے ہوئے اوراق بھی قابل احترام ہیں:

سوال: قرآن مجید کی جلد بندی میں جو اوراق غیر محررہ کٹ جاتے ہیں، وہ بھی قابل تعظیم ہیں یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

جو کاغذ لکھنے کی غرض سے تیار کیا گیا ہو وہ قابل احترام ہے، خواہ وہ بعد میں کسی وجہ سے ناقابل تحریر ہو گیا ہو، اس لئے ایسے کاغذ کی تعظیم و احترام ضروری ہے، خصوصاً جبکہ قرآن کا کاغذ ہو۔ والله سبحانه وتعالیٰ اعلم۔

۲۹ ذی القعدہ سنہ ۸۸ھ

قرآن مجید ہاتھ سے گرجانے کا کفارہ :

سوال : اگر کسی سے قرآن مجید گرجائے تو کیا شرعاً اس کا تدارک ضروری ہے؟ مثلاً کچھ صدقہ کرے اور توبہ و استغفار کرے، بلاقصد گرجائے تو معصیت تو نہیں ہوگی؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

صدقہ کرنا شرعاً ضروری نہیں، نفس پر جرمانہ اور ادعیٰ الی قبول التوبہ ہونے کی وجہ سے بہتر ہے، بلاقصد و ارادہ گرجانے سے معصیت نہیں ہوگی، معہذا صورت معصیت وعدم احتیاط کی وجہ سے توبہ کرنا چاہئے ۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۹ رذی القعدة سنہ ۸۸ھ

ارواح حیوانات کا مقام :

سوال : جانوروں کی ارواح کا مقام کہاں ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

حیوانات کی ارواح کے مقام کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں، بعض نے کہا ہے کہ جانوروں کی ارواح ہوا میں معلق رہتی ہیں اور بعض کا خیال ہے کہ معدوم ہوجاتی ہیں اور بعض نے مذکورہ بالا اختلاف اقوال کی بناء یہ ذکر فرمائی کہ جو حضرات حیوانات لئے حشر کے قائل ہیں جیساکہ مشہور مذہب ہے، ان کے نزدیک ان کی ارواح ہوا میں یا جہاں اللہ تعالیٰ کو منظور ہو وہاں معلق رہتی ہیں اور جو حضرات حیوانات کے لئے عدم حشر کے قائل ہیں جیساکہ امام غزالی اور اہل ظاہر کا مذہب ہے، ان کے نزدیک حیوانات کی ارواح معدوم ہوجاتی ہیں قول اول صحیح ہے۔

قال العلامة الألوسی رحمہ اللہ تعالیٰ فی تفسیر قولہ تعالیٰ یسئلونك عن الروح فی المبحث السادس فی مستقر الارواح بعد مفارقة الابدان : ثم ان ارواح سائر الحیوانات من البهائم ونحوها قیل تکون بعد المفارقة فی الهواء ولا اتصال لها بالابدان وقیل تعدم ولا یعجز اللہ تعالیٰ شیء ومن الناس من قال ان کان للحیوانات حشر یوم القیامة کما هو المشهور الذی تقتضیه ظواهر الآیات والاخبار فالاولی ان یقال ببقاء ارواحها فی الهواء او حیث شاء اللہ تعالیٰ وان لم یکن لها حشر کما ذهب الیه الغزالی واهل الظواهر فالاولی ان یقال بانعدامها هذا

وبقية ابحاث كثيرة تركناها لضيق القفس واتساع دائرة الغصص ولعل فيما ذكرناه هنا مع ماذكرناه فيما قبل كفاية لاهل البداية والهداية لمن ساعدته العناية والله عزوجل ولى الكرم والجود وعنده سبحانه بدأ كل شيء واليه جل وعلا يعود ـ والله سبحانه وتعالىٰ اعلم ـ

۹ رذی الحجہ سنہ ۸۸ ھ

امیر کی اطاعت :

سوال : تبلیغی جماعت والے اپنے امیر کی بڑی اطاعت کرتے ہیں، کیا مأمور کو اپنے امیر کی ایسے ہی اطاعت کرنی چاہئے جیسے بیوی اپنے شوہر کی یا غلام اپنے آقا کی اطاعت کرتا ہے اور اس کے تابع رہتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

جیسے تبلیغی جماعت والے اپنے امیر کی اطاعت کرتے ہیں، ہر دینی جماعت کو ہر ایسے حکم میں جو معصیت نہ ہو اپنے امیر کی ایسے ہی اطاعت کرنی چاہئے، اس میں حسن انتظام ہے اور تشتت وافتراق سے اجتناب ہے جس کی شریعت نے تاکید فرمائی ہے۔

والله سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۸ رذی الحجہ سنہ ۸۸ھ

"علیہ الصلوٰۃ والسلام"، "رضی اللہ تعالیٰ عنہ" اور "رحمہ اللہ تعالیٰ" کا استعمال :

سوال : لفظ علیہ الصلوٰۃ والسلام، رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور رحمہ اللہ تعالیٰ کا استعمال کس کی شان میں مسنون ہے اور کس کی شان میں مکروہ یا ناجائز ہے؟ کیا امام ابوحنیفہ کے لئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت حسین کے لئے علیہ الصلوٰۃ والسلام کہنا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

لفظ علیہ الصلوٰۃ والسلام انبیاء و ملائکہ علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ خاص ہے، غیر انبیاء کے لئے اس کا استعمال جائز نہیں، لہٰذا حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام یا علی علیہ الصلوٰۃ والسلام کہنا جائز نہیں، البتہ تبعاً استعمال کرنا جائز ہے، یعنی کسی نبی کے نام کے بعد آل نبی یا صلحاء کا ذکر آجائے تو سب کے لئے علیہم الصلوٰۃ والسلام کہنا جائز ہے۔

مستحب یہ ہے کہ صحابہ کرام کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ائمہ وصلحاء کے ساتھ رحمہم اللہ تعالیٰ استعمال کیا جائے، البتہ اس کے برعکس یعنی صحابہ کرام کے لئے ترحم اور ائمہ وصلحاء کے لئے ترضی کا استعمال بھی جائز ہے اس لئے امام ابوحنیفہ کے نام کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنا لکھنا جائز ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: ولا یصلی علی غیر الانبیاء ولا علی غیر الملائکۃ الا بطریق التبع وھل یجوز الترحم علی النبی قولان زیلعی قلت وفی الذخیرۃ انہ یکرہ وجوزہ السیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ تبعا لا استقلالا فلیکن التوفیق وباللہ التوفیق ولیستحب الترضی للصحابۃ وکذا من اختلف فی نبوتہ کذی القرنین ولقمان وقیل یقال صلی اللہ علی الانبیاء وعلیہ وسلم کما فی شرح المقدمۃ للقرمانی والترحم للتابعین ومن بعدھم من العلماء والعباد وسائر الاخیار وکذا یجوز عکسہ وھو الترحم للصحابۃ والترضی للتابعین ومن بعدھم علی الراجح ذکرہ القرمانی وقال الزیلعی الاولی ان یدعو للصحابۃ بالترضی وللتابعین بالرحمۃ ولمن بعدھم بالمغفرۃ والتجاوز۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ ولا یصلی علی غیر الانبیاء الخ) لان فی الصلوۃ من التعظیم ما لیس فی غیرھا من الدعوات وھی لزیادۃ الرحمۃ والقرب من اللہ تعالیٰ ولا یلیق ذلک بمن یتصور منہ الخطایا والذنوب الا تبعا بان یقول اللھم صل علی محمد وآلہ وصحبہ وسلم لان فیہ تعظیم النبی صلی اللہ علیہ وسلم زیلعی واختلف ھل تکرہ تحریما او تنزیھا او خلاف الاولی وصحح النووی رحمہ اللہ تعالیٰ فی الاذکار الثانی لکن فی خطبۃ شرح الاشباہ للبیری من صلی علی غیرھم اثم وکرہ وھو الصحیح وفی المستصفی وحدیث صلی اللہ علی آل ابی اوفی الصلوۃ حقہ فلہ ان یصلی علی غیرہ ابتداء اما الغیر فلا اھ واما السلام فنقل اللقانی فی شرح جوھرۃ التوحید عن الامام الجوینی انہ فی معنی الصلوۃ فلا یستعمل فی الغائب ولا یفرد بہ غیر الانبیاء فلا یقال علی علیہ السلام وسواء فی ھذا الاحیاء والاموات الا فی الحاضر فیقال السلام او سلام علیک او علیکم وھذا مجمع علیہ اھ (رد المحتار ص۴۷۹ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۸ محرم سنہ ۸۹ھ

عورت گھر کے نامحرم افراد سے پردہ کیسے کرے؟

سوال: چند بھائی ایک گھر میں رہتے ہیں، ہر ایک کے لئے علیحدہ مکان بنانے کی استطاعت نہیں، ایسی صورت میں عورت پردہ کرنے کی کیا تدبیر اختیار کرے، جبکہ اسے گھر میں مختلف کام سرانجام دینے پڑتے ہیں اور نامحرم سے بات کرنے کی ضرورت بھی پیش آتی ہے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

شرعی پردہ اللہ تعالیٰ کا قطعی حکم ہے، اگر قلب میں کچھ فکر آخرت ہو تو اس پر عمل کرنا کوئی مشکل نہیں، اس کے لئے علیحدہ گھر ہونا ضروری نہیں، چہرہ چھپانا اور بلا ضرورت بات کرنے سے احتراز ایک گھر میں رہتے ہوئے بھی ممکن ہے، بقدر ضرورت بات کرنے کی گنجائش ہے، اس گنجائش سے ناجائز فائدہ اٹھاکر بلا ضرورت گپ شپ لگانے یا بالکلیہ پردہ ترک کرنے کی کوئی گنجائش نہیں، عورت گھونگٹ کرکے گھر کے سارے کام کرسکتی ہے، تفصیل وعظ "شرعی پردہ" میں ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۹ محرم سنہ ۸۹ھ

پیوند لگا ہوا کپڑا پہننا:

سوال: کیا پیوند لگا ہوا کرتا یا تہبند سنت ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

پیوند لگا ہوا لباس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس کی ترغیب دی تھی اس لئے بنیت اتباع پیوند لگا ہوا کپڑا پہننے پر ثواب کی امید ہے۔

البتہ اپنے زمانہ کے علماء وصلحاء کی وضع کے خلاف کوئی صورت اختیار کرنا ریاء ونمود اور عجب وکبر اور دوسروں کو کمتر سمجھنے کا باعث ہوسکتا ہے، اس لئے ایسی امتیازی شان سے احتراز کرنا چاہیے۔

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا عائشۃ اذا اردت اللحوق بی فلیکفک من الدنیا کزاد الراکب وایاک ومجالسۃ الاغنیاء ولا تستخلقی ثوبا حتی ترقعیہ رواہ الترمذی (مشکوٰۃ ص۳۷۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۴ صفر سنہ ۸۹ھ

چاند پر پہنچنا شریعت کے خلاف نہیں:

سوال: قرآن مجید میں "تبٰرك الذی جعل فی السماء بروجا وجعل فیها سراجا وقمرا منیرا" سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سب آسمانوں میں ہیں، اسی طرح چند تفاسیر میں بھی یہی تحریر ہے اور آجکل لوگ چاند پر اُتر رہے ہیں اور اسی طرح زھرہ پر اُتر رہے ہیں اور وہاں اسٹیشن قائم کر رہے ہیں اور یہ لوگ آسمانوں کے قائل نہیں ہیں اور دلیل یہی دے رہے ہیں کہ اگر آسمان ہوتے تو ہمیں جانے میں رکاوٹ ہوتی، مہربانی فرماکر تسلی بخش جواب مرحمت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

سماء کے لغوی معنی بلندی کے ہیں، لہذا آیۂ مذکورہ میں اگر اس کے لغوی معنی مراد لئے جائیں جو کثرت سے آتے ہیں کما قالوا فی قوله تعالیٰ "وانزلنا من السماء ماء" تو کوئی اشکال باقی نہیں رہتا، جیسے کہ "کل فی فلك یسبحون" میں فلک کے لغوی معنی یعنی تدویر مراد لینے سے اعتراض رفع ہو جاتا ہے، نیز دونوں جگہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حرف "فی" ظاہر رؤیت کے اعتبار سے لایا گیا ہے، یعنی بظاہر یہ سیارات آسمان کے اندر نظر آرہے ہیں، اگرچہ حقیقۃً نیچے ہیں، چنانچہ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ میں نے آسمان پر یا آسمان میں فلاں چیز دیکھی، یا آسمان پر بادل ہیں، حالانکہ یہ اشیاء آسمان سے بہت نیچے ہیں۔

نیز آیات مذکورہ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ سیارات ثخن سماء میں مرکوز ہیں، کیونکہ اشیاء مجاورہ کے لئے بھی "فی" استعمال ہوتا ہے، کما فی قوله تعالیٰ "له ما فی السمٰوٰت وما فی الارض" سو قرب الی السماء یا بالطبع مائل الی المحیط ہونے کی وجہ سے "فی السماء" کا اطلاق صحیح ہے بلکہ "یسبحون" سے یہی متبادر ہے۔ واللہ سبحانه وتعالیٰ اعلم۔

۳ ربیع الاول سنہ ۸۹ھ

جلد بازی کو شیطان کی طرف منسوب کرنا:

سوال: مشہور ہے کہ جلدی کا کام شیطان کی طرف سے ہوتا ہے کیا یہ صحیح ہے؟ نیز اس کی وجہ کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

صحیح ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ جلد بازی بُری چیز ہے اور ہر بُری چیز کو شیطان

کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

عن سھل بن سعد الساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الاناۃ من اللہ والعجلۃ من الشیطان رواہ الترمذی (مشکوۃ ص۴۲۹)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۸ ربیع الاول سنہ ۸۹ھ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ پیدائش :

یہ مسئلہ احسن الفتاوی ص۳۶۸ ج ۲ میں بعنوان "محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ولادت" مفصل آچکا ہے۔

۱۲ منہ کا مطلب :

سوال : عبارت کے آخر میں جو ۱۲ منہ لکھا ہوتا ہے اس کا کیا مطلب ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

بحساب "ابجد" لفظ "حد" کا عدد ۱۲ نکلتا ہے، مطلب یہ ہوتا ہے کہ عبارت ختم ہوگئی اور منہ کا مطلب یہ ہے کہ یہ حاشیہ ماتن کی طرف سے ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۰ رجب سنہ ۹۱ھ

سقوط مالیت کے بعد نوٹوں کے عوض بیع :

سوال : نوٹ مال ہے یا مال کی سند؟ چند ماہ قبل حکومت نے سو اور پانچ سو کے نوٹوں کی مالیت کے ساقط ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس اعلان کے بعد شرعاً وہ نوٹ مال کے حکم میں ہیں یا نہیں؟ نیز اس منسوخ نوٹ کے عوض بیع وشراء یا کوئی عقد کیا جائے تو صحیح ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

نوٹ مال نہیں بلکہ مال کی سند ہے، جب حکومت نے اس سند کو منسوخ کر دیا تو اب یہ مال کے حکم میں نہیں رہا، اس لئے اس کے عوض بیع وشراء وغیرہ صحیح نہیں۔

نوٹوں کے بارے میں مفصل تحقیق رسالہ "کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم" مندرجہ "احسن الفتاوی" جلد ۷ میں ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۶ شعبان سنہ ۹۱ھ

کسب حرام کا حکم :

سوال : میرے ایک دوست نے مجھے رقم دی کہ کاروبار کرو، نفع نقصان میں سے دو ثلث میرے اور ایک ثلث اس کا طے ہوا، میں نے کاروبار شروع کیا، کچھ دن بعد معلوم ہوا کہ رب المال نے یہ پیسے ناجائز طریقہ سے کمائے تھے تو میں نے اس سے تعلق منقطع کرلیا اور رقم واپس کرنا چاہی، مگر وہ واپس نہیں لیتا، اب وہ پاکستان میں نہیں ہے اور رقم میرے پاس بطور امانت رکھی ہوئی ہے، کچھ رقم خرچ بھی ہوگئی ہے، آئندہ بھی اگر میں جمع رکھوں تو ضائع ہونے کا خطرہ ہے اور بینک میں رکھوں تو اس میں بھی گھٹ جائے گی۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ میں یہ رقم تجارت میں لگادوں اور اس میں سے کچھ لوں یا کیا کروں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

یہ رقم جن لوگوں سے ناجائز طریقہ سے حاصل کی اگر وہ معلوم ہوں تو ان کو لوٹانا واجب ہے ورنہ واجب التصدق ہے، صاحب معاملہ خود اس کا مالک نہیں، لہذا اس کی اجازت سے بھی آپ اس میں کوئی تصرف نہیں کرسکتے، نہ ہی صاحب معاملہ کو واپس دینا جائز ہے، بہر حال اصل مع منافع کا مساکین پر صدقہ کرنا واجب ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۱۷ رشوال سنہ ۹۱ھ

ازار سنت ہے یا شلوار؟

سوال : کیا ازار لنگی کو کہتے ہیں؟ شلوار سنت ہے یا ازار؟ دونوں میں سے افضل کونسی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

ازار لنگی کو کہتے ہیں، لنگی اور شلوار دونوں سنن عادیہ میں سے ہیں، چونکہ اس زمانے میں لنگی ہی کا عام دستور تھا، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی عام معمول لنگی باندھنے کا تھا، مگر شلوار کو بھی آپ نے پسند فرمایا اور خریدا جس سے پہننے کا ثبوت ملتا ہے اور بعض روایات میں پہننے کی تصریح بھی ہے اور بعض روایات سے اس کی فضیلت ثابت ہے۔

علاوہ ازیں شریعت میں تستر کی بہت اہمیت ہے اور ظاہر ہے کہ تستر شلوار میں زیادہ ہے، اس لئے شلوار پہننا افضل ہے۔

قال الحافظ العسقلانی رحمہ اللہ تعالی : وصح انہ صلی اللہ علیہ وسلم اشتری

سراویل من سوید بن قیس اخرجہ الاربعۃ و احمد وصححہ ابن حبان من حدیثہ و
اخرجہ احمد ایضا من حدیث مالک بن عمیرۃ الاسدی قال قدمت قبل مہاجرۃ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاشتری منی سراویل فارجح لی وما کان
لیشتریہ عبثا وان کان غالب لبسہ ازارا واخرج ابو یعلی والطبرانی فی الاوسط
من حدیث ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ دخلت یوم السوق مع رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم فجلس الی البزاز فاشتری السراویل باربعۃ دراھم الحدیث
وفیہ قلت یا رسول اللہ وانک لتلبس السراویل قال اجل فی السفر والحضر واللیل
والنہار فانی أمرت بالتستر وفیہ یوسف بن زیاد البصری وھو ضعیف قال ابن القیم
فی الھدی اشتری صلی اللہ علیہ وسلم السراویل والظاھر انہ انما اشتراہ لیلبسہ ثم
قال وروی فی حدیث انہ لبس السراویل وکانوا یلبسونہ فی زمانہ وباذنہ قلت
ویوخذ ادلۃ ذلک کلہ مما ذکرتہ ووقع فی الاحیاء للغزالی ان الثمن ثلاثۃ دراھم
والذی تقدم انہ اربعۃ دراھم اولی (فتح الباری ص۲۲۴ ج ۱۰)

وقال الحافظ العینی رحمہ اللہ تعالی : وقال شیخنا زین الدین رحمہ اللہ تعالی
روینا من حدیث ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ مرفوعا ان اول من لبس السراویل
ابراھیم علیہ السلام رواہ ابو نعیم الاصبھانی وقیل ھذا ھو السبب فی کون اول من
یکسی یوم القیامۃ کما ثبت فی الصحیحین من حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما
فلما کان اول من اتخذ ھذا النوع من اللباس الذی ھو استر للعورۃ من سائر
الملابس جوزی بان یکون اول من یکسی یوم القیامۃ وفیہ استحباب لبس السراویل
(وبعد سطر) ورواہ ابو یعلی فی مسندہ من حدیث ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ
مطولا وفیہ اقبالہ صلی اللہ علیہ وسلم عن نفسہ انہ یلبس السراویل وروی
الترمذی ایضا من حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ عن النبی صلی اللہ
علیہ وسلم قال کان علی موسی علیہ السلام یوم کلمہ ربہ کساء صوف وکمۃ صوف وجبۃ
صوف وسراویل صوف وکانت نعلاہ من جلد حمار میت والکمۃ القلنسوۃ الصغیرۃ
(عمدۃ القاری ص۳۰۶ ج ۲۱) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۳۰ رشوال سنہ ۹۱ ھ

صلہ رحمی کے حقدار کون سے رشتہ دار ہیں؟ :

سوال : صلہ رحمی کے حق دار کون کون سے رشتہ دار ہیں؟ اپنے اصول و فروع کے علاوہ چچا، ماموں، خالہ، پھوپھی، ان کی اولاد اور سسرالی عزیزوں پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

صلہ رحمی میں اصول و فروع کے علاوہ قریب و بعید کے رشتہ دار بھی داخل ہیں، البتہ درجہ میں تفاوت ہے، جو زیادہ اقرب ہے اس کا حق مقدم ہے، سسرالی عزیزوں پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا، مگر حقوق ان کے بھی ہیں۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ : (قوله وصلة الرحم واجبة) نقل القرطبی فی تفسیرہ اتفاق الامة علی وجوب صلتها وحرمة قطعها للادلة القطعية من الكتاب والسنة علی ذلك قال فی تبیین المحارم واختلفوا فی الرحم التی یجب صلتها قال قوم هی قرابة كل رحم محرم وقال اٰخرون كل قریب محرما كان او غیرہ والثانی ظاهر اطلاق المتن قال النووی فی شرح مسلم وهو الصواب واستدل علیه بالاحادیث نعم تتفاوت درجاتهم ففی الوالدین اشد من المحارم وفیهم اشد من بقیة الارحام وفی الاحادیث اشارة الی ذلك كما بینه فی تبیین المحارم (رد المحتار ص۲۶۴ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۹ صفر سنہ ۹۲ھ

نافرمان بیوی کے لئے وعید :

سوال : عورت کا اپنے شوہر کو مارنا، دانت سے کاٹنا اور گستاخی کرنا کیسا ہے؟ ایسی عورت کا شرعاً کیا حکم ہے؟ کیا اس سے بات چیت بند کر دی جائے؟ اس کے ہاتھ سے کھانا پینا کیسا ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

الرجال قوامون علی النّساء۔

اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر حاکم بنایا ہے، لہٰذا عورتوں پر حدود شرع کے اندر رہتے ہوئے مردوں کی اطاعت واجب ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر

میں اللہ کے سوا کسی اور کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے، اس سے شوہر کی قدر و منزلت واضح ہو جاتی ہے۔

ایسی عورت جو شوہر کو مارتی ہے یا دیگر گستاخیاں کرتی ہے سخت گناہ گار ہے، شوہر کو ستانے والی عورت کے لئے قرآن و حدیث میں سخت وعیدیں ہیں۔ اس کی عبادات قبول نہیں ہوتیں جب تک کہ شوہر اس سے راضی نہ ہو جائے۔

مذکورہ عورت کو پہلے سمجھایا جائے، اگر نہ سمجھے تو بستر الگ کر دیا جائے، پھر بھی نہ سمجھے تو شوہر اس کو مار کر درست کر سکتا ہے، لیکن چہرہ پر نہ مارے، اس کے ہاتھ سے کھانا پینا جائز ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: والّٰتی تخافون نشوزہن فعظوہن واھجروہن فی المضاجع واضربوہن فان اطعنکم فلا تبغوا علیہن سبیلا (۴-۳۴)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۷ ذی القعدہ سنہ ۹۲ھ

متعدد شوہروں والی عورت جنت میں کس کو ملے گی؟:

سوال: جس عورت نے یکے بعد دیگرے شوہروں کے انتقال کر جانے کی وجہ سے کئی نکاح کئے ہوں وہ جنت میں کس کے ساتھ رہے گی؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آخری شوہر کو ملے گی اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کو اختیار دیا جائے گا، جس کے ساتھ زیادہ موافقت ہو اس کو اختیار کرے اور بعض حضرات نے یوں تطبیق دی ہے کہ اگر سب شوہر حسن خلق میں مساوی ہوں تو آخری شوہر کو ملے گی ورنہ اختیار دیا جائے گا۔

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال المرأۃ لآخر ازواجھا (احکام النساء ص۲۱)

وعن عروۃ بن رویم اللخمی قال لما احتضر موسی علیہ السلام قالت لہ امرأتہ سل اللہ ان یزوجنیک فی الجنۃ قال ان احببت ذلک لاتتزوجی بعدی ولا تأکلی من رشح جبینک فکانت تتبرقع بعدہ للقاط فاذا رآھا الحصادون

لم یخالطوھا فاذا احسنت بذلک ترکتہ وفی روایۃ اخری فان المرأۃ لآخر ازواجھا
(حوالہ بالا)

عن ام سلمۃ رضی اللہ تعالی عنھا قلت یا رسول اللہ المرأۃ تزوج الزوجین والثلاثۃ والاربعۃ ثم تموت فتدخل الجنۃ ویدخلون معھا من یکون زوجھا منھم قال انھا تخیر فتختار احسنھم خلقا فتقول یا رب ان ھذا کان احسنھم خلقا فی دار الدنیا فزوّجنیہ یا ام سلمۃ ذھب حسن الخلق بخیر الدنیا والآخرۃ (معجم طبرانی ص۳۶۸ ج ۲۳)
واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۲۸ رجمادی الثانیہ سنہ ۹۳ھ

باکرات ومطلقات کس کو ملیں گی؟:

سوال: مردوں کو جنت میں حوریں ملیں گی۔ کنواری لڑکیوں اور مطلقہ عورتوں کو کیا ملے گا؟ اور غلمان کیا چیز ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

کنواری اور مطلقہ عورتوں کو جنت میں اختیار دیا جائے گا کہ جس مرد کو چاہیں پسند کرلیں، اگر کسی کو بھی پسند نہ کریں تو اللہ تعالی ان کے لئے مذکر حور پیدا فرمائیں گے۔
غلمان ان نوعمر لڑکوں کو کہا جاتا ہے جن کو اللہ تعالی نے اہل جنت کی خدمت کے لئے پیدا فرمایا ہے۔

ولو ماتت قبل ان تتزوج تخیر ایضا ان رضیت بآدمی زوجت منہ وان لم ترض فاللہ یخلق ذکرا من الحور العین فیزوجھا منہ (مجموعۃ الفتاوی بحوالہ غرائب)
قال العلامۃ الآلوسی رحمہ اللہ تعالی: (غلمان لھم) ممالیک مختصون بھم (روح المعانی ص۳۴ ج ۲۷) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۲ ربیع الثانی سنہ ۹۴ھ

تصرف شیاطین وجنات کی حقیقت:

سوال: کسی شخص پر شیاطین وجنات کا تصرف ہوسکتا ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث میں اس کا کوئی ثبوت ہے یا نہیں؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایسا کوئی واقعہ ہوا ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کسی پر جن کے تسلط کا کوئی واقعہ صراحۃً نظر سے نہیں گزرا، البتہ اس کا امکان قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔

① الذین یأکلون الربوا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطان من المس، سودخوروں کی حالت قیامت کے روز اس شخص کی طرح ہوگی کہ جسے شیطان نے بدحواس کردیا ہو۔

② کالذی استھوتہ الشیاطین فی الارض حیران۔

قال العلامۃ الآلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ: ای کالذی ذھبت بہ مردۃ الجن فی المھامہ والقفار (روح المعانی ص۱۸۹ ج ۷)

③ لہ معقبات من بین یدیہ ومن خلفہ یحفظونہ من امر اللہ۔

قال الآلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ: اخرج ابن ابی الدنیا والطبرانی والصابونی عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکل بالمؤمن ثلثمائۃ وستون ملکا یدفعون عنہ مالم یقدر علیہ من ذلک (الی قولہ) وما لو وکل العبد فیہ الی نفسہ طرفۃ عین لاختطفتہ الشیاطین (روح المعانی ص۱۱۳ ج ۱۳)

④ سورۂ ناس میں ہے کہ شیطان لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ شیطان انسان کے جسم کے اندر تصرف کرتا ہے، سو یہ تصرف بصورت ایذاء بھی ہوسکتا ہے۔

⑤ قرآن کی آیات اور احادیث سے یہ امر ثابت ہے کہ شیطان انسانوں کو گناہ کی دعوت دیتا ہے اور ظاہر ہے کہ انسانوں کی طرح جن سامنے آکر گناہوں کی ترغیب نہیں دیتا، بلکہ اس کی ترغیب وتلقین قلب پر ہوتی ہے، یہ اس کا قلب پر تصرف ہے تو دماغ اور دوسرے اعضاء پر بھی تصرف ممکن ہے۔

⑥ ان الشیطان یجری من الانسان مجری الدم۔

⑦ بچہ بوقت ولادت مس شیطان کی وجہ سے روتا ہے۔

⑧ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بسا اوقات بھوک کی وجہ سے گر جایا کرتا تھا، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم مجھے آسیب زدہ سمجھ کر میرا علاج کیا کرتے تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ آسیب لگنا اس زمانے میں معروف تھا اور اسکا علاج بھی کیا جاتا تھا۔

⑨ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شیطان نے یہ تعلیم دی کہ آیۃ الکرسی کے ذریعہ میرے شر سے بچ سکتے ہیں، اس مفصل قصہ سے ثابت ہوا کہ شیطان انسانوں کی چیز چوری کرتا ہے اور آیۃ الکرسی کے ذریعہ اس سے حفاظت ہوجاتی ہے۔

⑩ جنات کا سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کرنا ثابت ہے۔

قال العلامۃ ابن عبد البر رحمہ اللہ تعالیٰ: ولم یختلفوا انہ وجد میتا فی مغتسلہ وقد اخضر جسدہ ولم یشعروا بموتہ حتی سمعوا قائلا یقول ولا یرون احدا ؎

قتلنا سید الخزرج سعد بن عبادۃ
رمیناہ بسہم فلم یخط فؤادہ

ویقال ان الجن قتلتہ وروی ابن جریج عن عطاء قال سمعت الجن قالت فی سعد بن عبادۃ فذکر البیتین (الاستیعاب ص ۱۶۴ ج ۲)

⑪ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لاصحابہ وھو بمکۃ من احب منکم ان ینظر اللیلۃ اثر الجن فلیفعل قال (ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ) فلم یحضر احد منھم غیری فلما کنا باعلی مکۃ خط لی برجلہ خطا ثم امرنی أن اجلس فیہ (فتح الباری ص ۲۹۴ ج ۶)

اس سے جنات کا تکلیف پہنچانا اور ان کے شر سے حفاظت کے لئے حصار کھینچنا ثابت ہوا۔

⑫ اذا کان جنح اللیل او امسیتم فکفوا صبیانکم فان الشیطان ینتشر حینئذ فاذا ذھب ساعۃ من اللیل فخلوھم واغلقوا الابواب واذکروا اسم اللہ فان الشیطان لا یفتح بابا مغلقا متفق علیہ (مشکوۃ ص ۳۷۲)

⑬ اعوذ بکلمات اللہ التامۃ من شر کل شیطان وھامۃ (جامع الترمذی ص ۲۶ ج ۲)

یہ کلمات پڑھ کر بچوں کو دم کرنا ثابت ہے۔

⑭ قال ابن القیم رحمہ اللہ تعالیٰ: قلت الصرع صرعان صرع من الارواح الخبیثۃ الارضیۃ وصرع من الاخلاط الردیۃ والثانی ھو الذی یتکلم فیہ الاطباء

فی سببہ وعلاجہ واما صرع الارواح فائمتہم وعقلاؤھم یعترفون بہ ولا یدفعونہ ویعترفون بان علاجہ بمقابلۃ الارواح الشریفۃ الخیرۃ العلویۃ لتلک الارواح الشریرۃ الخبیثۃ فتدافع اثارھا وتعارض افعالھا وتبطلھا وقد نص علی ذلک بقراط فی بعض کتبہ (زاد المعاد ص۶۶ ج ۴)

(۱۵) سحر بھی اثر جن ہے اور سحر کا ثبوت اور اس کا مؤثر ہونا قرآن مجید میں مذکور ہے:

واتبعوا ما تتلوا الشیاطین علی ملک سلیمان وما کفر سلیمان ولکن الشیاطین کفروا یعلمون الناس السحر ...... فیتعلمون منهما ما یفرقون بہ بین المرء وزوجہ.

تنبیہ:

دلائل، شواہد اور عام مشاہدات وتجربات سے یہ حقیقت واضح ہے کہ جنات کے اس قسم کے تصرفات عموماً فساق و فجار پر ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے جنات بہت ڈرتے ہیں ؎

ہر کہ ترسید از حق و تقوی گزید
ترسد از وے جن و انس و ہر کہ دید
تو ہم گردن از حکم داور مپیچ
کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ
ہیبت حق است این از خلق نیست
ہیبت این مرد صاحب دلق نیست
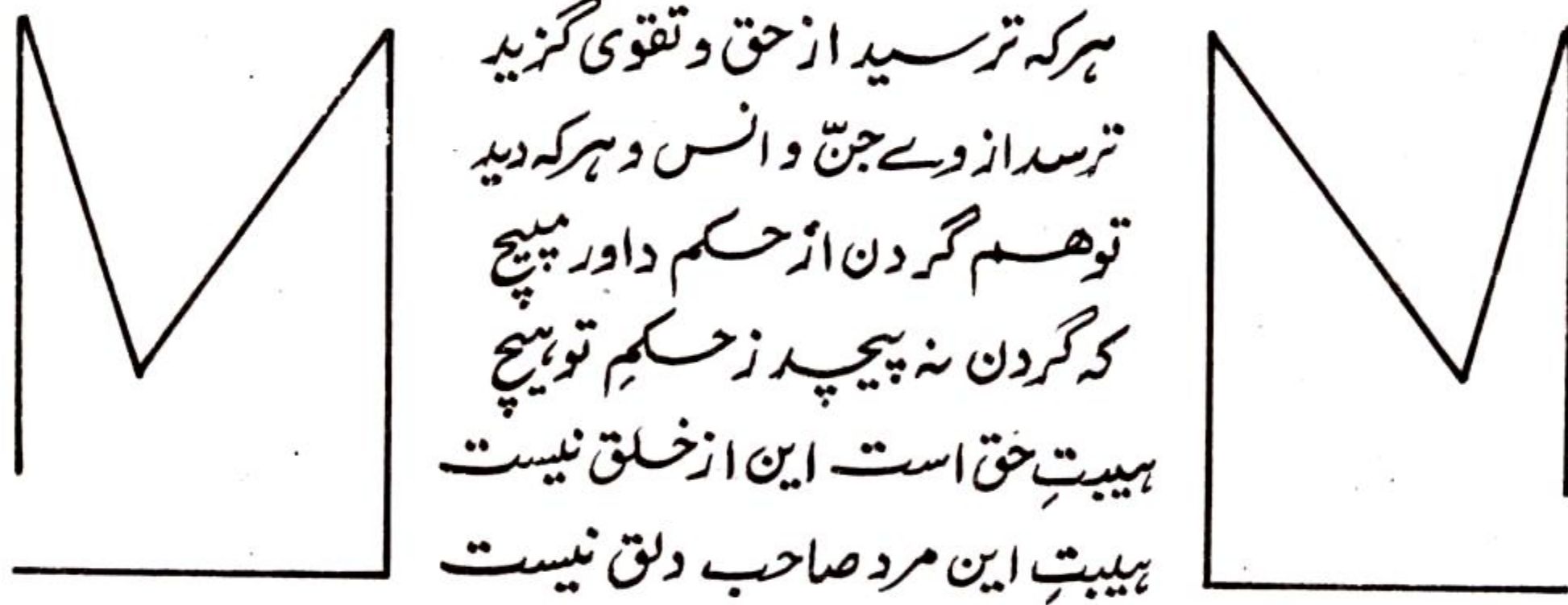
ھذا، فانہ ظاھر جدا علی من طالع احوال الرجال وصحب ارباب الکمال۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود و سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے واقعات میں تاویل کا مجال و ابطال استدلال بانتشار احتمال کا باب بہت وسیع ہے، کما لا یخفی علی من اوتی الحکمۃ ومن شاء الاطلاع علی قصص فرار الجن من ھذا العبد الضعیف فلیراجع الجزء الثانی من "انوار الرشید" فی باب "نسبت موسویہ"

واللہ ھو الحفیظ ولا حول ولا قوۃ الا بہ۔

۲۱ ربیع الاول سنہ ۹۴ھ

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت :

سؤال : حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا علم تصوّف میں کوئی مقام ہے یا نہیں؟ اور ان کی حدیثیں اور فقہی مسائل کتنے ہیں؟ زید کہتا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رُتبہ وشان صرف صاحبزادگی کی وجہ سے ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصّواب

تصوّف وحدیث میں مہارت ہونے کے لئے ضروری نہیں کہ دوسرے تک بھی ان کی حدیث وتصوّف کا سلسلہ پہنچے، چنانچہ اکابر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے بہت سے ایسے ہیں جن کی روایات بہت کم ہیں، مثلاً حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناقب میں احادیث کثرت سے موجود ہیں، کیا یہ اثبات فضل کے لئے کافی نہیں؟ باقی رہا علمی مقام تو وہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے :

عن الحسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال سألت خالی هند بن ابی هالة وکان وصافا عن حلیة النبی صلی اللہ علیه وسلم وانا اشتهی ان یصف لی منها شیئا (الی قوله) قال الحسن فکتمتها الحسین زمانا ثم حدثته فوجدته قد سبقنی الیه فسأله عما سألته فوجدته قد سأل اباه عن مدخله وعن مخرجه وشکله فلم یدع منه شیئا (شمائل الترمذی ص۲۲)

حدیث مذکور سے ثابت ہوا کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ چھوٹے ہونے کے باوجود حلیہ مبارکہ وسیرت مبارکہ سے متعلق علم حاصل کرنے میں اپنے بڑے بھائی سے دو اعتبار سے سبقت لے گئے :

① سیرت طیبہ پہلے معلوم کرنے میں۔

② زیادہ اُمور کا علم حاصل کرنے میں۔

جب علوم غیر مقصودہ کی تحصیل میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس

قدر سبقت کی تو علوم مقصودہ میں کیونکر غفلت کی ہوگی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۳ ربیع الاول ۹۴ھ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کی صحیح تعداد:

سؤال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کی تعداد کیا ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصّواب

آپ کی صاحبزادیاں چار تھیں، حضرت زینب، حضرت رقیّہ، حضرت ام کلثوم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔

صاحبزادوں کی تعداد میں اختلاف ہے، بعض مؤرخین کے قول کے مطابق ان کی تعداد پانچ ہے، قاسم، عبداللہ، طیّب، طاہر اور ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہم بعض کے قول کے مطابق طیّب و طاہر بھی عبداللہ ہی کو کہا جاتا ہے، اس قول کے مطابق تعداد تین بنتی ہے۔

ان تمام اولاد میں سے صرف حضرت ابراہیم حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے ہیں، باقی سب حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے۔

قال الحافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ قال ابن اسحاق فولدت (خدیجۃ) لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولدہ کلہم الا ابراہیم: القاسم وکان بہ یکنی والطیب والطّاہر وزینب ورقیۃ وام کلثوم وفاطمۃ (البدایۃ والنہایۃ ص۲۹۴ ج ۲) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۵ ربیع الثانی ۹۴ھ

کھانے کے دوران چھینک:

سؤال: اگر کھانا کھاتے ہوئے چھینک آئے تو "الحمد للہ" کہنا چاہیے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصّواب

اگر منہ میں لقمہ ہونے کا عذر ہو تو استحباب ساقط ہو جائے گا ورنہ نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۷ ربیع الثانی ۹۴ھ

کھانے کے لئے بیٹھنے کی ہیئت :

سوال : کھانے کے لئے بیٹھنے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ نیز مرد اور عورت کے بیٹھنے کی ہیئت میں کوئی فرق ہے یا نہیں ؟ بیّنوا توجروا ۔

الجواب باسم ملهم الصواب

کھانے کے لئے بیٹھنے کی بہتر ہیئت وہ ہے جس سے جلد سیری محسوس ہوتی ہو۔ چنانچہ اسی بناء پر دو طریقے بہتر قرار دیئے گئے ہیں :

① دایاں گھٹنا کھڑا کر کے بایاں بچھا کر بیٹھنا ۔

② دو زانو بیٹھنا ۔

مرد اور عورت کی بیٹھنے کی ہیئت میں کوئی فرق منقول نہیں ۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى معزيا الى شرح الجامع الصغير للعلقمی :

واحسن الجلسات للاكل الاقعاء على الوركين ونصب الركبتين ثم الجثي على الركبتين وظهور القدمين ثم نصب الرجل اليمنى والجلوس على اليسرى وتمامه فيه (رد المحتار ص۳۸۲ ج ۵)

علقمی کی عبارت مذکورہ میں پہلی صورت شاید اس روایت سے مأخوذ ہے :

قال انس بن مالك رضي الله تعالى عنه رأيت النبي صلى الله عليه وسلم مقعيا يأكل تمرا وفي رواية يقسمه وهو محتفز يأكل منه اكلا ذريعا ۔

(صحیح مسلم مع شرح النووی ص۱۸۰ ج ۲)

اس روایت کے پورے مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اکلِ تمر وغیرہ کے ساتھ خاص ہے ، اس لئے حافظ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسے ذکر نہیں کیا، دو صورتیں بتائی ہیں، ونصّہ :

فالمستحب في صفة الجلوس للاكل ان يكون جالسا على ركبتيه وظهور قدميه او ينصب رجله اليمنى ويجلس على اليسرى (عمدة القاری ص۴۲ ج ۲۱)

والله سبحانه وتعالى اعلم

۶ محرم ۱۳۹۵ھ

دو شملوں کا ثبوت :

سؤال : شملہ اوپر نیچے دونوں طرف سنت سے ثابت ہے یا اوپر والا بدعت ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصّواب

دونوں شملے سنت سے ثابت ہیں۔

قال الحافظ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ : عن عمرو بن حریث قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی المنبر و علیہ عمامۃ سوداء قد ارخی طرفیھا بین کتفیہ (زاد المعاد ص ۱۳۵ ج ۱) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۷ محرم سنہ ۹۵ھ

بوقت سفر بیوی بچوں کے منہ میں لعاب ڈالنا :

سؤال : بعض لوگوں کی عادت ہے کہ جب سفر پر جاتے ہیں تو اپنے بیوی بچوں کے منہ میں اپنا لعابِ دہن ڈالتے ہیں، وہ اس کو نگل لیتے ہیں، ان کا عقیدہ یہ ہے کہ اس سے صبر نصیب ہوتا ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصّواب

اس کی کوئی اصل نہیں، ایسا عقیدہ رکھنا غلط ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۷ محرم سنہ ۹۵ھ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سیاہ چادر اوڑھنا :

سؤال : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو "کالی کملی والا" کہا جاتا ہے، آپ نے جو کالی کملی استعمال فرمائی، کیا وہ سورۂ مزمّل کے نزول کے وقت آپ نے اوڑھی ہوئی تھی یا کسی اور موقع پر؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصّواب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سیاہ بالوں کی چادر استعمال فرمانا ثابت ہے۔ مگر اس پر مداومت ثابت نہیں، بوقت نزول سورۂ مزمّل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سیاہ چادر اوڑھے ہوئے ہونا ثابت نہیں۔

قالت عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم غداۃ

وعلیہ مرط مرحل من شعر اسود فجاء الحسن بن علی فادخلہ ثم جاء الحسین فدخل معہ، ثم جاءت فاطمۃ فأدخلہا ثم جاء علی فأدخلہ ثم قال انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا (صحیح مسلم ص۲۸۳ ج ۲)

اس آیت کی تفسیر رسالہ "عمدۃ التفسیر لاٰیۃ التطہیر" مندرجہ "احسن الفتاویٰ" جلد اول میں ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سیاہ پگڑی:

سؤال: سیاہ رنگ کی پگڑی کئی لوگوں کو پہنے دیکھا ہے، کیا یہ سنت ہے؟ اگر سنت ہے تو کیا اہلِ تشیع کے ساتھ تشابہ کے باوجود اسکا استعمال درست ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملھم الصواب

سیاہ رنگ کی پگڑی کا استعمال اگرچہ فی نفسہ ثابت اور جائز ہے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سفید لباس اور عمامہ زیادہ پسند تھا اور عام حالات میں سفید رنگ ہی کا لباس اور عمامہ استعمال فرماتے تھے، اس لئے سفید رنگ کا عمامہ افضل ہے۔

نیز اہلِ تشیع کی مشابہت کی وجہ سے بھی سیاہ رنگ کا ترک بہتر ہے۔

عمامۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ کے بارے میں مکمل تحقیق رسالہ "المقالۃ البیضاء فی العمامۃ السوداء" میں ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۹ رجب سنہ ۹۵ھ

والدین کی نافرمانی کا حکم:

سؤال: اگر کوئی شخص والدین کی نافرمانی کرے، بلکہ ان کو مارے پیٹے تو شریعت نے دنیا میں اس کے لئے کیا سزا متعین فرمائی ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملھم الصواب

اسلام میں والدین کی اطاعت اور ان کی خدمت کو بہت اہمیت دی گئی ہے چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

امّا یبلغنّ عندک الکبر احدھما او کلاھما فلا تقل لھما افّ ولا تنھرھما وقل لھما قولا کریما واخفض لھما جناح الذل من الرحمۃ وقل ربّ ارحمھما کما ربّیانی صغیرا۔

یعنی والدین کے سامنے کوئی ایسی بات بھی نہ کی جائے جس سے انھیں ناگواری محسوس ہو اور ان کے سامنے ہمیشہ عاجزی اختیار کی جائے اور اللہ تعالیٰ سے یہ بھی دُعا کی جائے کہ یا اللہ! تو ان پر رحم فرما جیسا کہ انھوں نے بچپن میں مجھ پر رحم کیا اور میری پرورش کی۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کے حکم کو اپنی توحید وعبادت کے حکم کے ساتھ بیان فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

وقضیٰ ربّك ان لا تعبدوا الا ایاہ و بالوالدین احسانا

نیز حکم فرمایا ہے کہ میری دی ہوئی نعمتوں پر شکر ادا کرنے کے ساتھ ساتھ والدین کا شکر بھی ادا کرنا چاہیے، چنانچہ ارشاد ہے:

ان اشکر لی ولوالدیك

اس کے علاوہ اس بارے میں احادیث بھی بکثرت منقول ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

① عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رجلا قال یا رسول اللہ ما حق الوالدین علی ولدھما قال ھما جنتك ونارك رواہ ابن ماجہ۔

② عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اصبح مطیعا للہ فی والدیہ اصبح لہ بابان مفتوحان من الجنۃ ان کان واحدا فواحدا ومن اصبح عاصیا للہ فی والدیہ اصبح لہ بابان مفتوحان من النار ان کان واحدا فواحدا قال رجل وان ظلماہ قال وان ظلماہ وان ظلماہ وان ظلماہ رواہ البیھقی۔

③ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ما من ولد بار ینظر الی والدیہ نظرۃ رحمۃ الا کتب اللہ لہ بکل نظرۃ حجۃ مبرورۃ قالوا وان نظر کل یوم مائۃ مرۃ قال نعم اللہ اکبر واطیب۔ رواہ البخاری۔

④ عن ابی بکرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل الذنوب یغفر اللہ منھا ما شاء الا عقوق الوالدین فانہ

یعجل لصاحبہ فی الحیوۃ قبل الممات رواہ البیہقی (مشکوۃ ص۴۲۱)

غرضیکہ قرآن وحدیث میں والدین کا بہت بڑا مقام بیان کیا گیا ہے مگر شریعت نے والدین کی نافرمانی کرنے والے کے لئے دنیا میں حد کے طور پر کوئی سزا مقرر نہیں کی، بلکہ ناگہانی آفات وبلیات میں مبتلا ہونے کی وعید سنائی ہے۔

ظاہری سزا کو حاکم کی صوابدید پر چھوڑ دیا ہے، حکومت پر لازم ہے کہ ایسے شخص کو سخت سزا دے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۰ ذی الحجہ سنہ ۹۵ھ

والدین میں سے والد کی اطاعت مقدم ہے:

سؤال: والدین میں سے کس کا حق اولاد کے ذمہ زیادہ ہے اگر اس میں کچھ تفصیل ہو تو وہ بھی بیان کی جائے، بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصّواب

احسان اور حسن معاشرت میں والدہ کا حق مقدم ہے اور وہ امور جن کا تعلق تعظیم وادب اور رائے سے ہے ان میں والد کا حق مقدم ہے۔

قال علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ: وقال الخطابی لم یخص الامہات بالعقوق فان عقوق الاباء محرم ایضا ولکن نبہ باحدہما علی الاخر فان بر الام مقدم علی بر الاب الا ان لعقوق الامہات مزیۃ فی القبح، وحق الاب مقدم فی الطاعۃ وحسن المتابعۃ لرأیہ، والنفوذ لامرہ، وقبول الادب منہ (المرقاۃ ص۶۵ ج۸) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۰ ذی القعدہ سنہ ۹۶ھ

مثل بالا:

سؤال: کسی امر جائز کے لئے لڑکے کو باپ منع کر رہا ہے اور ماں کرنے کا حکم دے رہی ہے یا بالعکس تو یہ کس کے حکم کی تعمیل کرے؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصّواب

چونکہ عورت شرعاً خود شوہر کی محکومہ ہے اس کا شوہر کے حکم کے خلاف حکم کرنا خود معصیت ہے اور معصیت میں اطاعت جائز نہیں لہٰذا

ماں کا کہنا نہ مانے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۰ ذی القعدہ سنہ ۹۶ھ

ایک مشت سے زائد ڈاڑھی کاٹنا افضل ہے:

سؤال: ایک شخص کی ڈاڑھی بہت لمبی ہے تو کیا ایک مشت سے زائد ڈاڑھی کاٹنا بہتر ہے یا نہ کاٹنا بہتر ہے خواہ جتنی لمبی ہو جائے، نیز گالوں کے بال کاٹنا کیسا ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصّواب

ایک مشت سے زائد بالوں کا کاٹنا افضل ہے،

دونوں جبڑوں کی حدِ فاصل سے اوپر بڑھنے والے بالوں کا کاٹنا جائز ہے ضروری نہیں۔

قال العلامۃ ابن النجیم رحمہ اللہ تعالیٰ: وقد صرح فی النهایۃ بوجوب قطع ما زاد علی القبضۃ بالضم ومقتضاه الاثم بترکه۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قوله وقد صرح فی النهایۃ بوجوب قطع ما زاد الخ) قال فی النهر وسمعت من بعض اعزاء الموالی ان قول النهایۃ یحب بالحاء المهملۃ ولا بأس به اھ قال الشیخ اسماعیل ولکنه خلاف الظاهر واستعمالهم فی مثله یستحب اھ وکأنه لهذا واللہ تعالیٰ اعلم لم یعول علیه الشیخ علاء الدین مع شدۃ متابعته للنهر وقال مقتضاه الاثم بترکه الا ان یحمل الوجوب علی الثبوت اھ قلت وظاهر قول الهدایۃ ولا یفعل لتطویل اللحیۃ الخ یفید الکراهۃ تأمل (البحر ص۲۸۰ ج ۲) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۸ جمادی الثانیہ سنہ ۹۶ھ

بنیت دعوت جانور خریدنے سے ایفاء لازم نہیں:

سؤال: زید نے ایک دُنبہ خریدا اور نیت یہ تھی کہ بچے قرآن پڑھ لیں گے تو اس کو ذبح کرکے دوست احباب کو دعوت کھلاؤں گا مگر زید کے پاس مصالحہ وغیرہ دیگر اخراجات کے لئے پیسے نہیں، اس لئے اس دنبہ کو فروخت

کرکے رقم تعمیر مسجد یا مدرسہ عربیہ کے لئے وقف کرنا چاہتا ہے۔ کیا یہ جائز ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصّواب

بچّوں کے قرآن ختم کرنے یا حفظ مکمل کرنے پر جو دھوم دھام سے دعوتیں کرنے کا بہت رواج ہوگیا ہے، اس میں کئی قبائح ہیں، اس لئے دُنبہ فروخت کرکے اس کی قیمت تعمیر مسجد یا کسی مدرسہ میں خرچ کرنا زیادہ بہتر ہے، اس سے صدقۂ جاریہ واشاعتِ علم کا ثواب ملے گا،

اگر دعوت میں کوئی قباحت نہ ہو تو بھی اس نیت سے خریدے ہوئے جانور کا ذبح کرنا ضروری نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۴ر شعبان سنہ ۹۶ھ

عصمت انبیاء علیہم السلام پر پوری اُمّت کا اجماع ہے:

سؤال: بعض لوگ عصمتِ انبیاء کے منکر ہیں اور عصمت کے قائلین پر طعن کرتے ہیں وہ اپنے استدلال میں یہ دلائل پیش کرتے ہیں:

① وعصیٰ اٰدم ربّہ فغویٰ۔

② حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین مقامات پر جھوٹ بولا:

بل فعله کبیرهم هٰذا

انّی سقیم

هٰذه اختی

③ قال هٰذا ربّی هٰذا اکبر، یہ شرک ہے۔

④ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قبطی کو مار ڈالا،

فوکزہ موسیٰ فقضیٰ علیہ۔

⑤ حضرت یونس علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر اپنی قوم سے مفرور ہوئے۔

کیا ان لوگوں کا ان آیات سے استدلال صحیح ہے؟ اگر نہیں تو ان آیات کا کیا مطلب ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصّواب

عصمتِ انبیاء علیہم السلام پر پوری اُمّت مسلمہ کا اجماع ہے، کوئی مسلمان عدم عصمت کا قول نہیں کرسکتا، اگر کوئی شخص ایسی بکواس کرتا ہے وہ دیوانہ ہے یا مسلمانوں کے لباس میں دشمنِ اسلام ہے۔

عصمتِ انبیاء علیہم السّلام پر دلائل پیش کرنا اس کو نظری بنانے کے مترادف ہے اور بالکل ایسے ہے جیسے کوئی احمق دوپہر کے وقت دن کے وجود کو دلائل سے ثابت کرنا چاہے۔

سؤال میں پیش کردہ آیات سمجھنے کے لئے کچھ فہم درکار ہے اور وہ کسی اہلِ فہم کے پاس بیٹھنے سے حاصل ہوتی ہے۔

جن آیات میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسّلام کی طرف معصیت یا کذب کی نسبت کی گئی ہے ان کے ظاہری معنی مراد نہیں یا خلاف اولیٰ پر محمول ہیں جس کو کبار مفسرین نے مفصّل بیان فرمایا ہے۔

قال الملا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ تحت قولہ (والانبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کلہم منزھون عن الصغائر والکبائر والکفر والقبائح) ای جمیعہم الشامل لرسلہم ومشاھیرھم وغیرھم اولہم اٰدم علیہ الصلاۃ والسلام علی ما ثبت بالکتاب والسنۃ واجماع الامۃ (منزھون) ای معصومون (شرح کتاب الفقہ الاکبر ص۹۹)

وقال العلامۃ ظفر احمد العثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ تحت قولہ تعالیٰ (قال انّی جاعلک للناس اماما، قال: ومن ذریتی، قال: لا ینال عھدی الظالمین) وفیہ دلالۃ علی عصمۃ الانبیاء علیھم الصلاۃ والسلام عن الکبائر قبل البعثۃ لان کل ذنب ظلم، لانہ تجاوز عن الحق وتعد علیہ، وکثیر من الذنوب یسمی ظلما فی الشرع فدلت الاٰیۃ علی ان نیل النبوۃ لایجامع الظلم السابق، فاذا تحقق النیل کما فی الانبیاء علم عدم اتصافہم حال النیل بالظلم السابق (وبعد اسطر) فالحق ان المراد بالظلم خلاف العدل، فکل نبی معصوم عن الکبائر من الذنوب فما نقل عن

الانبیاء علیهم الصلاة والسلام مما یشعر بکذب او معصیة فما کان منقولا بطریق الآحاد فمردود، وما کان منقولا بطریق التواتر فمصروف عن ظاهرہ ان امکن والا فمحمول علی ترک الاولیٰ (احکام القرآن ص۶۶ ج ۱/۱)

قال العلامة الشیخ رجب بن احمد رحمه الله تعالیٰ فی الطریقة المحمدیة (وهم) ای الرسل (مبرؤن) ای مطهرون ومنزهون (عن الکفر والکذب مطلقا وعن الکبائر) بجمیع انواعها وعن کل فرد من افرادها اجماعا (و) عن (الصغائر المنفرة) بصیغة الفاعل من التنفیر التبعید ممن قامت به.

(البریقة المحمودیة ص۱۹۵ ج۱)

شارح ابوسعید الخادمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر مفصل بحث کی ہے اور تمام شبہات کا ازالہ کیا ہے، مفصل بحث کے آخر میں فرماتے ہیں:

والحاصل ان الانبیاء علیهم الصلاة والسلام معصومون عن الجهل فیما یتعلق بالذات والصفات بعد النبوة عقلا واجماعا وقبلها سمعا ونقلا عن الجهل فی الامور التبلیغیة قطعا وشرعا وعقلا وعن الکذب وخلف القول بعد النبوة قصدًا وغیر قصد شرعا واجماعا نظرا وبرهانا وقبل النبوة قطعا وعن الکبائر اجماعا وعن الصغائر تحقیقا وعن استدامة السهو والغفلة تدقیقا واستمرار الغلط والنسیان فی الامور الشرعیة حال غضب ورضا وجد ومزح (البریقة المحمودیة ص۱۹۹ ج۱) والله سبحانه وتعالیٰ اعلم۔

۷ رذی الحجہ سنہ ۹۶ھ

استشارہ و استخارہ میں تعارض نہیں:

سؤال: قرآن مجید میں استشارہ کا حکم ہے:

وشاورهم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی الله

الذین استجابوا لربهم واقاموا الصلوة وامرهم شوریٰ بینهم۔

اور حدیث میں تردّد کے موقع پر استخارہ کی ترغیب ہے، اور عدم استخارہ پر ترہیب بھی ہے، دریافت طلب یہ ہے کہ مشورہ لینے کے بعد مشورہ لینے والے کی جو رائے قائم ہوئی اگر استخارہ میں دل کا رجحان اس کے خلاف ہو تو ترجیح

کس کو ہوگی؟ مشورہ کے بعد قائم ہونے والی رائے کو یا استخارہ کے بعد دل کے رجحان کو؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

استشارہ و استخارہ دونوں مأمور بہ ہیں، مگر اوّل کا امر زیادہ مؤکد ہے، معہذا دونوں میں سے کسی کے ثمرہ پر عمل کرنا ضروری نہیں، نیز استخارہ کے بعد جو شق قلب میں راجح معلوم ہو، اس کا نافع ہونا ضروری نہیں، بلکہ استخارہ کا حاصل صرف اتنا ہے جتنا دعاءِ ماثور سے مفہوم ہے، یعنی جو شق مفید ہوگی، اللہ تعالیٰ اس کے اسباب پیدا فرمادیں گے اور دوسری شق کے اسباب کو سوخت فرماکر موانع پیدا فرمادیں گے، بس یہی یقین رکھتے ہوئے استخارہ کرنا چاہیے، اگر استخارہ کے بعد بھی دونوں جانب اسباب موجود رہے تو بھی استشارہ کے بعد جو کچھ بھی کرے گا اسی میں خیر ہوگی۔

اس تشریح کے بعد معلوم ہوگیا کہ استشارہ و استخارہ میں تعارض نہیں ہوسکتا، کیونکہ واردِ قلبی کے خلاف اگر استشارہ کے مطابق عمل کرلیا گیا تو یہ استخارہ کے خلاف نہیں ہوا بلکہ استخارہ کی بدولت یہ کام ہوا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۱ ذی الحجہ سنہ ۹۶ھ

اسماءِ حسنیٰ میں مختص باللہ تعالیٰ کون سے اسماء ہیں:

سوال: آج کل عام طور پر باری تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ کی طرف عبد کی اضافت کرکے نام رکھتے ہیں مگر عموماً غفلت کی وجہ سے مسمّٰی کو بدون عبد کے پکارا جاتا ہے حالانکہ بعض اسماءِ باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں مثلاً رزاق، رحمٰن وغیرہ۔

اندریں احوال اپنی جستجو کے موافق فیض الباری ص۴۲۳ ج ۴ سے اسماءِ حسنیٰ درج کررہا ہوں تحقیق فرمائیں کہ کون کون سے اسماءِ باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں کہ ان کو بدون عبد مسمّٰی کے لئے کہنا گناہ کبیرہ ہے، اگر ان کے علاوہ کوئی اور اسماء ہوں تو ان کو بھی بمع تحقیق درج فرمائیں، نیز ان اسماء کے شروع میں یا آخر میں محمد یا احمد کا اضافہ کیسا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

ہر زبان میں اسمار تین طرح استعمال ہوتے ہیں :

① مختص باللہ مفردًا و مضافًا۔
② غیر مختص مفردًا و مضافًا۔
③ مختص مفردًا لا مضافًا۔

مثلاً فارسی میں خدا مفردًا مختص باللہ تعالیٰ ہے مگر مضافًا مختص نہیں بلکہ غیر پر بھی اطلاق کیا جاتا ہے اور اُردو میں بہر حال یہ مختص باللہ تعالیٰ ہے، اس سے ثابت ہوا کہ اس میں اہل لسان کا عرف معتبر ہے، البتہ جن اسمار کا مبدأ اشتقاق ہی غیر میں نہیں پایا جاتا جیسے خالق و رازق وغیرہما ان سے متعلق عرف کے معلوم کرنے کی ضرورت نہیں، ایسے اسمار لازمًا کسی علاقہ کے عرف میں بھی غیر اللہ پر نہیں بولے جاتے، جن اسمار کا مبدأ اشتقاق غیر اللہ میں پایا جاتا ہے ان کے جواز استعمال کے لئے مفردًا و مضافًا عرف کو دیکھا جائے گا چونکہ ننانوے اسمار حسنیٰ عربی ہیں اس لئے ان میں سے وہ اسمار جن کا مبدأ اشتقاق غیر میں پایا جاتا ہے ان کے جواز استعمال للغیر کے لئے عرب کے عرف کو دیکھا جائے گا۔

یہ تفصیل اطلاق اسمار کے بارے میں ہے، کسی کا نام رکھنے کی صورت میں حذف مضاف بہر حال جائز ہے، اس لئے کہ وہ متکلم کی مراد میں داخل ہے، معہٰذا کراہت سے خالی نہیں۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۱۴ر محرم سنہ ۹۷ھ

بے ختنہ کی امامت صحیح ہے :

سوال : کوئی ختنہ شدہ مولوی صاحب فی الحال کسی وجہ سے بے ختنہ ہو جائے تو وہ مولوی صاحب شرعًا مسجد کا پیش امام ہو سکتا ہے یا نہیں ؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس کی امامت صحیح ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۵ر محرم سنہ ۹۷ھ

بالغ و نومسلم کے ختنہ کا حکم:

سوال: مذہب حنفی میں کتنی عمر کے بچے کا ختنہ کروانا چاہیئے، اگر والدین نے ختنہ کروانے میں سستی کی اور بچہ نو یا دس برس کا ہوگیا تو کیا اب ختنہ کروایا جاسکتا ہے؟ ستر کا چھپانا اس عمر میں فرض ہے کہ نہیں؟ نیز بالغ و نو مسلم کا حکم بھی تحریر فرمائیں۔ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ختنہ کے لئے عمر کی کوئی تحدید نہیں فرمائی، جب اصحاب رائی بچے میں ختنہ کے تحمل کا فیصلہ کرلیں وہی عمر ختنہ کے لئے بہتر ہے۔

دَورِ حاضر میں ختنہ کا طریقہ انتہائی سہل و بے ضرر ہے، نئی نئی دواؤں کی ایجاد نے زخم کا جلد مندمل ہونا بھی آسان بنا دیا ہے، اس لئے تحملِ مشقت کے لئے کسی انتظار کی ضرورت نہیں، جتنا جلد ہو بہتر ہے۔

اگر والدین نے ختنہ کروانے میں غفلت کی اور بچہ نو دس سال کا ہوگیا تو بھی اسکا ختنہ کروایا جائے، اگرچہ چار سال کے بچے کا ستر دیکھنا بھی بلا ضرورت جائز نہیں مگر بضرورت تداوی ستر کھولنا جائز ہے اور ختنہ تو شعارِ اسلام ہے اس کے لئے ستر کھولنا بطریقِ اولیٰ جائز ہے، بالغ و نومسلم کا بھی یہی حکم ہے۔

البتہ اگر خود ختنہ کرسکتا ہو۔ یا زوجہ یا امہ سے کرواسکتا ہو تو غیر کے سامنے کشف عورۃ جائز نہیں۔

اگر کسی وجہ سے مشقت ختنہ کا تحمل نہ ہو تو یہ حکم ساقط ہوجائے گا۔

قال الامام الکاسانی رحمہ اللہ تعالیٰ: فلا بأس ان ینظر الرجل من الرجل الی موضع الختان لیختنہ ویداویہ بعد الختن وکذا اذا کان بموضع العورۃ من الرجل قرح اوجرح او وقعت الحاجۃ الی مداواۃ الرجل (بدائع الصنائع ص۱۲۳ ج ۵)

وقال الامام قاضیخان رحمہ اللہ تعالیٰ: وکذا للحجام ان ینظر الی فرج البالغ عند الختان (وبعد سطرین) وینبغی ان یختن الصبی اذا بلغ تسع سنین فان ختنوہ وھو اصغر من ذلک فحسن وان کان فوق

ذلك قليلا قالوا لا بأس به وابو حنيفة رحمه الله تعالیٰ لم يقدر وقت الختان
قال شمس الائمة الحلوانی رحمه الله تعالیٰ وقت الختان من حين يحتمل
الصبی ذلك الی ان يبلغ (الخانية بهامش الهندية ص۴۰۹ ج ۳)

وقال ايضا: وكذا المجوسی اذا اسلم وهو شيخ ضعيف اخبر اهل
البصر انه لا يطيق الختان يترك (حوالہ بالا)

وقال العلامة الحصكفی رحمه الله تعالیٰ: عن ابی حنيفة رحمه الله تعالیٰ لصاحب
الحمام ان ينظر الی العورة وحجته الختان وقيل فی ختان الكبير اذا امكنه ان
يختن نفسه فعل والا لم يفعل الا ان لا يمكنه النكاح او شراء الجارية والظاهر فی
الكبير ان يختن ويكفی قطع الاكثر۔

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالیٰ: (قوله عن ابی حنيفة الخ) هذا غير
المعتمد لما فی شرح الوهبانية وينبغی ان يتولی طلی عورته بيده دون الخادم هو
الصحيح لان ما لا يجوز النظر اليه لا يجوز مسه الا فوق الثياب وعن ابن مقاتل لا
بأس ان يطلی عورة غيره بالنورة كالختان ويغض بصره اه

قلت: وفی التتارخانية قال الفقيه ابو الليث هذا فی حالة الضرورة لا غير (قوله
وقيل الخ) مقابل لقوله وحجته الختان فانه مطلق يشمل ختان الكبير والصغير وكذا
اطلقه فی النهاية واقره الشراح والظاهر ترجيحه ولذا عبر عن التفصيل بقيل
(قوله الا ان لا يمكنه النكاح) كذا رأيته فی المجتبی والصواب اسقاط لا لعل ان
كما وجدته فی بعض النسخ موافقا لما فی التتارخانية وغيرها والمراد ان لا يمكنه
ان يتزوج امرأة تختنه او يشتری امة كذلك (قوله والظاهر فی الكبير انه يختن) الظاهر
ان يختن مبنی للمجهول ای يختنه غيره فيوافق اطلاق الهداية تأمل (رد المحتار
ص۲۴۵ ج ۵)

وقال العلامة الحصكفی رحمه الله تعالیٰ: صبی حشفته ظاهرة بحيث لو راٰه انسان
ظنه مختونا ولا تقطع جلدة ذكره الا بتشديد الم ترك علی حاله كشيخ اسلم وقال
اهل النظر لا يطيق الختان ترك ايضا (رد المحتار ص۴۷۸ ج ۵) والله سبحانه وتعالیٰ اعلم۔

۲۵ محرم سنہ ۹۷ھ

چلتے وقت پہلے سیدھا قدم اٹھانا :

سوال : کیا چلتے وقت پہلے سیدھا قدم اُٹھانا سنت ہے ؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

کسی کتاب میں نظر سے نہیں گزرا ، بعض بزرگوں سے منقول اور قواعد کلیہ سے یہی مستنبط ہوتا ہے ۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم ۔

۲۵ جمادی الثانیہ سنہ ۹۷ھ

کھانے کے آداب :

سوال : اللہ تعالیٰ کا حکم اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا طریقہ کھانے سے متعلق کیا ہے ؟ کہ جسکا خیال رکھ کر ہمارا کھانا دین بن جائے ۔ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

کھانے کے آداب یہ ہیں :

① کھانے سے پہلے ہاتھ دھوکر پونچھے نہ جائیں اور نہ ہی کسی چیز کو چھوئیں ۔

② کھانے کے بعد ہاتھ دھوکر پونچھے جائیں ۔

③ کھانے سے قبل بسم اللہ پڑھنا ، اگر جماعت ہو تو بلند آواز سے بسم اللہ پڑھنا بہتر ہے ۔

④ کھانے کے بعد دُعاء مأثور : الحمد للہ کثیرا طیّبا مبارکا فیہ غیر مکفیٍّ ولا مودّعٍ ولا مُستغنیً عنہ ربّنا (بخاری)

الحمد للہ الذی کفانا وارْوانا غیر مکفی ولا مکفور (بخاری)

الحمد للہ الذی اطعمنا وسقانا وجعلنا مسلمین (ابوداود والترمذی)

⑤ کھاتے وقت چارزانو یا تکیہ لگاکر نہ بیٹھے ، بلکہ ایک پاؤں بچھاکر اس پر بیٹھے دوسرا گھٹنا کھڑا رکھے ، یا دوزانو بیٹھے ، کوئی عذر ہو تو جیسے چاہے بیٹھ سکتا ہے

⑥ کھانا نیچے یا چوکی وغیرہ پر بیٹھ کر کھائے ، میز کرسی پر کھانا ، یا خود نیچے بیٹھ کر کھانا چوکی پر رکھنا ، یا خود پیڑھی یا گدے وغیرہ پر بیٹھنا اور کھانا نیچے رکھنا یہ سب صورتیں کھانے کے آداب کے خلاف ہیں ، کھانے والے کی نشست اور کھانا رکھنے کی جگہ دونوں بلندی میں برابر ہوں ۔

⑦ کھانے کے اوپر کوئی پیالہ وغیرہ نہ رکھنا۔
⑧ دسترخوان پر پاؤں نہ رکھے۔
⑨ روٹی دسترخوان پر بغیر برتن کے نہ رکھے۔
⑩ کھانا اپنے سامنے سے کھانا، البتہ اگر دسترخوان پر متفرق چیزیں ہوں تو دوسرے کے سامنے سے اُٹھا کر کھانا بھی درست ہے۔
⑪ انگلیوں کا چاٹنا۔ روٹی سے، رومال سے اور دسترخوان سے انگلیاں صاف کرنا بے ادبی ہے۔
اگر انگلیاں چاٹنے کے بعد خشک کرنے کی ضرورت ہو تو کسی الگ رومال سے خشک کرنے میں مضایقہ نہیں۔
⑫ کھانے میں عیب نہ لگانا، رغبت ہو تو کھالینا ورنہ چھوڑ دینا۔
⑬ لقمہ گر جائے تو صاف کر کے کھالینا۔
⑭ کھانا دائیں ہاتھ سے کھانا۔
⑮ پیٹ بھر کر نہ کھانا
⑯ زیادہ گرم کھانا نہ کھائے۔
⑰ کھانے کو سونگھے نہیں۔
⑱ کھانے میں پھونک نہ مارے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: سنۃ الاکل البسملۃ اولہ والحمدلۃ أخرہ وغسل الیدین قبلہ وبعدہ۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ وغسل الیدین قبلہ) لنفی الفقر ولا یمسح یدہ بالمندیل لیبقی اثر الغسل وبعدہ لنفی اللمم ویمسحہا (الی قولہ) ویکرہ وضع المملحۃ والقصعۃ علی الخبز ومسح الید او السکین بہ ولا یعلقہ بالخوان ولا بأس بالاکل متکئا او مکشوف الرأس فی المختار (الی ان قال) وان لا یترک لقمۃ سقطت من یدہ فانہ اسراف بل ینبغی ان یبتدئ بھا ومن السنۃ ان لا یأکل من وسط القصعۃ فان البرکۃ تنزل فی وسطھا، وان یأکل من موضع واحد

لانہ طعام واحد بخلاف طبق فیہ الوان الثمار فانہ یأکل من حیث شاء لانہ الوان، بکل ذلک ورد الاٰثار ویبسط رجلہ الیسریٰ وینصب الیمنیٰ ولا یأکل الطعام حارًا ولا یشمہ وعن الثانی انہ لا یکرہ النفخ فی الطعام الا بما لہ صوت نحواف وھو محمل النھی ویکرہ السکوت حالۃ الاکل لانہ تشبہ بالمجوس ویتکلم بالمعروف (الی ان قال) ولعق القصعۃ وکذا الاصابع قبل مسحھا بالمنادیل وتمامہ فی الدر المنتقی والبزازیۃ وغیرھا (رد المحتار ص ۲۱۶ ج ۵)

عن وھب بن کیسان عن عمر بن ابی سلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کنت فی حجر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکانت یدی تطیش فی الصحفۃ فقال لی یا غلام سم اللہ وکل بیمینک وکل مما یلیک۔ (مسلم ص ۱۷۲ ج ۲)

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ما عاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طعاما قط کان اذا اشتھی شیئا اکلہ وان کرھہ ترکہ (مسلم ص ۱۸۷ ج ۲)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲ رجب سنہ ۹۷ھ

پینے کے آداب:

سؤال: پینے کے آداب کیا ہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

(۱) پینے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا۔

(۲) دائیں ہاتھ سے پینا۔

(۳) کم از کم تین سانس میں پینا۔

(۴) برتن منہ سے ہٹا کر سانس لینا۔

(۵) کھانے پینے کی اشیاء میں ایسی پھونک مارنا جس سے آواز پیدا ہو درست نہیں۔ البتہ ٹھنڈا کرنے کے لئے بغیر آواز کے پھونکنے کی بعض فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے گنجائش دی ہے مگر کراہت طبعیہ سے بہرحال خالی نہیں۔

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا اکل احدکم فلیأکل بیمینہ واذا شرب فلیشرب بیمینہ فان الشیطان یأکل بشمالہ ویشرب بشمالہ (مسلم ص۱۷۲ ج ۲)

وعن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یتنفس فی الاناء ثلاثا وفی روایۃ یتنفس فی الشراب ثلاثا (مسلم ص۱۷۴ ج ۲)

وعن عبداللہ بن ابی قتادۃ عن ابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی ان یتنفس فی الاناء (حوالہ بالا)

وعن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی ان یتنفس فی الاناء او ینفخ فیہ ھذا حدیث حسن صحیح (ترمذی ص۱۱ ج ۲)

وترجم الامام النووی رحمہ اللہ تعالیٰ لمثل ھٰذہ الاحادیث "باب کراھۃ التنفس فی نفس الاناء واستحباب التنفس ثلاثا خارج الاناء" ثم قال ھذان الحدیثان محمولان علی ما ترجمناہ لھما فالاول محمول علی اول الترجمۃ والثانی علی اٰخرھا۔

وقال ایضا: (قولہ فی الحدیث الثانی کان یتنفس فی الاناء اوفی الشراب) معناہ فی اثناء شربہ من الاناء اوفی اثناء شربہ الشراب واللہ اعلم۔

(شرح مسلم للنووی ص۱۷۴ ج ۲)

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: وعن الثانی انہ لا یکرہ النفخ فی الطعام الا بما لہ صوت نحواف وھو محمل النھی (رد المحتار ص۲۱۶ ج ۵)

قال فی الھندیۃ: وفی النوادر قال فضل بن غانم سألت ابا یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ عن النفخ فی الطعام ھل یکرہ قال لا الا مالہ صوت مثل اف وھو تفسیر النھی ولا یؤکل طعام حار ولا یشم ولا ینفخ فی الطعام والشراب (عالمگیریۃ ص۳۳۷ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲ رجب سنہ ۹۷ھ

قول امام "اذا صح الحدیث فھو مذھبی" کا مطلب:

سؤال: غیر مقلدین کے اعتراضات میں سے ایک اعتراض یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ اگر میرا کوئی قول صحیح حدیث کے خلاف ہو تو اسے ترک

کردو، اذا صح الحدیث فھو مذھبی ۔ "جب حدیث موجود ہو تو وہی میرا مذہب ہے" جب خود امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں تو پھر حنفیہ ان کے مخالف حدیث اقوال پر عمل کیوں کرتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول دو شرطوں سے مشروط ہے جو عقلاً و نقلاً ثابت ہیں:

① یہ ارشاد مجتہد کے لئے ہے، اس لئے کہ ناسخ و منسوخ اور حدیث کی صحت و سقم معلوم کرنا اور ادلہ متعارضہ میں تطبیق یا ترجیح صرف مجتہد کا کام ہے۔

② یہ ظن غالب ہو کہ یہ حدیث حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کو نہیں پہنچی، اگر یہ حدیث پہنچنے کے باوجود امام نے اسے قبول نہیں کیا تو یہ اس کی دلیل ہے کہ یہ عند الامام صحیح نہیں، یا آپ کے سامنے اس سے زیادہ قوی کوئی دلیل ہوگی، اس صورت میں اسی حدیث کو امام رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب قرار دینا بدیہی البطلان ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: قلت ولا یخفی ان ذلک لمن کان اھلا للنظر فی النصوص ومعرفۃ محکمھا من منسوخھا (رسائل ابن عابدین ص۲۴) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۸ محرم سنہ ۹۸ھ

عورت کے لئے مہندی لگانا مستحب ہے:

سوال: کیا مہندی لگانا سنت ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ عورت کے ہاتھ بغیر مہندی کے ہوں تو مَردوں سے مشابہت ہوتی ہے، کیا یہ درست ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

عورت کا ہاتھوں پر مہندی لگانا سنت ہے، نہ لگانے سے مَردوں سے مشابہت ہوتی ہے، اس لئے خالی ہاتھ رہنا مکروہ ہے۔

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا ان ھندا بنت عتبۃ قالت یا نبی اللہ بایعنی فقال لا ابایعک حتی تغیری کفیک فکأنھما کفا سبع رواہ ابوداؤد۔

وعنھا قالت اومت امرأۃ من وراء ستر بیدھا کتاب الی رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم فقبض النبی صلی اللہ علیہ وسلم یدہ فقال ما ادری ایدُ رجل ام ید امرأۃ قالت بل ید امرأۃ قال لوکنت امرأۃ لغیرت اظفارک یعنی بالحناء رواہ ابوداود والنسائی (مشکوٰۃ ص۳۸۳)

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال لعن النبی صلی اللہ علیہ وسلم المخنثین من الرجال والمترجلات من النساء وقال اخرجوھم من بیوتکم رواہ البخاری۔

قال العلامۃ علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ: (اخرجوھم من بیوتکم) ای من مساکنکم او من بلدکم، فی شرح السنۃ: روی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتی بمخنث قد خضب یدیہ ورجلیہ بالحناء فامر بہ فنفی الی النقیع، ففی شرعۃ الاسلام: الحناء سنۃ للنساء و یکرہ لغیرھن من الرجال الا ان یکون لعذر لانہ تشبہ بھن، مفھومہ ان تخلیۃ النساء عن الحناء مطلقا مکروہ ایضا لتشبھھن بالرجال وھو مکروہ اھ (المرقاۃ ص۲۱۷ ج ۸)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۳ شعبان سنہ ۹۸ھ

تلاوتِ قرآن استماع سے افضل ہے:

سؤال: تلاوت کرنے میں زیادہ ثواب ہے یا استماع قرآن میں؟ بہارِ شریعت میں ہے:

"قرآن مجید سننا تلاوت کرنے اور نفل پڑھنے سے افضل ہے۔" (غنیہ)
(بہارِ شریعت ص۱۰۳ ج ۳)

تحقیق کیا ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

قال فی الغنیۃ واستماع القرآن افضل من تلاوتہ وکذا من الاشتغال بالتطوع لانہ یقع فرضا والفرض افضل من النفل (کبیری ص۴۹۷)

اس عبارت سے ثابت ہوا کہ استماع کی افضلیت کا قول اس کی فرضیت پر

مبنی ہے اور راجح یہ ہے کہ خارج صلوٰۃ بھی استماع فرض نہیں، لہٰذا افضلیت بھی نہ رہی۔

نیز الفرض افضل من النفل کا قاعدہ بھی کلیہ نہیں، مثلاً جواب سلام واجب ہے، ابتداء سلام سنت ہے، معہذا ابتداء سلام کا ثواب بالاتفاق زیادہ ہے، جس طرح جواب کی فضیلت ابتداء سلام پر موقوف ہے، اسی طرح استماع کی فضیلت بھی تلاوت پر موقوف ہے، اس لحاظ سے بھی تلاوت میں دو ثواب ہوئے، ایک خود تلاوت کرنے کا اور دوسرا غیر کے استماع کا سبب بننے کا۔

جمع الفوائد میں مسند احمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت نقل کی ہے:

من استمع الی اٰیۃ من کتاب اللہ کتبت لہ حسنۃ مضاعفۃ ومن تلاھا کانت لہ نورا یوم القیامۃ (جمع الفوائد ص ۱۶۶ ج ۲)

اس حدیث سے بھی سماع پر تلاوت کی افضلیت ثابت ہوئی، سماعِ قرآن پر صرف حسنہ مضاعفہ کا وعدہ ہے اور تلاوت پر حسنہ مضاعفہ کے علاوہ نور کا بھی۔

احیاء میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ جس شخص نے نماز میں کھڑے ہو کر قرآن مجید پڑھا اس کو ہر حرف پر سو نیکیاں ملیں گی اور جس شخص نے نماز میں بیٹھ کر پڑھا اس کے لئے پچاس نیکیاں ہیں اور جس نے بغیر نماز کے وضوء کے ساتھ پڑھا اس کے لئے پچیس نیکیاں اور جس نے بلا وضوء پڑھا اس کے لئے دس نیکیاں اور جو شخص پڑھے نہیں بلکہ صرف پڑھنے والے کی طرف کان لگا کر سنے اس کے لئے ہر حرف کے بدلے ایک نیکی (احیاء ص ۲۷۵ ج ۱)

اس میں تصریح ہے کہ تلاوت کا ثواب استماع سے زیادہ ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۵ شوال سنہ ۹۸ھ

بیوی کے لئے الگ مکان:

سؤال: اگر بیوی خاوند سے الگ مکان لے کر رہنے پر اصرار کرے، جبکہ لڑکے کے والدین اس پر خوش نہ ہوں اور لڑکے کو اندیشہ ہو کہ وہ والدین کو جو خرچ دیتا ہے اس میں بھی کمی واقع ہو گی تو ایسی صورت میں لڑکے کو کیا کرنا چاہیئے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصّواب

بیوی کو الگ مکان کے مطالبہ کا حق ہے، مگر مستقل مکان کا حق نہیں، بلکہ ایسا ایک کمرا کافی ہے کہ جس میں اور کسی کا کوئی دخل نہ ہو، بیوی کو الگ کمرا دینے میں کئی مفاسد سے حفاظت ہے، اس کے پیش نظر بھی اس کا یہ مطالبہ پورا کرنا ضروری ہے۔

والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک اور بقدر استطاعت اخراجات میں تعاون کرتا رہے۔

قال العلامۃ التمرتاشی رحمہ اللہ تعالیٰ: وبیت منفرد من دار لہ غلق

وقال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: وبیت منفرد ای ما یبات فیہ وھو محل منفرد معین قھستانی والظاھر ان المراد بالمنفرد ما کان مختصا لیس فیہ ما یشارکھا بہ احد من اھل الدار (رد المحتار ص۶۶۳ ج ۲)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۸ ذی القعدہ سنہ ۹۸ھ

مختلف نفل کا ثواب اختلاف موقع سے مختلف ہوتا ہے:

سؤال: نفلی حج میں اور اس میں کہ اس رقم کو مساکین پر خرچ کیا جائے یکساں ثواب ہے؟ یا کوئی فرق ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصّواب

احوال متصدقین اور ضرورت و موقع کے اعتبار سے ثواب مختلف ہوتا ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: حج الغنی افضل من حج الفقیر حج الفرض اولی من طاعۃ الوالدین بخلاف النفل بناء الرباط افضل من حج النفل واختلف فی الصدقۃ ورجح فی البزازیۃ افضلیۃ الحج۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ ورجح فی البزازیۃ افضلیۃ الحج) حیث قال الصدقۃ افضل من الحج تطوعا کذا روی عن الامام لکنہ لما حج وعرف المشقۃ افتی بأن الحج افضل ومرادہ انہ لو حج نفلا وانفق الفا فلو تصدق بھذہ الالف علی المحاویج فھو افضل لا ان یکون

صدقۃ فلس افضل من انفاق الف فی سبیل اللہ والمشقۃ فی الحج لما
کانت عائدۃ الی المال والبدن جمیعا فضل فی المختار علی الصدقۃ اھ قال
الرحمتی والحق التفصیل فما کانت الحاجۃ فیہ اکثر والنفعۃ فیہ اشمل فھو
الافضل کما ورد حجۃ افضل من عشر غزوات وورد عکسہ فیحمل علی ماکان
انفع فاذا کان اشجع وانفع فی الحرب فجھادہ افضل من حجہ اوبالعکس فحجہ
افضل وکذا بناء الرباط ان کان محتاجا الیہ کان افضل من الصدقۃ وحج
النفل واذا کان الفقیر مضطرا اومن اھل الصلاح اومن اٰل بیت النبی
صلی اللہ علیہ وسلم فقد یکون اکرامہ افضل من حجات وعمر وبناء ربط کما
حکی فی المسامرات عن رجل اراد الحج فحمل الف دینار یتأھب بھا فجاءتہ
امرأۃ فی الطریق وقالت لہ انی من اٰل بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وبی
ضرورۃ فافرغ لھا مامعہ فلما رجع حجاج بلدہ صار کلما لقی رجلا منھم
یقول لہ تقبل اللہ منک فتعجب من قولھم فرأی النبی صلی اللہ علیہ وسلم
فی نومہ وقال لہ تعجبت من قولھم تقبل اللہ منک قال نعم یارسول اللہ قال
ان اللہ خلق ملکا علی صورتک حج عنک وھو یحج عنک الی یوم القیامۃ
باکرامک لامرأۃ مضطرۃ من اٰل بیتی فانظر الی ھذا الاکرام الذی نالہ
لم ینلہ بحجات ولابناء ربط (رد المحتار ص۲۵۴ ج ۲) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔
۲۹ ذی الحجہ سنہ ۹۹ھ

مہمان کے ساتھ کھانے میں شرکت:

سؤال: میزبان کا مہمان کے ساتھ مل کر کھانا کھانا مستحب ہے یا بغیر شرکت
کے ان کی خدمت کرنا؟ دونوں میں سے بہتر صورت کونسی ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اصل یہ ہے کہ مہمان کی خدمت کرے، اگر مہمان زیادہ نہ ہوں اور ان کے
ساتھ دسترخوان پر بیٹھ کر کھانے میں ان کی خدمت میں خلل نہ ہوتا ہو تو مہمان کے ساتھ
بیٹھنے میں بھی کوئی حرج نہیں، یعنی مستحب خدمت ہے، ساتھ بیٹھنا نہیں۔

قال فی الھندیۃ: ینبغی ان یخدم المضیف بنفسہ اقتداء بابراھیم

علی نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کذا فی خزانۃ المفتین واذا دعوت قوما الی طعامك فان کان القوم قلیلا فجلست معہم فلا بأس لان خدمتك ایاہ علی المائدۃ من المروءۃ وان کان القوم کثیرا فلا تقعد معہم واخدمہم بنفسك ولا تغضب علی الخادم عند الاضیاف ولا ینبغی ان تجلس معہم من یثقل علیہم فاذا فرغوا من الطعام واستأذنوا ینبغی ان لا یمنعہم (عالمگیریۃ ص۳۴۵ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۱ صفر سنہ ۱۴۰۰ھ

مالی حقوق ادا کرنے کا طریقہ:

سؤال: عبداللہ نے زمانۂ ماضی میں بہت چوریاں کی ہیں، جس میں وقف اور لقطہ کا مال بھی شامل ہے، اب وہ توبہ کرچکا ہے، جن لوگوں کے اموال چوری کئے ہیں ان میں سے اکثر کا تبلیغی جماعت سے تعلق ہے، اس لئے قوی اُمید ہے کہ انھوں نے معاف کردیا ہوگا، دوسرے لوگوں کے بارے میں دونوں احتمال ہیں، کئی ایسے لوگ بھی ہیں جن کا اب کوئی پتا نہیں کہ کہاں ہیں، عبداللہ مسکین ہے اور چوری سے پکی توبہ بھی کرچکا ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا توبہ کافی ہے یا ان اموال کا ادا کرنا اور اصحاب تک پہنچانا ضروری ہے؟ اگر ضروری ہے تو اس کا کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصّواب

جو ملاک معلوم ہیں، ان سے معاف کروائے، اگر معاف نہ کریں تو اپنی آمدن سے کچھ حصّہ خواہ وہ قلیل مقدار میں ہی ہو یہ حقوق ادا کرنے کے لئے مختص کردے، یوں رفتہ رفتہ تمام حقوق ادا ہوجائیں گے، اگر بالفرض قلیل مقدار بھی مختص کرنے کی قدرت نہیں تو یہ نیت رکھے کہ جب بھی قدرت ہوگی حسبِ قدرت ادا کرنا شروع کردے گا۔

جن ملاک کا علم نہیں ان کی طرف سے حسب طریقۂ مذکورہ مساکین پر صدقہ کرے گا:

مال وقف کا حکم یہ ہے کہ اگر اس نے ایسے وقف سے چوری کیا ہو جس کا یہ خود مصرف ہے تو اس پر ضمان اگرچہ نہ ہوگا مگر یہ سخت گناہ ہے۔ اس کی نظیر غنیمت کا مال ہے کہ اس کا مصرف

مجاہدین ہی ہوتے ہیں مگر تقسیم سے پہلے اس سے کوئی چیز چرانے پر سخت وعیدیں آئی ہیں۔ اس لئے اس بدترین گناہ پر خوب استغفار و توبہ کرے اور اگر یہ خود اس کا مصرف نہیں تو واپس کرنا واجب ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۹ ربیع الثانی سنہ ۱۴۰۰ھ

توبہ سے حقوق العباد معاف نہیں ہوتے:

سؤال: کیا توبہ سے حقوق العباد اور حقوق اللہ میں سے کبیرہ گناہ سب معاف ہوجاتے ہیں؟ حقوق العباد کی تفصیل اور جن کا ضائع کرنا گناہ کبیرہ ہے، ان کی تفصیل بھی بیان فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

توبہ سے حقوق اللہ معاف ہوتے ہیں اگرچہ کبیرہ ہوں، حقوق العباد بدون اداء یا اسقاط معاف نہیں ہوتے۔

کسی کی جان، عزت یا مال کا نقصان کرنا حقوق العباد کی تضییع میں داخل ہے اور ان تینوں میں سے ہر ایک گناہ کبیرہ ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۳ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۴۰۰ھ

منہ بولی بہن کا حکم:

سؤال: میں نے ایک لڑکی کو اپنی بڑی بہن بنایا ہے، میں اسے باجی کہہ کر پکارتا ہوں، اس بارے میں شریعت کیا کہتی ہے؟ میں الجھن میں اس لئے مبتلا ہوں کہ میں نے تاریخ اسلام میں زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ پڑھا ہے کہ ان کو زید بن محمد کہا جاتا تھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمادیا تو اس کی وجہ کیا تھی؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

کسی کو منہ بولی بہن بنانے سے واقعۃً بہن نہیں بن جاتی، شرعاً اس کے احکام بالکل اجنبی اور غیر محرم عورت کے ہیں، زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ بھی اسی نوع کا ہے، اسی لئے اس سے ممانعت وارد ہوئی۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۱۸ جمادی الثانیہ سنہ ۱۴۰۰ھ

تجارتی کتب میں بطور صدقہ رقم لگانے کی صورت:

سؤال: بندہ ایک تاجر ہے، ایک دینی کتاب طبع کروانا چاہتا ہے، ایک صاحب نے کچھ رقم دی ہے کہ اس رقم کو بھی مصارفِ طباعت میں شامل کرلیا جائے تاکہ صدقۂ جاریہ کا ثواب ان کو بھی ملتا رہے، از روئے شرع اس شرکت کی نوعیت وصورت کیا ہونی چاہیئے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں:

① ان صاحبِ خیر کی رقم کے مساوی قیمت کی کتابیں اہل صلاح میں مفت تقسیم کردی جائیں۔

② کتاب کے مصارف سے اتنی رقم وضع کرکے باقی مصارف پر منفعت رکھی جائے، اس طرح کتاب خریداروں کو نسبۃً سستی پڑے گی۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۵ رجمادی الثانیہ سنہ ۱۴۰۰ھ

سُرمہ لگانے کا طریقہ:

سؤال: سرمہ کس وقت لگایا جائے اور لگانے کا طریقہ کیا ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

کوئی وقت متعین نہیں، البتہ سونے سے پہلے لگانا زیادہ مفید ہے، طریقہ یہ ہے کہ تین سلائی ہر آنکھ میں لگائی جائیں، دائیں آنکھ سے ابتداء کی جائے۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اکتحلوا بالاثمد فانه یجلو البصر وینبت الشعر وزعم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانت له مکحلة یکتحل منها کل لیلة ثلاثة فی هذه وثلاثة فی هذه (الترمذی ص۳۰۵ ج۱)

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یکتحل قبل ان ینام بالاثمد ثلاثا فی کل عین (شمائل الترمذی ص۴)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۷ رجب سنہ ۱۴۰۰ھ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کا دعویٰ :

سؤال : ایک شخص اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ فلاں شخص جب روضۂ اقدس پر حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے مصافحہ فرمایا، کیا یہ دعویٰ درست ہو سکتا ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر وہ شخص خود دعویٰ نہیں کرتا تو اس سے متعلق دوسرے کا دعویٰ قبول نہیں اور اگر وہ خود کہتا ہے تو اس کی تصدیق کے لئے تین شرطیں ہیں :

① یہ شخص مکمل طور پر دینداری میں مشہور ہو، یعنی تمام اوامر بجالاتا ہو اور تمام منکرات سے اجتناب کرتا ہو۔

② معاملہ کی تشہیر نہ کرتا ہو۔

③ بوقت مصافحہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر جو دوسرے زائرین موجود تھے وہ اس کی شہادت دیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۷ رجب سنہ ۱۴۰۰ھ

دعاء کا تین بار تکرار :

سؤال : میں نے سنا ہے کہ دعاء مانگتے وقت ہر دعاء کو تین تین مرتبہ کہنا چاہیئے، سنت طریقہ کیا ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

تین تین بار مانگنا افضل و اقرب الی القبول ہے، ایک بار مانگنا خلافِ سنت نہیں۔

عن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یعجبہ ان یدعو ثلاثا ویستغفر ثلاثا (ابوداؤد ص۲۲۲ ج۱)

عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا دعا دعا ثلاثا واذا سأل سأل ثلاثا (حلیۃ الاولیاء ص۱۵۳ ج۴)

عن حفصۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا اراد ان یرقد وضع یدہ الیمنی تحت خدہ ثم یقول اللّٰھم قنی

عذابک یوم تبعث عبادک ثلاث مرات رواہ ابوداؤد (مشکوۃ صـ۲۱۱)

عن عبد الرحمٰن بن ابی بکرۃ قال قلت لابی یا ابتی اسمعک تقول کل غداۃ اللّٰھم عافنی فی بدنی اللّٰھم عافنی فی سمعی اللّٰھم عافنی فی بصری لا الٰہ الا انت تکررھا ثلاثا حین تصبح وثلاثا حین تمسی فقال یا بنی سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یدعو بھن فانا احب ان استن بسنتہ رواہ ابوداؤد (مشکوۃ صـ۲۱۲) واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۸ ذی الحجۃ سنہ ۱۴۰۰ھ

حرام گوشت فروخت کرنے والے کا حکم:

سؤال: ایک شخص اپنی دکان پر حرام اور مردار جانوروں کا گوشت فروخت کرتا ہے کچھ حلال گوشت بھی رکھتا ہے، جن بعض لوگوں کو معلوم ہے وہ تو اس سے نہیں خریدتے مگر اکثر کو معلوم نہیں، وہ خریدتے ہیں، اس کو سمجھایا بھی گیا مگر وہ اس سے باز نہیں آتا تو دریافت طلب یہ ہے کہ اس شخص کا کیا حکم ہے؟ نیز ایسے شخص کی آمدن حلال ہے یا حرام؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر یہ شخص اس عمل شنیع کو حلال سمجھتا ہے تو مرتد ہوگیا اور بیوی بھی حرام ہوگئی، حکومت پر فرض ہے کہ وہ اسے توبہ کی تلقین کرے اور اس سے تجدید اسلام وتجدید نکاح کروائے۔

اور اگر یہ شخص اس کو حرام سمجھ کر کرتا ہے تو فاسق ہے، مسلمانوں اور حکومت پر فرض ہے کہ وہ اس کو اس گناہِ کبیرہ سے روکنے کی ہر ممکن تدبیر اختیار کریں، ورنہ سب اس گناہ میں شریک سمجھے جائیں گے۔

جب تک وہ اس گناہ سے باز نہیں آتا، اس سے گوشت خریدنا جائز نہیں، اس کی حرام گوشت کی آمدن حرام ہے اور حلال گوشت کی آمدن حلال ہے، البتہ خلط کے بعد جب تک حرام آمدن کو الگ کرکے ملاک تک نہ پہنچائے یا ملاک تک پہنچانا متعذر ہونے کی صورت میں صدقہ نہ کرے اس کے لئے اس پورے مال سے کسی قسم کا نفع حاصل کرنا حرام ہے۔

واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ ۴ محرم سنہ ۱۴۰۱ھ

معانقہ میں تکرار :

سؤال : آپ کا فتویٰ موصول ہوا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ تین بار گلے ملنا خلافِ سنت ہے، ایک بار مسنون ہے، ایک عالم کہتے ہیں کہ تعامل تین بار کا ہی ہے، اگر حدیث میں کوئی حد ذکر ہوتی تو اس کے خلاف کرنا خلافِ سنت ہو سکتا ہے مگر ایسا نہیں تو مروجہ معانقہ کو خلاف سنت کہنا صحیح نہیں، جیسا کہ فرضوں کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف اللّٰھم انت السلام ومنک السّلام تبارکت یا ذا الجلال والاکرام تک دُعاء کرنا ثابت ہے، لیکن آجکل لمبی چوڑی دعاء مانگی جاتی ہے، اگرچہ فرائض کے بعد لمبی دُعاء کرنے میں سب علماءِ کرام شامل نہیں مگر اس کو کسی نے بدعت نہیں کہا تو معانقہ مروجہ کیوں خلافِ سنت ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر معانقہ میں تکرار کو ثواب سمجھا جائے تو خلافِ سنت ہی نہیں بلکہ بدعت ہوگا، ورنہ محض رسم ہوگی جو سنت سے ثابت نہیں، چونکہ اس کی ترویج اس کو سنت سمجھنے کا پیش خیمہ ہے اس لئے اس سے احتراز کرنا چاہیے۔

معانقہ کی مفصل و مدلل تحقیق رسالہ "مصافحہ و معانقہ" میں ہے، جو "احسن الفتاویٰ" جلد ۹ "مسائل شتّٰی" میں ہے۔

فرائض کے بعد طویل دُعاء کو معمول بنالینا بدعت ہے، حاجتِ خاصّہ کے لئے احیاناً طویل دُعاء جائز ہے، تفصیل رسالہ "زبدۃ الکلمات فی حکم الدعاء بعد المکتوبات" مندرجہ احسن الفتاویٰ جلد ۳ میں ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۰ صفر سنہ ۱۴۰۱ھ

قضاء حاجت کے لئے بیٹھنے کی کیفیت :

سؤال : بیت الخلاء میں فراغت کے وقت کس طرح بیٹھنا چاہیے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصّواب

بائیں پاؤں پر وزن زیادہ ہو اور پاؤں کشادہ رکھے جائیں۔

عن سراقة بن مالك رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال علمنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الخلاء ان نقعد علی الیسری وننصب الیمنی، رواہ البیھقی بسند ضعیف۔

قال الشیخ الامام محمد بن اسمٰعیل الصنعانی رحمہ اللہ تعالیٰ: واخرجہ الطبرانی قال الحازمی: فی سندہ من لانعرفہ ولانعلم فی الباب غیرہ قیل: والحکمۃ فی ذلك انہ یکون اعون علی خروج الخارج، لان المعدۃ فی الجانب الایسر، وقیل: لیکون معتمدا علی الیسری ویقل مع ذلك استعمال الیمنی لشرفھا (سبل السلام شرح بلوغ المرام ص۲۸ ج۱)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۶ صفر سنہ ۱۴۰۱ھ

حلق عانہ سے عاجزہ کا حکم :

سؤال : ایک شخص ضعیف العمر ہے اور اس کی بیوی بھی زندہ نہیں ہے، صحت کی حالت میں وہ زیر ناف بال خود لے سکتا ہے، مگر بیماری کی حالت میں نہیں لے سکتا، اب وہ کیا کرے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصّواب

اگر پاؤڈر خود لگانے پر قادر ہو تو پاؤڈر سے صفائی کرے، ورنہ دوسرا شخص ہاتھ پر دستانہ پہن کر پاؤڈر سے اس طرح صفائی کرے کہ اس مقام پر نظر ڈالنے سے حتی الامکان احتراز کرے۔

لا بأس بأن يتولى صاحب الحمام عورة انسان بيده عند التنوير اذا كان يغض بصره وقال الفقيه ابو الليث هذا في حالة الضرورة لا في غيرها (عالمگیریۃ ص ۳۲۷ ج ۵) واللّٰه سبحانه وتعالى اعلم۔ ۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۱ھ

بالوں اور ناخنوں کو دفن کرنا :

سؤال : بعض بزرگوں کو دیکھا ہے کہ بال اور ناخن کاٹ کر ایک تھیلی میں رکھتے ہیں، پھر بڑے اہتمام سے ان کو دفن کرتے ہیں، تحقیق کیا ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصّواب

دفن کرنا بہتر ہے، بسہولت انتظام ہو سکے تو دفن کر دے، ورنہ تبکلف اہتمام کرنا تعمق وغلو ہے جو مذموم ہے، امر مندوب کا التزام اعتقاداً یا عملاً ممنوع ہے اور ایسی حالت میں امر مندوب واجب الترک ہو جاتا ہے، علاوہ ازیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ امر تشریعی نہیں بلکہ سحر سے حفاظت کے لئے ہے۔

قال العلامة الطحطاوی رحمه الله تعالى معزيا الى الخانية : وروى ان النبي صلى الله عليه وسلم امر بدفن الشعر والظفر وقال لا تتغلب به سحرة بني آدم (طحطاوى على المراقى ص ۲۸۷) والله سبحانه وتعالى اعلم۔

۶ صفر سنہ ۱۴۰۵ھ

عشرۂ ذی الحجہ میں حجامت نہ بنوانا :

یہ مسئلہ "احسن الفتاویٰ" جلد ۷ "کتاب الاضحیۃ والعقیقۃ" ص ۴۹۶ پر بعنوان

"عشرۂ ذی الحجہ میں ناخن وغیرہ نہ کاٹنے کی حیثیت" آچکا ہے۔

کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا مستحب ہے:

سؤال: غسل الیدین قبل الطعام سے متعلق ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ مرقاۃ ص۳۳۷ ج ا پر تحریر فرماتے ہیں:

ھذا مستحب واختلف العلماء فی استحباب غسل الیدین والاظھر استحبابہ الا ان یتیقن نظافۃ الیدین من النجاسۃ والوسخ واستحبابہ بعد الفراغ الا ان یبقی علی الید اثر الطعام۔

اور مرقاۃ ص۱۸۴ ج ۸ پر لکھا ہے:

کان سفیان الثوری رحمہ اللہ تعالیٰ یکرہ غسل الیدین قبل الطعام

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو سنت لکھا ہے اور اُمت کا تعامل بھی اسی پر ہے، تحقیق کیا ہے سنتِ مؤکدہ ہے یا مستحب؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملھم الصواب

راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ کھانے سے پہلے ہاتھ صاف ہونے کا یقین ہو تو بھی ہاتھ دھونا مستحب ہے، سنت مؤکدہ نہیں۔

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت میں سنت سے مراد سنت شرعیہ نہیں، سنتِ عادیہ ہے جو مستحب کے درجہ میں ہے، نیز علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے تیقن نظافت و عدم تیقن کی کوئی تفصیل بیان نہیں فرمائی، اس لئے کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا مطلقاً مستحب ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ وغسل الیدین قبلہ) لنفی الفقر ولا یمسح یدہ بالمندیل لیبقی اثر الغسل وبعدہ لنفی اللمم ویمسحھا لیزول اثر الطعام وجاء انہ برکۃ الطعام ولا بأس بہ بدقیق وھل غسل فمہ للاکل سنۃ کغسل یدہ الجواب لا (رد المحتار ص۲۱۶ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۳ صفر سنہ ۱۴۰۵ھ

ایک شخص کی زمین پھسل کر دوسرے کی زمین پر چلی گئی:

سؤال: آج سے تقریباً چھ، سات سال قبل میری ایک زمین بوجہ کثرتِ

بارش اوپر سے پھسل کر مع درخت کسی اور کی زمین پر گر پڑی اور وہ درخت اب بھی پھسلی ہوئی زمین کے ساتھ موجود ہیں اور میں اس زمین میں کاشت کرتا ہوں، اور جس شخص کی زمین نیچے دب گئی ہے اس نے اب تک پوچھا بھی نہیں، لہٰذا شرعی مسائلہ سے بمع حوالہ کتب تحریر فرمائیں کہ زمین میری ہے یا اس شخص کی، اور میں درخت وغیرہ کاٹ کر ملبہ ہٹالوں اور زمین اس کے حوالہ کردوں، صریح جزئیہ اگر لکھ دیں تو بہت مہربانی ہوگی۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

یہ معاملہ چونکہ غیر اختیاری طور پر ہوا ہے اس لئے بصورت نقصان کسی پر کوئی ضمان نہ ہوگا۔

قال فی الهندیۃ: لان هٰذا نقصان حصل لا بفعل احد فلیس احدهما بایجاب الضمان علیہ اولٰی من الآخر کذا فی فتاویٰ قاضیخان (عالمگیریہ ص۱۳۲ ج ۵)

اوپر کی زمین کے مالک کا انتفاع بتأویل ملک تھا اس پر کسی قسم کا ضمان نہ ہوگا بالخصوص جبکہ نیچے کی زمین کے مالک نے کوئی اعتراض بھی نہیں کیا۔

قال العلامۃ محمد خالد الاتاسی رحمہ اللہ تعالٰی: ولا یلزمہ شیء من اجرۃ المثل او حصۃ من الزرع وان کانت معدۃ للاستغلال او المزارعۃ لانہ استعملها بتأویل ملک (شرح المجلۃ ص۱۹ ج ۴)

اگر دونوں زمینوں کی قیمت برابر ہے تو اس زمین میں دونوں مالک برابر کے شریک ہیں، اور اگر قیمت کم و بیش ہے تو زیادہ قیمتی زمین کا مالک دوسرے کو اس کے حصہ کی قیمت دے کر اس کا مالک بن جائے گا۔

نقل فی الهندیۃ عن الخانیۃ: شجرۃ القرع اذا نبتت فی ملک رجل فصارت فی حب رجل آخر وعظم القرع فتعذر اخراجہ من غیر کسر الحب فهی بمنزلۃ اللؤلؤۃ اذا ابتلعتها دجاجۃ ینظر الی اکثر المالین یقال لصاحب الاکثر ان شئت اعطیت الآخر قیمۃ مالہ فیصیر لک وان ابی یباع الحب علیهما ویکون الثمن بینهما۔

وبعد اسطر: ولو ادخلت دابۃ رجل رأسها فی قدر اٰخر ولا یمکن الاخراج الا بالکسر کان لصاحب الدابۃ ان یتملک الاٰخر بقیمتہ ونظائرھا کثیرۃ لصاحب اکثر المالین ان یتملک الاٰخر بقیمتہ فان کانت قیمتھما علی السواء یباع علیھما ویقسمان الثمن (عالمگیریۃ ص ۱۳۳ ج ۵)

وقال العلامۃ محمد خالد الاتاسی رحمہ اللہ تعالیٰ: لو سقط جبل بما علیہ من الروضۃ علی الروضۃ التی تحتہ یتبع الاقل فی القیمۃ الاکثر یعنی صاحب الارض التی قیمتھا اکثر یضمن لصاحب الاقل ویتملک تلک الارض مثلا لو کان قبل الانھدام قیمۃ الروضۃ الفوقانیۃ خمس مأۃ وقیمۃ التحتانیۃ الفا یضمن صاحب الثانیۃ لصاحب الاولی قیمتھا ویتملکھا (شرح المجلۃ ص ۴۳۳ ج ۳)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۳ جمادی الآخرۃ سنہ ۱۴۱۲ھ

ناخن کاٹنے میں ترتیب کا کوئی ثبوت نہیں:

سؤال: ناخن کاٹنے کا جو طریقہ مشہور ہے کہ دائیں ہاتھ اور دائیں پاؤں سے شروع کیا جائے، اس طرح کہ دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے شروع کرکے دائیں ہاتھ کے ابہام پر ختم کیا جائے اور دائیں پاؤں کی چھوٹی انگلی سے شروع کرکے بائیں پاؤں کی چھوٹی انگلی پر ختم کیا جائے، کیا یہ طریقہ سنت یا مستحب ہے؟ کیا اسکا ثبوت ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ترتیب کا کوئی ثبوت نہیں، اس بارے میں جتنی روایات منقول ہیں سب بے اصل ہیں۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: قلت وفی المواھب اللدنیۃ قال الحافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ انہ یستحب کیف ما احتاج الیہ ولم یثبت فی کیفیتہ شیء ولا فی تعیین یوم لہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وما یعزی من النظم فی ذلک للامام علی ثم لابن حجر قال شیخنا انہ باطل۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ قلت الخ) وکذا

قال السیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ وقد انکر الامام ابن دقیق العید جمیع ھذہ الابیات وقال لا تعتبر ھیئۃ مخصوصۃ وھذا لا اصل لہ فی الشریعۃ ولا یجوز اعتقاد استحبابہ لان الاستحباب حکم شرعی لابد لہ من دلیل ولیس استسھال ذلک بصواب اھ (رد المحتار ص۲۶ ج۵)

وقال العلامۃ ابو السعود رحمہ اللہ تعالیٰ: وقال ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فی شرح الشمائل: ولم یثبت فی کیفیتہ ولا فی تعیین یوم لہ شیء وما یعزی من النظم فی ذلک لعلی او غیرہ باطل انتہیٰ (فتح المعین ص۲۱ ج۳)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۰ رجب سنہ ۱۴۱۵ھ

ایسے درخت کا حکم جس سے پڑوسی کو ضرر ہو:

سؤال: ہمارا علاقہ سرسبز ہے جہاں باغ کثرت سے ہیں، ایک دوسرے کی املاک متصل ہونے کی وجہ سے چند سؤالات پیدا ہوتے ہیں:

① ایک کے اشجار کی شاخیں دوسرے کی زمین میں واقع ہوتی ہیں جس کی وجہ سے اس کے جوار کو ہل چلانے میں دقت ہوتی ہے۔

② درخت کی شاخیں اوپر ہیں جس سے ہل چلانے میں دقت نہیں ہوتی، لیکن دوسرے کی زمین کی بالکل محاذات پر واقع ہونے کی وجہ سے جوار کہتا ہے کہ اپنے درخت کی شاخیں کاٹ کر میری زمین سے دور کریں اس لئے کہ آپ کے درخت کے سایہ سے میری زمین کو نقصان پہنچتا ہے، یعنی پیداوار صحیح نہیں دیتی۔

کیا ازروئے شرع مذکورہ دونوں صورتوں میں مالکِ اشجار پر اپنے درخت کی شاخیں کاٹنا لازم ہے یا نہیں؟ بیّنوا بالتفصیل توجروا عند اللہ الجلیل۔ فجزاکم اللہ خیر الجزاء۔

الجواب باسم ملہم الصواب

① صاحبِ اشجار پر لازم ہے کہ وہ اغصان کو باندھے یا قطع کرے تاکہ دوسرے کی ملک میں نہ جائیں، صاحبِ بُستان وارض اسے شاخیں کاٹنے یا

باندھنے پر مجبور کر سکتا ہے بشرطیکہ کوئی دوسری صورت ممکن نہ ہو۔

② اگر درختوں کی شاخیں اپنی ہی ملک میں ہیں مگر سایہ سے زراعت کو نقصان ہوتا ہے تو قطع اغصان وغیرہ لازم نہیں، ہاں اگر ضرر بین و فاحش ہو جس سے زراعت وغیرہ بالکل نہ ہوتی ہو تو استحساناً حکم قطع ہے۔

قال العلامة محمد خالد الاتاسی رحمه الله تعالی: اذا تدلت اغصان شجرة انسان لدار جاره او بستانه فللجار ان یکلفه تفریغ هوائه بالربط او القطع سواء تضرر الجار بذلك ام لا، لانه تصرف فی ملك الغیر بلا اذنه۔

وقال ایضا: ان لا تتدلی اغصان شجرته علی هواء دار الجار او ارضه وانما ارتفعت فی هواء بستانه حتی منعت الشمس عن ارض الجار فلا تقطع تلك الشجرة وان تضرر زرع الجار لما سیأتی فی المادة الآتیة من انه لا یمنع احد من التصرف فی ملکه الا اذا کان ضرره لغیره فاحشا وسیأتی فی المادة ۱۱۹۹ ان الضرر الفاحش ما یمنع من الحوائج الاصلیة ومنع الشمس والریح لیس منها بل من الحوائج الزائدة کما فی جامع الفصولین عن الذخیرة قال: فصار کرجل له شجرة یستظل بها جاره اراد قلعها لا یمنع منه ولو تضرر به جاره اذ رب الشجرة بالقلع یمنعه عن الانتفاع بملکه اه اقول: ان المنفعة الاصلیة من ارض الزراعة او البستان هی الزراعة فکان ما یمنع منها نظیر ما یمنع من السکنی فی البناء علی ما سیأتی فی المادة المذکورة وما بعدها الا ان یجاب بالفرق بین ما یمنع من الانتفاع بها اصلاً وبین ما یقللها بأن ینتفع بزراعتها مع نوع ضرر تأمل اه

(شرح المجلة ص۱۳۸ ج ۴)

وهکذا حرر الشیخ علی حیدر رحمه الله تعالی (درر الحکام ص۲۱۸ ج ۱۰)

والله سبحانه وتعالی اعلم

۲۶ رجب سنه ۱۴۱۶ھ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ وفات:

سؤال: آپ نے ”ارشاد العابد“ میں تحریر فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی تاریخِ ولادت ۸ ربیع الاول ہے اور تاریخِ وفات ۲ ربیع الاوّل، ۱۲ ربیع الاوّل کو ولادت اور وفات کی تاریخ سمجھنا غلط ہے، اس تاریخ کا حساب کسی صورت بھی صحیح نہیں ہو سکتا۔

حالانکہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اختلاف مطالع کی بنا پر تاریخ وفات = ۱۲ ربیع الاوّل کی یہ تأویل فرمائی ہے:

وقد اشتهر هذا الايراد على هذا القول وقد حاول جماعة الجواب عنه ولا يمكن الجواب عنه الا بمسلك واحد وهو اختلاف المطالع بأن يكون اهل مكة رأوا هلال ذى الحجة ليلة الخميس واما اهل المدينة فلم يروه الا ليلة الجمعة ويؤيد هذا قول عائشة رضى الله تعالىٰ عنها وغيرها خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم لخمس بقين من ذى القعدة - يعنى من المدينة - الى حجة الوداع ويتعين بما ذكرنا انه خرج يوم السبت وليس كما زعم ابن حزم انه خرج يوم الخميس لانه قد بقى اكثر من خمس بلاشك ولا جائز ان يكون خرج يوم الجمعة لان انسا رضى الله تعالىٰ عنه قال صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم الظهر بالمدينة اربعا والعصر بذى الحليفة ركعتين فتعين انه خرج يوم السبت لخمس بقين فعلى هذا انما رأى اهل المدينة هلال ذى الحجة ليلة الجمعة واذا كان اول ذى الحجة عند اهل المدينة الجمعة وحسبت الشهور بعده كوامل يكون اوّل ربيع الاول يوم الخميس فيكون ثانى عشر يوم الاثنين والله اعلم (البداية والنهاية ص۲۷۷ ج۵) بيّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اعتبار اختلاف مطالع کسی صورت میں بھی ممکن نہیں، شرعاً، عقلاً اور فلکیات کسی لحاظ سے بھی اس کا کوئی امکان نہیں، اس کی تفصیل میرے رسالہ "الطوالع لتنویر المطالع" میں ہے۔

اس خیال باطل کو بطریق فرض محال تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی مکہ ومدینہ کے درمیان اس کا احتمال بہت کم بلکہ کالعدم ہے، اس لئے کہ بلاد مختلفہ میں

ہلال کے قابل رؤیت ہونے میں اختلاف کے چار اسباب ہیں:

① سب سے زیادہ مؤثر اختلاف طول البلد۔

② دوسرے درجہ میں اختلاف عرض البلد۔

③ تیسرے درجہ میں زیادت میل شمس۔

④ سب سے آخری درجہ میں زیادت میل قمر۔

مکہ اور مدینہ دونوں ایک ہی طول البلد پر ہیں اور دونوں کے عرض البلد میں فرق صرف ۲°۳ ر ۲ ہے اور بحساب تقویم غرۂ ذی الحجہ سنہ ۱۰ھ بیوم خمیس = ۲ مارچ ۶۳۲ء ہے، جس میں میل شمس جنوبی صرف ۷ ر ۱° ہے، اس قدر فرق قلیل سے اختلاف رؤیت کا تصور خیال خام ہے، رہا سب سے آخری درجہ کا مؤثر یعنی میل قمر، سو اس کے بہت زیادہ ہونے کی صورت میں اختلاف رؤیت ہوسکتا ہے، مگر مؤثرات ثلاثہ قویہ کے فقدان کی صورت میں صرف ایک مؤثر ضعیف کی وجہ سے اختلاف رؤیت کا امکان بہت بعید ہے اور یہ امکان بعید بھی صرف اس صورت میں ہے کہ میل بہت زیادہ ہو، میل کم ہونے کی صورت میں امکان بعید بھی نہیں۔

امکان رؤیت ایسا بعید کہ کالعدم یا معدوم اور تاریخ معہود میں میل قمر کی تخریج طول عمل، اس لئے میں نے اس کا حساب نہیں لگایا اور اس کی ضرورت بھی نہیں، اس لئے کہ یہ بحث محض فرض محال پر مبنی ہے، مکہ و مدینہ کے درمیان امکان اختلاف رؤیت تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی حقیقت وہی ہے کہ اختلاف مطالع کو معتبر قرار دینے کی کوئی صورت ممکن ہے ہی نہیں۔

اعتبار اختلاف مطالع سے قطع نظر بلاد مختلفہ میں اختلاف رؤیت کی صورت میں متفقہ قاعدہ یہ ہے کہ ایک شہر کی رؤیت کی خبر دوسرے شہر میں بشرائط معہودہ پہنچ جائے تو وہ ان کے لئے موجب عمل ہے، حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بنفس نفیس تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا جم غفیر بھی، رؤیت مکہ کے بارے میں ان کی خبر اہل مدینہ کے لئے کیوں موجب عمل نہ ہوئی۔

مدینہ منورہ میں غرۂ ذی الحجہ بیوم جمعہ کا خیال بوجوہ ذیل بالکل باطل ہے:

① اعتبار اختلاف مطالع کا خیال بالکل بدیہی البطلان ہے۔
② بلحاظ مکان و زمان اختلاف مطالع کا اثر بعید از قیاس ہے۔
③ رؤیت ہلال کے اصول مسلمہ کے خلاف ہے۔
④ دنیا بھر میں مسلم تقویم قمری میں اس کا کوئی امکان نہیں۔
⑤ اس صورت میں چار ماہ مسلسل تیس دن کے بنتے ہیں جو بہت بعید ہے۔
⑥ اس خیال کی تصحیح کی صرف یہی صورت ہوسکتی ہے کہ اختلاف مطالع کو معتبر قرار دیا جائے جسے شرذمۂ قلیلہ کے سوا پوری اُمت مسلمہ بالاجماع غیر معتبر قرار دے رہی ہے ان دونوں کو ملانے سے لازمًا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ معاذ اللہ پوری اُمت نے اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح فیصلہ کو ٹھکرادیا ہے اور یہ محال ہے، والامر المستلزم للمحال محال، اس سے بڑی اور کیا دلیل ہوسکتی ہے؟ فبایّ حدیث بعدہ یؤمنون۔
⑦ وہ شرذمۂ قلیلہ جو اعتبار اختلاف مطالع جیسے بین البطلان وہم اور ناممکن، ممتنع و محال خیال میں گرفتار ہے، ان میں سے بھی کسی نے اپنے اس زعم باطل پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قدر صریح فیصلہ اور اتنی بڑی دلیل بیّن سے استدلال نہیں کیا۔

اس سے ثابت ہوا کہ وہ بھی غرہ بیوم جمعہ کے خیال کو باطل سمجھتے ہیں۔

حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

ایام کے شمار کرنے میں بسا اوقات پہلے دن کو بھی مستقل دن شمار کرلیا جاتا ہے مباحثِ حدیث وسیر میں اس کی کئی مثالیں پائی جاتی ہیں، اس کے مطابق شنبہ سے چہار شنبہ تک پانچ دن بن جاتے ہیں۔

اس حدیث میں حساب کا یہ کثیر الوقوع طریقہ اختیار کرنا محض تأویل بصورت احتمال نہیں، بلکہ مفاسد و ممتنعات مذکورہ کے تحت یہ امر لازم وحقیقت بدیہیہ ہے جس سے کوئی مفر نہیں۔

حاصل یہ کہ مکہ اور مدینہ دونوں میں خمیس کو غرۂ ذی الحجہ تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارۂ کار ممکن نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۳ر ربیع الاول سنہ ۱۴۱۷ھ

بوقت مصافحہ انگوٹھا پکڑنا :

سؤال : علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی نے لکھا ہے کہ مصافحہ کرتے وقت انگوٹھا پکڑنا چاہئے یہ محبت پیدا کرتا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ حدیث میں آیا ہے، کیا ایسی کوئی حدیث ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی کی عبارت یوں ہے :

والسنة ان تکون بکلتا یدیه وان یأخذ الابهام فان فیه عرقا ینبت المحبة کذا جاء فی الحدیث ذکره القهستانی وغیره (رد المحتار ص۲۴۴ ج۵)

حدیث کی کسی کتاب کا حوالہ نہیں بلکہ قہستانی کا حوالہ ہے، قہستانی کو دیکھا گیا تو اس میں بھی حدیث کی کسی کتاب کا حوالہ نہیں ملا، پھر کتب حدیث میں تلاش کیا گیا مگر اس کا کچھ پتا نہ چل سکا۔

اگر اس کا کوئی ثبوت ہوتا تو مصافحہ جیسے کثیر الوقوع عمل سے متعلق ہونے کی وجہ سے روایات کثیرہ میں اس کا ذکر ہونا چاہئے تھا جبکہ متداول اور معروف کتب حدیث اس کے ذکر سے خالی ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۲ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ

ویڈیو کی تصویر کا حکم :

سؤال : ویڈیو کیمرے سے کسی بھی تقریب ومحفل کی پوری کارروائی محفوظ کرلی جاتی ہے اور بعد میں وی سی آر پر اس محفل کے تمام مناظر دیکھے جاسکتے ہیں، سؤال یہ ہے کہ کیا یہ تصویر میں داخل ہے؟ بعض علماء کرام اس کو تصویر نہیں سمجھتے وہ کہتے ہیں کہ اس کو قرار واستقرار حاصل نہیں، بلکہ یہ برقی ذرّات ہوتے ہیں جو بنتے اور فورًا مٹتے رہتے ہیں" اور بعض علماء اس کو عکس کہتے ہیں، تحقیق کیا ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اس بارے میں مندرجہ ذیل امور قابل غور ہیں :

(۱) ویڈیو کیمرے سے کسی بھی تقریب کی منظر کشی کا عمل تصویر سازی کی ایک ترقی یافتہ صورت ہے، جیسے قدیم زمانے میں تصویر ہاتھ سے بنائی جاتی تھی پھر

کیمرے کی ایجاد نے اس قدیم طریقہ میں ترقی کی اور تصویر ہاتھ کی بجائے مشین سے بننے لگی جو زیادہ سہل اور دیرپا ہوتی ہے، اب اس عمل میں نئی نئی سائنسی ایجادات نے مزید ترقی اور جدّت پیدا کی اور جامد وساکن تصویر کی طرح اب چلتی پھرتی، دوڑتی بھاگتی صورت کو بھی محفوظ کیا جانے لگا۔

یہ کہنا صحیح نہیں کہ اس کو قرار وبقاء نہیں، اگر اس کو بقاء نہیں تو وہ ٹی وی اسکرین پر چمکتی دمکتی، اُچھلتی کودتی نظر آنے والی چیز کیا ہوتی ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ وہی تصویر ہے جو کسی وقت لے کر محفوظ کر لی گئی تھی، صرف اتنی بات ہے کہ کیسٹ کی پٹی میں ایسی فنی جدت سے کام لیا گیا کہ دیکھنے میں پٹی خالی نظر آتی ہے، لیکن ظاہر ہے کہ وہ تصویر مٹ کر معدوم نہیں ہوئی ورنہ وی سی آر پر دوبارہ کیسے ظاہر ہو سکتی ہے۔

② اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ وہ مٹ جاتی ہے اور پھر بنتی ہے، یہی عمل ہر لحظہ جاری رہتا ہے تو اس میں تو اور زیادہ قباحت ہے کہ بار بار تصویر بنانے کا گناہ ہوتا ہے۔

③ اس کو عکس کہنا بھی صحیح نہیں، اس لئے کہ عکس اصل کے تابع ہوتا ہے، اور یہاں اصل کی موت کے بعد بھی اس کی تصویر باقی رہتی ہے۔

④ اگر عدم بقاء یا اس کا عکس ہونا تسلیم کر لیا جائے تو عوام اس دقیق فرق کو نہیں سمجھتے، اس کی گنجائش دینے سے ان میں تصویر سازی کی لعنت کے جواز کی اشاعت اور خوب تبلیغ ہوگی، اور واقعی ومتفق علیہ تصویر کو بھی جائز سمجھنے کا مفسدہ پیدا ہوگا۔

⑤ تصویر ہونے نہ ہونے کا مدار عرف پر ہونا چاہیئے نہ کہ سائنسی وفنّی تدقیقات پر، اور عرف عام میں اسے تصویر ہی سمجھا جاتا ہے، جیسے شریعت نے صبح صادق اور طلوع وغروب کا علم کسی دقیق علم وفن پر موقوف نہیں رکھا، ظاہری وسہل علامات پر رکھا ہے۔

⑥ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ عوام بار بار فرق کا اعلان کرنے سے سمجھ گئے ہیں یا سمجھ جائیں گے تو بھی اس میں عام تصویر سے کئی گنا بڑھ کر مفاسد

پائے جاتے ہیں، جن میں سے چند ایک اوپر بیان کئے گئے ہیں، ظاہر ہے کہ کسی چیز کے جواز یا عدم جواز کا فیصلہ اس کے عام استعمال و ابتلاء کو سامنے رکھ کر کیا جاتا ہے نہ کہ قلیل کالعدم استعمال کے پیشِ نظر۔

ماضی قریب کے بعض ملحد و گمراہ مفکرین نے سینما دیکھنے کو یہ کہہ کر جائز قرار دیا تھا کہ یہ سینما ہال میں اسکرین پر ظاہر ہونے والی صورت تصویر نہیں عکس ہے، اس سے نوجوان نسل کو عریاں و فحش فلمیں دیکھنے کی جو ترغیب و تشجیع ہوئی وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، وہ ایک ناجائز و حرام فعل کو جائز سمجھ کر بے محابا کرنے لگے، اب یہی حال بعض علماء کی اس نئی تحقیق کا ہے کہ ویڈیو تصویر کو چونکہ قرار و بقاء نہیں اس لئے یہ تصویر نہیں، اس سے وہ افراد جو ٹی وی وغیرہ کو ناجائز سمجھ کر اس سے گریزاں و ترساں تھے، ان کو اس گنجائش سے کھلی چھوٹ مل گئی اور وہ جائز و منکرات سے پاک مناظر کو دیکھنے کے بہانے رفتہ رفتہ ہر غلط پروگرام، رقص و سرود اور عریانی و فحاشی کے مناظر دیکھنے میں مبتلا ہو رہے ہیں، اس کا محض امکان نہیں بلکہ وقوع ہے کہ بعض بظاہر دیندار لوگوں نے مسلمانوں کی مظلومیت اور جہاد کے مناظر دیکھنے دکھانے کے بہانے ٹی وی اور وی سی آر خریدا اور پھر ہر فحش ڈرامہ اور فلم دیکھنے کے عادی ہو گئے، اس طرح نوجوان نسل دنیا و آخرت کی تباہی کا شکار ہو رہی ہے اور بعض مخلص دینی جماعتوں اور جہادی تنظیموں سے منسلک نوجوان اپنے اندر دین و جہاد کا جذبہ پیدا کرنے کی بجائے بے راہ روی اور غلط روش کا شکار ہو رہے ہیں، جس سے دین و جہاد کو سخت نقصان پہنچ رہا ہے۔ اللّٰھم انا نعوذ بک من شرور الفتن ما ظھر منھا وما بطن، انت العاصم ولا ملجأ ولا منجأ منک الا الیک، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۰ جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ

کھانے سے پہلے نمک چکھنا:

سوال: کھانے کی ابتداء و انتہاء میں نمک چکھنا سنت ہے یا نہیں؟ اگر مسنون یا مستحب نہیں تو شامیہ، احیاء العلوم اور دیگر کتب معتبرہ میں کھانے کے آداب میں کیوں لکھا ہے؟ اس کا کیا جواب ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

کھانے کی ابتداء و انتہاء میں نمک چکھنے کے بارے میں جو اقوال کتب متداولہ میں مذکور ہیں وہ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں، اس بارے میں جتنی بھی احادیث ہیں سب موضوع ہیں۔ لہٰذا ابتداء و انتہاء طعام بالملح کو سنت قرار دینا تسامح ہے۔

فی حاشیة فردوس الاخبار سید ادامکم الملح وفی اسنادہ عیسی بن ابی عیسی متروک کما فی التقریب لابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ وقال الذهبی فی ترجمة عیسی ضعفہ احمد وغیرہ وقال الفلاس والنسائی متروک (فردوس الاخبار ص۴۶۳ ج۲)

وقال العلامة السیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ: حدیث یا علی علیك بالملح فانہ شفاء من سبعین داء الجذام والبرص والجنون لا یصح والمتهم بہ عبد اللہ بن احمد بن عامر او ابوہ فانهما یرویان نسخة عن اهل البیت کلها باطلة (اللآلی المصنوعة ص۲۱۱ ج۲)

وقال الملا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ: ومنها وصایا علی کلها موضوعة سوی الحدیث الاول وهو یا علی انت منی بمنزلة هارون من موسی غیر انہ لا نبی بعدی قال الصنعانی ومنها وصایا علی کلها التی اولها یا علی لفلان ثلاث علامات (الاسرار المرفوعة ص۳۸۸)

وقال العلامة الشوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ: حدیث یا علی علیك بالملح فانہ شفاء من سبعین داء هو موضوع (الفوائد المجموعة ص۱۶۱)

وفی التعلیقات علی الکشف الالٰهی: علیکم بالملح فانہ شفاء من سبعین داء منه الجنون والجذام والبرص قال العجلونی ولعلہ موضوع ونص ابن القیم علی انہ موضوع (الکشف الالٰهی ص۳۹۲ ج۱)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

غرۂ رجب سنہ ۱۴۱۷ھ

مشغول لوگوں کے قریب تلاوتِ قرآن:

سؤال: کوئی خارجِ صلوٰۃ تلاوت کر رہا ہے تو اس کا سننا فرض عین ہے یا فرض کفایہ؟ بعض اوقات دورانِ تلاوت لوگ کام میں مشغول ہوتے ہیں

اگر وہ کام چھوڑ کر تلاوت سنتے ہیں تو کاموں کا حرج ہوتا ہے، ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اس بارے میں حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے اقوال مختلف ہیں، وجوب ارجح و احوط ہے اور عدم وجوب اوسع و ایسر، بوقت ضرورت اس پر عمل کرنا جائز ہے۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: في شرح المنية والاصل ان الاستماع للقرآن فرض كفاية لانه لاقامة حقه بأن يكون ملتفتا اليه غير مضيع فذلك يحصل بانصات البعض كما في رد السلام حين كان لرعاية حق المسلم كفى فيه البعض عن الكل (رد المحتار ص۳۶۶ ج ۱)

قال القاضي ثناء الله الفاني فتي رحمه الله تعالى: اختلف العلماء في وجوب الاستماع والانصات على من هو خارج الصلوٰة يبلغه صوت من يقرأ القرآن في الصلوٰة اوخارجها قال البيضاوي: عامة العلماء على استحبابها خارج الصلوٰة، وقال ابن الهمام: وفي كلام اصحابنا ما يدل على وجوب الاستماع في الجهر بالقراءة مطلقاً قال في الخلاصه: رجل يكتب الفقه وبجنبه يقرأ القرآن فلا يمكنه استماع القرآن فالاثم على القارى، وعلى هذا لو قرأ على السطح في الليل جهراً والناس نيام يأثم، وهذا صريح في اطلاق الوجوب ولان العبرة لعموم اللفظ دون خصوص السبب، قلت وقد ثبت عنه صلى الله عليه وسلم انه كان يقرأ القرآن بالليل جهرا بحيث يسمع من وراء حجرته وربما يسمعه الجيران۔ روى الترمذي والنسائي وابن ماجة عن ام هاني قالت كنت اسمع قراءة النبي صلى الله عليه وسلم بالليل وانا على عريشي۔

وروى ابو داود والترمذي عن ابن عباس قال كان قراءة النبي صلى الله عليه وسلم على قدر ما يسمعه من في الحجرة وهو في البيت ..... وروى البخاري في الصحيح عن عائشة قالت كنت انام بين يدي النبي صلى الله عليه وسلم ورجلاي في قبلته فاذا سجد غمزني فقبضت رجليّ فاذا قام بسطتها قالت والبيوت يومئذ ليس فيها مصابيح۔ وكان اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرءون القرآن بالليل والنهار رافعي اصواتهم من غير نكير۔ وروى مسلم عن ابي موسى الاشعري ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال له لقد رأيتني وانا اسمع لقراءتك البارحة

وفی الصحیحین عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی لاعرف اصوات رفقۃ الاشعریین حین یرحلون واعرف منازلھم من اصواتھم بالقرآن باللیل وان کنت لم ار منازلھم حین نزلوا بالنہار، ولاشک ان بعض الناس فی العسکر کانوا نیاما وقت قراءۃ الاشعریین..... فھذہ الاحادیث تدل علی فساد ما افتی بہ صاحب الخلاصۃ واخرج ابن مردویہ فی تفسیرہ قال ثنا ابواسامۃ عن سفیان عن ابی المقدام ھشام بن زید عن معاویۃ ابن قرۃ قال سألت بعض مشایخنا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احسبہ قال عبد اللہ بن مغفل: کل من سمع القرآن وجب علیہ الاستماع والانصات قال انما نزلت ھذہ الآیۃ اذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا فی القراءۃ خلف الامام۔

قلت: واللام فی قولہ تعالی اذا قری القرآن للعھد دون الجنس والمراد بہ القرآن المقرو لاستماعکم کالامام یقرأ حتی یسمع من خلفہ والخطیب یقرأ للتخاطب والمقری یقرأ علی التلمیذ واللہ اعلم. (التفسیر المظھری ص۲۵۱ ج ۳) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۸ رجمادی الثانیہ ۱۴۱۸ھ

مدت ختم قرآن:

سؤال: قرآن مجید کی تلاوت مستحب ہے یا واجب؟ نیز کتنے دن میں ختم کرنا مستحب یا واجب ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

تلاوت قرآن مستحب ہے، مدت ختم میں مختلف اقوال ہیں، معتدل و راجح قول ایک مہینے کا ہے۔

قال العلامۃ الحلبی رحمہ اللہ تعالی: قیل الاولی ان یختم القرآن فی کل اربعین یوما وقیل ینبغی ان یختمہ فی السنۃ مرتین روی عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالی انہ قال من قرأ القرآن فی السنۃ مرتین فقد قضی حقہ وقیل اذا اراد ان یقضی حقہ فلیختم فی کل اسبوع وقیل فی کل شھر مرۃ وبہ افتی ابو عصمۃ رحمہ اللہ تعالی (حلبی کبیر ص۴۹۶)

وقال العلامۃ الانصاری رحمہ اللہ تعالی: وینبغی لحامل القرآن ان

یختم فی کل اربعین یوما، وفی السراجیۃ : ینبغی لہ ان یکون فی کل سنۃ ختمان، وفی الیتیمۃ : سئل عمر الحافظ عن الھروی عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ ان من قرأ القراٰن فی السنۃ مرتین فقد قضی حقہ ان المراد بہ فی سنۃ فی عمرہ ام فی کل سنۃ؟ فقال : بل فی کل سنۃ - واختلف مشایخنا رحمہم اللہ تعالیٰ فی قارئ القراٰن اذا اراد ان یقضی حق الواجب بقراءتہ، قال بعضہم : یختم کل اسبوع ، وقال الحسن بن زیاد رحمہ اللہ تعالیٰ : فی کل سنۃ مرتین ، والاحسن فیہ ان یقال : الختم فی کل شہر مرۃ ، وبہ افتی ابوعصمۃ رحمہ اللہ تعالیٰ (الفتاوی التتارخانیۃ ص۵۰۲ ج۱)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۸ جمادی الثانیۃ ۱۴۱۸ھ

الآمرون بالمعروف والناهون عن المنكر والحافظون لحدود الله (۹:۱۱۲)
نیک باتوں کا حکم دینے والے اور بری باتوں سے باز رکھنے والے اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے
تبلیغ
کی
شرعی
حیثیت
اور حدود
ادائے فریضۂ تبلیغ دین میں افراط و تفریط کے
درمیان راہ اعتدال و صراط مستقیم کی وضاحت
مکتبۂ فاروق

تبلیغ کی شرعی حیثیت
اور
حدود

یہ رسالہ درحقیقت اس زمانہ کی ایک بہت
اہم ضرورت پر
فقیہ العصر حضرت اقدس دامت برکاتہم
کے ایک نہایت مؤثر وعظ کا خلاصہ ہے،
جو عرصہ سے مستقل رسالہ کی صورت میں شائع
ہوتا چلا آرہا ہے، اور اسلام میں افراط وتفریط
کے دورِ حاضر میں طالبین صراط مستقیم کے لئے
مشعل راہ وھدی للمتقین کا کام دے رہا ہے۔
چونکہ یہ فتوی کی حیثیت سے بھی بہت اہمیت
رکھتا ہے بالخصوص علماء وطلبہ کے لئے بہت
مضبوط اور نہایت قوی سند ہے اس لئے
اب اس کو "احسن الفتاوی" کا بھی جزء
بنادیا ہے۔

اشاریہ

فرض تبلیغ کی ۲ دو قسمیں :

جو تبلیغ فرض ہے اس کی ۲ دو قسمیں ہیں :

(۱) فرض عین

(۲) فرض کفایہ

(۱) فرض عین :

جو تبلیغ ہر مسلمان مرد و عورت پر اس طرح فرض ہے جس طرح نماز، روزہ فرض ہے، خواہ اس شخص کا تعلق تبلیغ کا کام کرنے والی کسی جماعت سے ہو یا نہ ہو، اس کا حکم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف ہر ایک کے لئے ارشاد فرمایا ہے :

مَنْ رَّاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ وَذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ ۔

"تم میں سے جو کوئی کسی بُرائی کو دیکھے اس پر لازم ہے کہ اس بُرائی کو اپنے ہاتھ سے مٹائے ۔ اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو اپنی زبان سے روکے ، اگر اسکی استطاعت نہ ہو تو اپنے دل سے اس برائی کو مٹائے یعنی بوقت استطاعت مٹانے کا عزم رکھے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے ۔"

اگر کوئی یہ فرض ادا کرنے میں کوتاہی کریگا تو گویا اسکے اندر ایمان ہی نہیں ہے ۔

اس حدیث میں استطاعت کی ترتیب کا ذکر ہے ، جب منکر اور گناہ سے روکنے کی استطاعت ہو تو اسے استعمال کرنے میں یہ ترتیب ہے کہ گناہ کا کام کرنے والے کو پہلے زبان سے روکا جائے ، پھر زبان سے روکنے میں بھی یہ تفصیل ہے کہ پہلے نرمی سے سمجھایا جائے ، اگر نرمی سے کہنے سے گناہ چھوڑ دے تو سختی اور غصہ سے کام لینا جائز نہیں ۔ نرمی سے کام نہ چلے تو سختی سے کہا جائے ۔ اگر سختی سے کہنے سے کوئی باز نہیں آتا تو ہاتھ استعمال کرے ، اس میں بھی یہی تفصیل ہے کہ بقدر ضرورت ہی ہاتھ استعمال کیا جائے، مثلاً ایک تھپّڑ سے کام چل سکتا ہے تو دوسرا تھپڑ لگانا جائز نہیں ۔ غرضیکہ جس طرح بھی ممکن ہو گناہ کو مٹا کر چھوڑنا ہے ۔

یہ بات مسلمان کی شان کیخلاف ہے کہ وہ کسی گناہ کو دیکھ کر صبر کر لے ۔ اگر گناہ کے مٹانے میں ذرا سی بھی غفلت کی تو وہ اس حدیث کی رو سے مسلمان ہی نہیں ہے ۔

اگر زبان یا ہاتھ کے استعمال کرنے میں کسی ناقابلِ برداشت فتنہ کا اندیشہ ہو تو زبان یا ہاتھ کا استعمال کرنا جائز نہیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

لیکن اس کے باوجود اس بات کا خوب استحضار رکھنا کہ "اگر مجھے قدرت ہوتی تو میں اس گناہ کو مٹا کر چھوڑتا"۔ اور یہ پختہ عزم رکھنا کہ "آیندہ جب بھی قدرت ہوئی اسے مٹا کر چھوڑوں گا" فرض ہے، فان لم یستطع فبقلبہ کا یہی مطلب ہے۔ حدیث کے اس جملہ کا مطلب سمجھنے میں بہت سے مولوی بھی غلط فہمی کا شکار ہیں۔ وہ اس حدیث کا یہی مطلب سمجھتے اور بیان کرتے رہتے ہیں کہ "دل میں بُرا سمجھتا رہے"۔ دل میں بُرا سمجھنا تو بڑی آسان سی بات ہے۔ حدیث کے الفاظ میں غور کیا جائے کہ فبقلبہ کا تعلق فلیغیرہ کے ساتھ ہے یعنی اپنے دل کے ذریعہ مٹائے، اور دل سے مٹانا اسی وقت پایا جائے گا جب اس بات کا عزم رکھے گا کہ "قدرت ملنے پر اس گناہ کو مٹا کر چھوڑونگا"

ایک دوسری حدیث سے بھی جس کی تفصیل آیندہ بیان کروں گا اس مطلب کی تائید ہوتی ہے۔ جو شخص کسی بُرائی کو دیکھ کر ہاتھ یا زبان سے مٹانے کی قدرت نہ ہونے کی صورت میں بار بار اپنے دل میں بوقت قدرت اس کے مٹانے کا پختہ عزم نہیں کریگا وہ بہت بڑا مجرم اور سخت گنہگار ہوگا، اللہ کے عذاب سے نہیں بچ سکے گا، یہ نہی عن المنکر ہے وہ تبلیغ جو فرض عین ہے، آج تو لوگوں نے اسلام کو بہت میٹھا بنا رکھا ہے بس لوگوں کو میٹھی میٹھی باتیں بتادیں اور ہوگئے ساری دنیا کے مبلّغ۔

گناہوں سے روکنے کے لئے کسی کو سزا دینا ہر ایک کیلئے جائز نہیں:

اس حدیث میں جس مسئلہ کا حکم بیان کیا گیا ہے اسے اصطلاحِ شریعت میں "تغییر منکر" کہا جاتا ہے جو ہر مسلمان پر بقدر استطاعت فرض ہے۔

ایک دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی گناہ کا ارتکاب کرے مثلاً ڈاڑھی کٹائے یا منڈائے یا کوئی عورت بے پردہ گھر سے باہر نکلے تو اسے ایسی عبرتناک سزا دی جائے کہ آیندہ کسی کو ایسی حرکت کرنے کی ہمّت نہ ہو، شرعی اصطلاح میں اسے "تعزیر" کہا جاتا ہے۔ ایسی سزا دینا ہر مسلمان کے لئے جائز نہیں بلکہ یہ صرف حکومت کا کام ہے۔

تبلیغ کی شرعی حیثیت اور حدود ـــــ ۵

لیکن آج کی حکومت ایسے گناہوں پر سزا تو کیا دیتی، ایسے گناہوں سے بچنے والوں کو سزا دیتی ہے۔ اسی طرح آپ نے کسی شخص کو کوئی گناہ کرتے دیکھا، آپ کے منع کرنے سے اس نے وہ گناہ چھوڑ دیا، آپ کو یقین ہے کہ وہ آپ کے چلے جانے کے بعد پھر گناہ کریگا، ایسی صورت میں آپکے لئے جائز نہیں کہ آیندہ کے لئے اسے گناہ سے روکنے کی خاطر اسے سزا دیں۔ اس لئے کہ آپ پر "تغییر منکر" یعنی گناہ کو مٹانا فرض تھا وہ حاصل ہوگیا۔

البتہ والدین اپنی نابالغ اولاد کو، شوہر بیوی کو، اُستاذ شاگرد کو اور پیر مریدوں کو حدود شرع کی پابندی کرتے ہوئے مناسب سزا دے سکتا ہے۔ اس میں نیت صحیح ہونا ضروری ہے، اللہ کی رضا مقصود ہو، ایسا نہ ہو کہ غصہ تو اپنی کسی ذاتی غرض سے آیا اور شریعت کا بہانہ بناکر انتقام لینا شروع کردیا۔

ان لوگوں یعنی والدین، شوہر، استاذ اور پیر کے سوا کسی دوسرے کے لئے یہ جائز نہیں کہ کسی کو ایسی سزا دے، شریعت کا حکم یہ ہے کہ ایسے مجرموں کو حکومت سے سزا دلائی جائے، البتہ حکومت اپنا یہ فرض ادا نہ کرے تو دوسرے لوگ بھی تعزیر لگا سکتے ہیں بشرطیکہ کسی بڑے فتنے کا خطرہ نہ ہو۔

نہی عن المنکر کی اہمیت اور اسکے ترک پر وعیدیں:

چونکہ نہی عن المنکر بہت مشکل بھی ہے اور بہت اہم بھی، اس لئے اس کے ترک پر بہت سی وعیدیں وارد ہوئی ہیں، ان سے متعلق چند آیتیں اور حدیثیں سُن لیں:

① وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝

"زمانہ شاہد ہے کہ بیشک انسان خسارے میں ہے مگر جو ایمان لایا، نیک اعمال کئے، حق بات کی ایک دوسرے کو وصیت کرتے رہے اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتے رہے۔"

اللہ تعالیٰ کے عذاب اور خسارے سے بچنے کے لئے انسان کو چار کام کرنے پڑیں گے:

① عقائد صحیح رکھنا۔

② نیک اعمال اختیار کرنا

③ ایک دوسرے کو حق کی وصیت کرنا

④ ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کرنا

① عقائد صحیح رکھنا :

تمام عقائد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے مطابق ہوں ان میں سے اگر ایک عقیدہ بھی غلط ہوا تو اللہ کے عذاب سے نہیں بچ سکیں گے۔

② نیک اعمال اختیار کرنا :

نیک اعمال کا یہ مطلب نہیں کہ تسبیحات زیادہ ہوں، نمازیں لمبی لمبی ہوں، تہجد، اشراق اور چاشت وغیرہ نفل نمازوں اور نفل روزوں، نفل حج، عمرے اور صدقات خیرات وغیرہ کی بہت پابندی ہو، بلکہ نیکی کی بنیاد اور روح گناہوں کو چھوڑنا ہے تفصیل کے ساتھ یہ بیان وعظ "ترکِ گناہ" اور "ترک منکرات" میں چھپ چکا ہے۔

③ ایک دوسرے کو حق کی وصیت کرنا :

عقائد صحیحہ کی ایک دوسرے کو تبلیغ کرتے رہنا۔

④ ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کرنا :

ایک دوسرے کو اعمال صالحہ یعنی گناہوں سے بچنے اور نفسانی تقاضوں کے وقت صبر کی تلقین کرتے رہنا۔

نظر بدنظری کا تقاضا کر رہی ہو، زبان غیبت یا فضول گوئی اور لایعنی باتوں کا تقاضا کر رہی ہو تو ایسے مواقع پر ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کیا کریں۔

مذکورہ چاروں کاموں میں سے اگر کسی ایک کام میں بھی کوتاہی یا غفلت ہوئی تو انسان دنیا و آخرت کے خسارے سے نہیں بچ سکے گا۔

② لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ عَلٰي لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ط لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ (۵-۷۸، ۷۹)

"بنی اسرائیل میں جو لوگ کافر تھے ان پر لعنت کی گئی تھی داؤد اور عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کی زبان سے، یہ لعنت اس سبب سے ہوئی کہ انھوں نے حکم کی

مخالفت کی اور حد سے نکل گئے۔ جو بُرا کام انھوں نے کر رکھا تھا اس سے باز نہیں آتے تھے، واقعی ان کا فعل بیشک بُرا تھا۔"

اس آیت کے شانِ نزول میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

علماء بنی اسرائیل شروع میں لوگوں کو گناہوں سے روکتے، تبلیغ کرتے اور اللہ سے ڈراتے رہتے تھے، مگر جب وہ نہ مانے تو ان علماء نے انہی لوگوں کے ساتھ اُٹھنا، بیٹھنا، کھانا، پینا شروع کر دیا، گناہوں سے بیزاری ظاہر نہیں کی، ان علماء کی اس حرکت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر لعنت کی گئی۔

آج کے علماء اور دینداروں کی مداہنت پرستی:

آج کے علماء، مشائخ اور ظاہری دینداروں میں یہ وبا بہت تیزی سے پھیل رہی ہے۔ انھوں نے لوگوں کے سامنے اسلام کو ایسا ثابت کر دیا ہے کہ گویا ان کی یہ دینداری اسلام کی خاطر نہیں بلکہ اختلاف طبع و مزاج کی وجہ سے ہے جیسا کہ مقولہ مشہور ہے "پسند اپنی اپنی"۔ ایک شخص ڈاڑھی رکھے ہوئے ہے، لباس اسلام کے مطابق ہے، رہن سہن اور کھانے پینے کے تمام طور طریقے شریعت کے مطابق ہیں مگر جو لوگ ڈاڑھی منڈاتے یا کٹاتے ہیں، لباس ان کا کوٹ پتلون ہے میز کرسی پر کھاتے ہیں، ان کے ساتھ اس کی گہری دوستی ہے، ان کے ساتھ ہنسی، دل لگی کی باتیں کرتا رہتا ہے، ان کے یہاں آنا جانا بھی ہے، ان کی دعوتوں میں بھی شریک ہوتا ہے، اس طرح یہ شخص لوگوں کی نظروں میں یہ ثابت کرتا ہے:

"اس کا یہ طرزِ زندگی اسلام کی خاطر نہیں ہے بلکہ اپنی طبعی پسند کی وجہ سے ہے اسے ڈاڑھی پسند ہے تو دوسروں کو کلین شیو پسند ہے، سب اپنی اپنی جگہ ٹھیک ہے۔"

اس کا مزید نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ ایک ہی شخص ایک وقت میں ڈاڑھی رکھ لیتا ہے لباس اسلام کے مطابق پہن لیتا ہے، پھر وہی شخص دوسرے وقت میں ڈاڑھی منڈا کر کوٹ پتلون پہن لیتا ہے۔ اس کے اس عمل سے دوسرے لوگوں کو اور آنے والی نئی نسلوں کو اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ اسلام مسلمانوں کو کسی خاص قسم کے طرز زندگی کے مطابق زندگی گزارنے کی آزادی دیتا ہے۔

اگر آپ لوگوں کے گناہ دیکھ کر بھی ان کے ساتھ گھُلے ملے رہتے ہیں اور اس طرح اپنے عمل سے یہ ثابت کر دیتے ہیں کہ ہمیں آپ کے گناہوں سے کوئی نفرت نہیں تو آپ کی یہ دینداری اللہ کے لئے نہیں ہے، اگر اللہ کے لئے ہوتی تو لوگوں کے گناہ دیکھ کر ان سے بیزاری کا اظہار کرتے۔ گناہوں کو دیکھ کر ان سے بیزاری کا اظہار نہ کرنے والوں پر بھی اللہ کا عذاب اسی طرح آئے گا جیسا کہ بنی اسرائیل کے علماء پر آیا۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ گنہگاروں کے ساتھ بدخلقی سے پیش آئیں، انہیں حقیر و ذلیل سمجھیں، دین کی طرف راغب کرنے اور دینی دعوت دینے کی غرض سے تو ان کے ساتھ خوش اخلاقی ہی سے پیش آنا چاہئے۔

یہ مطلب بھی نہیں کہ جن لوگوں کے ساتھ مختلف ضرورتوں کی وجہ سے میل جول رکھنا پڑتا ہے ان سے میل جول ختم کر دیں۔ مقصد یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے گناہوں کو دیکھ کر آپ ان کے سامنے اپنی بیزاری کا اظہار نہیں کر سکتے ہیں تو اللہ کے عذاب سے بچنے کے لئے اتنا تو کر سکتے ہیں کہ ایسے شخص پر نظر پڑتے ہی فوراً اس کے لئے دُعاء کریں یا کم از کم چوبیس گھنٹے میں ایک وقت متعین کر کے اس میں تمام گنہگاروں کے لئے دعاء کر لیا کریں۔ ایسا کرنے سے اللہ کے عذاب سے بچنے کے علاوہ یہ فائدے بھی حاصل ہوں گے:

① ایک مسلمان بھائی کا حق ادا ہو گا۔ کسی کو تکلیف میں مبتلا دیکھ کر اس کے لئے دُعاء کرنا اس کا حق ہے۔ ایک مسلمان گناہوں میں مبتلا ہو اس سے بڑی تکلیف کیا ہو سکتی ہے؟

② آپ میں عجب و کبر پیدا نہیں ہو گا کہ ہم تو ایسے متقی ہیں اور یہ گنہگار ہیں، دعاء کے ساتھ عجب کا علاج بھی ہو گیا۔

③ دل میں گنہگاروں سے نفرت اور ان کی تحقیر پیدا نہیں ہو گی۔

④ گناہوں کی برائی کا استحضار اور ان سے بچنے کے اہتمام میں اضافہ ہو گا جب دوسروں کو بچانے کے لئے دُعاء کریں گے تو لازماً اپنے کو بچانے کے لئے اس سے زیادہ دُعاء اور اہتمام کریں گے۔

بے دینوں کے ساتھ محبت رکھنے کا عذاب:

تبلیغ کی شرعی حیثیت اور حدود ــــ ۹

بہت سے لوگوں کو فساق و فجار سے نفرت ہونے کی بجائے ان کی بہت سی باتیں انھیں اچھی لگتی ہیں۔

ایک شخص نے کہا :

"انگریز بہت ہنس مکھ اور خوش مزاج ہوتے ہیں اور یہ علماء اور بزرگ حضرات خشک مزاج ہوتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ انگریزوں کی خوش مزاجی ان کی زبان کا اثر ہے۔" ایسی باتیں اور بھی بہت سے لوگ کہدیتے ہیں اسلئے اسکے جوابات سن لیں :

① مسلمان ہر کام میں اپنے اللہ کے قانون کا پابند ہوتا ہے۔ وہ کوئی کام بھی قانون کے خلاف نہیں کرسکتا کہ جیسا دل میں آیا کرلیا، ہر وقت ڈرتا رہتا ہے کہ کہیں کوئی ایسی بات یا حرکت نہ ہوجائے جس سے میرا مالک ناراض ہوجائے۔

انگریز بالکل آزاد ہیں جیسا دل میں آیا کرلیا، اس سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ بڑے خوش مزاج ہیں۔

جو شخص قانون کا پابند ہوگا وہ خوش مزاج ہو ہی نہیں سکتا، اگر خوش مزاجی کی کوئی بات کریگا بھی تو قانون کا پابند رہ کر، سوچ سمجھ کر، موقع محل دیکھ کر اور اللہ کی رضا کے لئے کریگا، آزادی سے بلا سوچے سمجھے، بے موقع و محل اور مخلوق کی رضا کے لئے نہیں کرے گا۔

② اللہ تعالیٰ کا حکم ہے :

"اللہ کے باغیوں اور مجرموں کے سامنے ان کے گناہوں سے بیزاری کا اظہار کرو۔"

اللہ والے اللہ کے اس قانون کی پابندی کرتے ہیں، اس لئے اللہ کے باغیوں اور مجرموں کے ساتھ زیادہ خوش مزاجی نہیں کرتے ہیں۔

اور انگریز جب خود ہی اللہ تعالیٰ کے باغی ہیں تو وہ دوسرے باغیوں سے نفرت کیا کریں گے بلکہ محبت ہی کریں گے، اسی لئے وہ ہر ایک سے خوش مزاجی سے پیش آتے ہیں۔

ان ۲ دو وجہوں سے معلوم ہوا کہ انگریزوں کی خوش مزاجی کی یہ خوبی اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے، البتہ بہت سی باتیں غیر مسلم اقوام میں ایسی ہوتی ہیں جن میں واقعۃً خوبی ہوتی ہے، جیسے نظم اوقات، پابندئ وقت، سلیقہ مندی وغیرہ، انکے بارے

میں یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ یہ باتیں دراصل اسلامی تعلیمات ہیں، مسلمانوں نے ان پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے اور کفار ان پر عمل کرکے دنیوی ترقی حاصل کر رہے ہیں۔ ایسی خوبیوں کو یہ سوچ کر حاصل کرنے کی کوشش کریں کہ یہ ہم نے کھو دی تھیں دوسروں کے پاس دیکھ کر یاد آگئیں کہ یہ تو ہمارے اپنے گھر کی ہیں۔

غیر قوموں میں بعض باتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو عقلاً و شرعاً صحیح نہیں ہوتیں مگر بعض لوگوں کو طبعًا پسند آتی ہیں، ایسی باتوں کی طرف طبیعت کا مائل ہونا بہت ہی خطرناک ہے، جو انسان کو کفر تک لیجا سکتا ہے۔

بعض باتیں غیر قوموں میں غیر اختیاری ہوتی ہیں، مثلاً جسمانی ساخت، خوشرنگ، لمبا قد، قوت، شجاعت وغیرہ، اگر ان چیزوں کی وجہ سے ان کی طرف طبیعت مائل ہوتی ہے اور ان کی محبت دل میں پیدا ہوتی ہے تو یہ بھی خطرہ سے خالی نہیں، اسلئے کہ یہ بات سب کے نزدیک مسلّم ہے:

"جس کے ساتھ عداوت اور دشمنی ہوتی ہے اس کی خوبیاں اور کمالات بھی بُرے لگتے ہیں، اور جس کے ساتھ محبت ہوتی ہے اسکی بُری باتیں بھی اچھی لگتی ہیں۔"

آپ کے سامنے اگر کوئی آپ کے کسی دشمن کی خوبیاں بیان کرنا شروع کردے تو آپ کو کتنی ناگواری ہوتی ہے، آپ تو اس کا نام سُننا بھی پسند نہیں کرتے، پھر اللہ کے اتنے بڑے دشمنوں اور باغیوں کی غیر اختیاری خوبیوں کو دیکھ کر اگر آپ متأثر ہوجاتے ہیں تو یہ اس کی دلیل ہے کہ آپ کو اللہ کے دشمنوں سے محبت ہے، پھر انجام بھی اللہ کے دشمنوں کے ساتھ ہی ہوگا۔

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ:

"انسان کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جسکے ساتھ اسنے دنیا میں محبت کی۔"

کسی میں کوئی خوبی نظر آئے تو یہ دیکھیں کہ یہ شخص مسلمان اور دیندار ہے یا نہیں، اگر مسلمان ہے اور دیندار ہے تو سب کچھ ہے۔

مذکورہ تینوں باتوں سے بچنے کی کوشش کریں ورنہ ایمان خطرے میں پڑجاتا ہے۔

اپنی اصلاح کیسے کریں؟

اوّلاً یہ سوچیں کہ اللہ تعالیٰ کو جن کے ساتھ محبت ہمیں بھی انہی کے ساتھ محبت

اور اللہ کے نزدیک جو مبغوض ہیں ہمارے نزدیک بھی مبغوض۔

دوسرا علاج یہ کہ اگر غیر اختیاری طور پر انکی کوئی خوبی سامنے آئے یا کوئی آپکے سامنے بیان کرے تو اسکی طرف متوجہ ہونے کی بجائے بتکلّف یوں رد کرنے کی کوشش کیا کریں:

"جو لوگ اللہ کے باغی ہوتے ہیں ان میں کوئی کمال ہو ہی نہیں سکتا، کسی کا ظاہر اچھا ہونے سے ضروری نہیں کہ اس کا باطن بھی اچھا ہو۔ سانپ کا ظاہر کتنا اچھا اور خوبصورت ہوتا ہے لیکن اندر زہر بھرا ہوتا ہے۔"

آپ کفر کی جتنی برائیاں بیان کریں گے اتنی ہی کفر سے نفرت بڑھے گی اور جتنی کفر سے نفرت بڑھے گی اتنی ہی اسلام سے محبت بڑھے گی۔

اگر بتکلف ان کی برائیاں سوچنے اور بیان کرنے کی بجائے ان کی خوبیوں کو سوچیں گے یا سنیں گے یا کسی کو بتائیں گے تو ان سے محبت بڑھیگی جو بالآخر کفر تک لیجائے گی۔

خلاصہ یہ کہ فساق و فجار سے خوش مزاجی سے پیش آنا یا محبت کرنا اور دوستانہ تعلق رکھنا تو درکنار ان کے فسق و کفر سے نفرت ظاہر کرنا فرض ہے اور ان کے فسق و کفر کے مٹانے کی ادنیٰ سی کوشش سے بھی غفلت کرنا، یعنی دل میں انکے مٹانے کا پختہ عزم نہ رکھنا بہت بڑا جرم اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت دینا ہے

بنی اسرائیل پر نہی عن المنکر ترک کرنے کی وجہ سے یہ عذاب آیا کہ انھیں بندر اور خنزیر بنا دیا گیا تھا۔ اسی طرح حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: والذی نفس محمد بیدہ لیخرجن عن امتی اناس من قبورھم فی صورۃ القردۃ والخنازیر داھنوا اھل المعاصی سکتوا عن نھیھم وھم یستطیعون" (رواہ)

"اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، میری امت کے بہت سے لوگ اپنی قبروں سے بندر اور خنزیر کی صورت میں نکلیں گے اس وجہ سے کہ انھوں نے گناہ کرنے والوں کے ساتھ مداہنت سے کام لیا اور قدرت ہونے کے باوجود انھیں گناہوں سے نہیں روکا۔"

(۳) وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً (۸ : ۲۵)

اللہ کے عذاب سے ڈرو جو دنیا میں پھیل جانے والا ہے، اگر کوئی کہے کہ

باهلها فقال یا رب ان فیهم عبدك فلانا لم یعصك طرفة عین قال فقال قلب علیه وعلیهم فان وجهه لم یتمعر فی ساعة قط (بیهقی شعب الایمان)

اللہ تعالیٰ عزّوجل نے جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا:
"فلاں فلاں شہر کو ان کے رہنے والوں پر الٹ دو۔"
انھوں نے کہا:
"اے میرے رب! ان لوگوں میں تیرا ایک فلاں بندہ ایسا ہے جس نے پلک جھپکنے بھر بھی تیری نافرمانی نہیں کی۔"
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا:
"اس پر بھی اور دوسرے لوگوں پر بھی اس شہر کو اُلٹ دو، اس لئے کہ لوگوں کے گناہ دیکھ کر میری خاطر کبھی بھی اس کے چہرے پر بل نہیں پڑا۔"
اتنا بڑا عابد اور زاہد جو ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتا تھا اور ذرا سی دیر کے لئے بھی اس نے اللہ تعالیٰ کی کوئی نافرمانی نہیں کی، لیکن چونکہ اسے لوگوں کے گناہ دیکھ کر ذرا بھی رنج وغم نہیں ہوتا تھا اور نہ ہی اس نے برائیوں کو مٹانے کی سب سے آخری کوشش یعنی دل میں مٹانے کا عزم کیا، جس کا ظہور گناہوں کو دیکھ کر بیزاری کا اظہار کرنے سے ہوتا ہے اس لئے اس کی عبادت اور ریاضت اسے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہ بچا سکی۔

(۳) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
ما من رجل یکون فی قوم یعمل فیهم بالمعاصی یقدرون علی ان یغیروا علیه ولا یغیرون الا اصابهم الله بعقاب قبل ان یموتوا (ابوداؤد)
"اگر کسی قوم کا کوئی فرد گناہ کرتا ہو اور اس قوم کے دوسرے افراد اسکو روکنے کی قدرت بھی رکھتے ہوں اس کے باوجود وہ اسے گناہوں سے نہیں روکتے تو اللہ تعالیٰ ان کے مرنے سے پہلے ان پر عذاب بھیجیگا۔"

نہی عن المنکر میں حفظِ حدود اللہ:

نہی عن المنکر کی اہمیت میں اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا:
اَلْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ (۹: ۱۱۲)

”نیک باتوں کا حکم دینے والے اور بُری باتوں سے باز رکھنے اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے“۔

جو لوگ نہی عن المنکر کرتے ہیں وہ حدود اللہ کی حفاظت بھی کرتے ہیں۔ حدود اللہ کی حفاظت کیسے ؟

اوّلاً تو نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرکے ہی حدود اللہ کی حفاظت کی اس لئے کہ جو لوگ برائیوں کو دیکھ کر اسے مٹانے کی کوشش نہیں کرتے وہ حدود اللہ کو توڑ رہے ہیں۔

دوسری صورت حدود اللہ کی حفاظت کی یہ کہ برائیوں کو روکتے ہوئے دل میں یہ خیال نہ آئے۔

”میں نے بہت بڑا کام کرلیا اور میں بہت بڑا مجاہد ہوں“۔

بلکہ نظر اللہ تعالیٰ پر رہے کہ میرا اللہ مجھ سے کام لے رہا ہے۔ اگر نظر اپنے کمال پر چلی گئی تو ساری کوششیں رائیگاں گئیں، ایسا کام اللہ کے لئے نہیں ہوتا بلکہ اپنے نفس کے لئے ہوتا ہے۔

اگر کبھی کسی بُرائی سے روکتے ہوئے درمیان میں نفسانیت کا کوئی خیال آجائے تو اپنا کام نہ چھوڑیں بلکہ اگر اسی موقع پر تنبّہ ہوجائے تو استغفار کرکے نیت خالص کرلیں اور اگر بروقت تنبّہ نہ ہو تو بعد میں جب تنبّہ ہو فوراً استغفار کریں، نفس کا محاسبہ جاری رکھیں۔

تیسری صورت حفظِ حدود اللہ کی یہ ہے کہ کسی بُرائی کو روکتے ہوئے غصہ اتنا زیادہ نہ جاری کرے کہ حد سے تجاوز ہوجائے۔ مثال کے طور پر کسی کو گناہ سے روکنے کے لئے زبان سے کہنا، معمولی ڈانٹنا کافی ہو تو اسے بُرا بھلا کہنا یا اس پر ہاتھ اُٹھانا جائز نہیں ہے۔ غصہ صرف اتنا جاری کرے جس سے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہوجائے، دوسروں کو گناہوں سے روک دے۔ یوں سمجھے:

”جیسے کسی بھنگی کو کسی بہت بڑے بادشاہ نے اپنے سامنے یہ حکم دیدیا کہ میرے بیٹے کو سزا دو۔ اس بھنگی پر کیا گزرے گی ؟ اگر تعمیل حکم نہیں کرتا تو بھی خطرہ اور اگر کرتا ہے تو بھی بادشاہ کی ناگواری کا خطرہ کہ کہیں سزا میں زیادتی نہ ہوجائے یا شہزادے کی تحقیر نہ ہوجائے۔

اسی طرح جب کوئی کسی کو گناہ سے روکے تو یہ سمجھ لے کہ یہ اللہ کا بندہ ہے اور اللہ کو اپنے تمام بندوں سے محبت ہے کسی سے کم کسی سے زیادہ ، اسے گناہوں سے روکنے کا اللہ نے مجھے حکم دیا ہے لیکن اس حکم کی تعمیل میں اگر کہیں حد سے تجاوز ہو گیا تو میرا کیا بنے گا۔

بُرائیوں سے روکنے پر آنے والی مصیبتیں :

قرآن کریم میں ہر جگہ دوسروں کو نیکیوں کی تبلیغ کرنے کے ساتھ برائیوں سے روکنے کا حکم بھی ہے۔ فریضۂ تبلیغ جبھی ادا ہوگا کہ دونوں کام ہوں۔ نیکی کی تبلیغ کرنا آسان ہے برائیوں سے روکنا بہت مشکل کام ہے۔ اگر کوئی شخص لوگوں کو نماز پڑھنے کی تبلیغ کرے تو لوگ خواہ اسکی تبلیغ سے نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں بہر حال اسکی اس تبلیغ سے اس کے دشمن نہیں بنیں گے بلکہ اسکی تعریف کریں گے اور اسے شاباش بھی دیتے رہیں گے لیکن جہاں کہا، "ٹی وی مت دیکھو، گانا مت سنو، تصویر کی لعنت سے بچو، ڈاڑھی منڈانا اور کٹانا چھوڑ دو، آمدنی کے حرام ذرائع سے بچو، شریعت کے مطابق پردہ کرو۔"

تو پھر دیکھئے کہ سارے گھر والے، رشتہ دار اور سب محلے والے اس کے کیسے دشمن بن جاتے ہیں۔ اسی لئے حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو نصیحت فرمائی تھی جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نقل فرمایا ہے :

وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنكَرِ وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا أَصَابَكَ (۳۱ : ۱۷)

"اور اچھے کاموں کی نصیحت کیا کر اور بُرے کاموں سے منع کیا کر اور تجھ پر جو مصیبت واقع ہو اس پر صبر کیا کر۔"

نہی عن المنکر پر جو مصیبتیں آئیں گی اُن پر آپ کو صبر کرنا پڑیگا کیونکہ یہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کا حکم ہے، جیسے کفار کے ساتھ جہاد کرنا مشکل ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کا حکم ہونے کی وجہ سے فرض ہے اور جہاد کی تکالیف اور مشقتوں پر صبر کرنا ضروری ہے اسی طرح برائیوں سے روکنے میں بھی تکلیفیں ضرور پہنچیں گی، کہیں کم کہیں زیادہ کم از کم لوگ اتنا تو ضرور کہیں گے :

"اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے، پاگل، دقیانوس، پرانے خیالات کا اور

تنگ نظر ہے، دنیا میں رہنا نہیں جانتا، کہاں سے دُنیا میں آگیا، کہیں جنگل میں چلا جائے، اس کے پیچھے لگو گے تو دنیا تباہ ہو جائے گی، خود تو خراب ہوا ہمارے بچّوں کو بھی خراب کر رہا ہے۔"

یہ بھی ایک قسم کی اذیت اور تکلیف ہے۔ بلکہ اگر آپ لوگوں کی ان ایذاؤں کی وجہ سے نہی عن المنکر چھوڑ کر تنہائی اختیار کر کے صرف اپنے آپ کو گناہوں سے بچانے کی کوشش کریں گے تو بھی لوگ آپ کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے آپ کو اپنے ساتھ گناہوں میں شامل ہونے پر مجبور کریں گے۔ اور یہ قصہ آج کا نہیں ہے بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کے زمانے سے چلا آرہا ہے۔ مفسرین نے رہبانیت کی تاریخ میں لکھا ہے:

"اس کی ابتداء یوں ہوئی کہ جب لوگ برائیوں میں مبتلا ہونے لگے تو ان کے علماء اور صلحاء نے انھیں ان برائیوں سے روکنے کی کوشش کی مگر جب وہ لوگ برائیوں سے باز نہیں آئے تو انھوں نے سوچا کہ اب تو معاملہ ہماری قدرت سے باہر ہو گیا، ہم تو انھیں منع کر کے بری ء الذمّہ ہو گئے، چلیں اب اپنی ہی حفاظت کرتے ہیں، مگر ان لوگوں نے کہا کہ ہم تمہیں یوں آرام سے بیٹھنے نہیں دیں گے تمھیں ہمارے ساتھ گناہوں میں شامل ہونا پڑے گا۔ پھر بادشاہ کے پاس جا کر شکایت لگا دی کہ ان پاگلوں کو سمجھائیں اور مجبور کریں کہ یہ گناہوں میں ہمارا ساتھ دیا کریں ؎

رقیبوں نے رپٹ جا جا کے لکھوائی ہے تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

بادشاہ نے لوگوں کی شکایت سُن کر ان علماء اور صلحاء سے کہا کہ بہتر تو یہی ہے کہ تم لوگوں کے ساتھ گناہوں میں شامل ہوا کرو ورنہ شہر چھوڑ کر کہیں جنگل میں چلے جاؤ شہر میں رہنے کا تمھیں کوئی حق نہیں، شہر میں وہی رہ سکتا ہے جو گناہوں کی مجالس میں شامل ہوا کرے، ان لوگوں نے اپنے دین کی حفاظت کی خاطر شہر چھوڑ دیا اور جنگل میں جا کر رہنے لگے"۔ آجکل بھی اس قسم کے بہت سے واقعات پیش آرہے ہیں۔ اولاد نیک بننا چاہتی ہے لیکن ان کے والدین انھیں نیک بننے نہیں

دیتے۔ ایک لڑکے نے ڈاڑھی رکھ لی تو اس کے گھر والے اس سے کہتے ہیں:
"مسلمان بن کر رہنا ہے تو گھر میں رہو اور اگر مولوی بن کر رہنا ہے تو گھر سے نکل جاؤ۔" چونکہ لوگوں کو گناہوں سے روکنے کا جہاد بہت مشکل ہے اس لئے آج کل مولویوں اور مقرروں نے یہ طے کر رکھا ہے:
"تقریروں میں صرف میٹھی میٹھی باتیں بتائی جائیں ورنہ لوگ ناراض ہو کر چلے جائیں گے۔"

نہی عن المنکر کا صحیح اور مؤثر طریقہ:

جو لوگ آپ کے ماتحت اور زیرِ تسلّط ہیں جیسے بیوی، اولاد اور ملازم وغیرہ انہیں برائیوں سے روکنے کے لئے حدود اللہ کی پابندی کرتے ہوئے ہر ممکن کوشش کرنا فرض ہے، لیکن جو لوگ آپکے ماتحت نہیں انہیں گناہوں سے روکنا ہر ایک پر فرض نہیں بلکہ فرض کفایہ ہے، اور ایسے لوگوں کو گناہوں سے روکنے کے دو طریقے ہیں:

① خطاب خاص ② خطاب عام

① خطاب خاص:

اگر کوئی شخص ایسا ہو جس کے ساتھ آپ کی ایسی بے تکلفی ہو کہ اگر آپ اسے کسی گناہ میں مبتلا دیکھ کر اسے تنبیہ کریں تو اسے ناگواری نہ ہو بلکہ خوشی ہو اور آپ کی اس تنبیہ پر آپ کا احسان مند ہو تو ایسے شخص کو کسی گناہ میں مبتلا دیکھ کر خصوصی خطاب کے ذریعے گناہوں سے روکنا آپ پر فرض ہے۔

لیکن اگر کسی شخص کے ساتھ ایسی بے تکلفی نہ ہو یا اجنبی ہو تو ایسے شخص کو کسی گناہ میں مبتلا دیکھ کر خصوصی خطاب کے ذریعے گناہوں سے روکنے کی کوشش کبھی نہ کریں۔

اگر ایسا شخص بظاہر دیندار ہے تو آپ کی تبلیغ سے اسے ناگواری ہو گی اور اس کے دل میں آپ کے خلاف بغض اور کینہ پیدا ہو گا اور اپنے گناہوں کی غلط تاویلیں بھی کریگا۔

اور اگر ایسا شخص بظاہر دیندار نہیں لیکن دل میں دین اور دینداروں کی کچھ عظمت اور وقعت ہے تو آپ کی تبلیغ سے اسے بھی ناگواری تو ہو گی لیکن

دل میں دین کی تھوڑی سی عظمت ہونے کی وجہ سے زبان سے وہ کچھ نہیں کہے گا مگر اس کے دل سے دینداروں کی وقعت جاتی رہے گی اور وہ آیندہ دینداروں سے بچنے کی کوشش کریگا کہ یہ لوگ تو بات بات پر ٹوکتے رہتے ہیں۔

اور اگر کوئی شخص ایسا بے دین ہے کہ اس کے دل میں دین اور دینداروں کی کوئی عظمت اور وقعت نہیں ہے تو وہ آپ کی تبلیغ سُن کر فوراً کوئی کلمۂ کفر بک دیگا، مثلاً کسی شخص کو ڈاڑھی رکھنے کی تبلیغ کی اور اس نے جواب میں کہدیا،

"جاؤ! یہ تو مولویوں کے کام ہیں۔"

یا کہدیا،

"ڈاڑھی رکھنے سے صورت کیسی بکرے جیسی لگتی ہے۔" تو فوراً کافر ہو جائیگا اور اس کے کفر کا سبب آپ ٹھہریں گے۔ اس قسم کے لوگوں کو اجمالی طور پر صرف اس قسم کی تبلیغ کرنا چاہیئے:

"ہم مسلمان ہیں، مسلمان کو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت ہوتی ہے، اور محبت کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور بغاوت سے توبہ کریں، اپنی پوری زندگی اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق گزاریں، خصوصاً ان گناہوں سے بچنے کی زیادہ کوشش کریں جو ہمارے معاشرے میں کینسر کی طرح داخل ہو گئے ہیں اور جنھیں لوگوں نے گناہوں کی فہرست ہی سے نکالدیا ہے۔"

۲ خطابِ عام:

نہی عن المنکر کی تبلیغ کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ لوگوں کے عام مجمع میں معاشرہ میں پھیلی ہوئی برائیوں کے فسادات اور خرابیاں خوب کھُل کر بیان کی جائیں۔ البتہ خطاب عام میں بھی اس بات کی رعایت نہایت ضروری ہے کہ اندازِ بیان میں ایسی درشتی اور تیزی نہ ہو جس سے سننے والوں کو وحشت ہو اور وہ اپنی توہین محسوس کریں بلکہ خطاب محبت، شفقت اور دردِ دل کے ساتھ ہو۔ اس لئے کہ دل سے نکلنے والی باتوں میں زیادہ اثر ہوتا ہے ؎

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے!

اور

از دل خیزد بر دل ریزد۔

"دل سے نکلنے والی بات دل پر ہی گرتی ہے۔"

تبلیغ فرض کفایہ :

تبلیغ کی دوسری قسم ہے فرض کفایہ، اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں اگر کوئی جگہ ایسی ہو جہاں کے بسنے والوں کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ انھیں مذہبِ اسلام کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے، ایسے موقع پر تمام مسلمانوں پر یہ فرض ہے کہ وہ کچھ لوگوں کو ان کی طرف بھیجیں جو انھیں اسلام کی دعوت دیکر مسلمان بنائیں اور اس کے بعد انھیں اسلام کے احکام اور فرائض سکھلائیں۔ اگر مسلمانوں میں سے کسی نے بھی یہ فرض ادا نہ کیا تو سب گنہگار ہونگے اور اگر صرف ایک شخص نے یہ فرض ادا کر دیا تو سب مسلمان بری الذمہ ہو جائیں گے۔

اس وقت پوری دنیا میں کوئی ملک بھی ایسا نہیں ہے بلکہ کسی ملک میں کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں اسلام کی دعوت پہنچانا مسلمانوں پر فرض کفایہ ہو، اس لئے کہ اس زمانے میں اسلام کی شہرت خود ہی دعوت بن کر پورے عالم میں پھیل چکی ہے، دنیا کے ہر فرد کو اس بات کا علم ہو چکا ہے کہ "اسلام" بھی دنیا میں کوئی مذہب ہے اس لئے اب یہ فرض اور ذمہ داری خود ان لوگوں پر عائد ہوتی ہے کہ مختلف مذاہب کی تحقیق کر کے حق اور باطل مذہب کو پہچانیں اور جو مذہب حق ہے اسکا اتباع کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے اندر غور و فکر کرنے کی صلاحیت رکھی ہے۔ اسی لئے مسئلہ ہے کہ :

" اگر کوئی شخص ایسی جگہ پیدا ہوا جہاں دوسرا کوئی انسان نہ رہتا ہو تو بالغ ہونے کے بعد اس پر بھی اللہ تعالیٰ کی مصنوعات میں غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کے وجود پر ایمان لانا فرض ہے۔"

اسی طرح جو لوگ پیدائشی مسلمان ہیں، مسلمانوں کے گھروں میں پلے، بڑھے اور جوان ہوئے یہ فرض اور ذمہ داری ان ہی پر عائد ہوتی ہے کہ وہ اسلام کے احکام اور اوامر و نواہی معلوم کریں۔ دوسرے مسلمانوں پر یہ فرض اور ذمہ داری

نہیں کہ ان کے پاس جا جا کر انھیں اسلام کے احکام بتائیں کسی شخص کے مسلمان ہونے کا یہ مطلب ہوتا ہے :

" اس نے اسلام کی حکومت کو تسلیم کرلیا ہے اس لئے وہ کوئی کام بھی اسلام کے قانون کے خلاف نہیں کرے گا "

اسلام کے قوانین کیا کیا ہیں ؟ انھیں معلوم کرکے ان پر عمل کرنا اسکا فرض ہے کسی اور کا نہیں ۔ اس لئے یہ کسی قانون کی خلاف ورزی کرکے یہ کہہ کر جرم کی سزا سے نہیں بچ سکتا ،

" مجھے اس قانون اور مسئلہ کا علم نہیں تھا "

دنیا میں جب کوئی شخص کسی حکومت کو تسلیم کرلیتا ہے پھر وہ خواہ پہاڑوں کے غاروں میں رہنے کی وجہ سے یا شہر میں رہ کر ہی خوابِ غفلت میں سوتے رہنے کی وجہ سے حکومت کے قوانین معلوم نہ کرے ، اور کوئی کام حکومت کے خلاف کر ڈالے ۔ پھر جب عدالت میں پکڑ کر لے جایا جائے تو یہ عذر بیان کرے :

" مجھے یہ قانون معلوم نہیں تھا "

تو کیا کسی کا یہ عذر دنیا کی کسی عدالت میں تسلیم کرلیا جائے گا ؟ اور اسے جرم کی سزا سے بری کر دیا جائے گا ؟ ہرگز نہیں ۔ جب دنیا کی حکومتوں کا یہ دستور ہے تو اللہ کی حکومت کیا دنیا کی حکومتوں سے کم ہے ؟ وہ تو صاف صاف اعلان فرما رہے ہیں :

اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَنۡ یُّتۡرَکَ سُدًی ۝ (۷۵ : ۳۶)

" کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ یونہی مہمل چھوڑ دیا جائے گا "

جس طرح دنیا کی کوئی حکومت قانون سے لاعلمی کا عذر تسلیم نہیں کرتی اور اپنے قوانین کو لوگوں تک پہنچانے کے لئے اپنے آدمیوں کو نہیں بھیجتی بلکہ لوگ از خود قوانین معلوم کرنے کیلئے حکومت کے کارندوں کی طرف رجوع کرتے ہیں ۔

اسی طرح اسلام نے بھی مسلمانوں پر یہ فرض عائد نہیں کیا ہے کہ ناواقف لوگوں کے پاس جا جا کر احکام اسلام بیان کیا کریں ۔ اگر کسی کے دل میں ایسی ہمدردی ہو کہ وہ خوابِ غفلت میں سونے والوں کو بیدار کرکر کے انھیں اسلام کے احکام

بتائے تو اس کے اس عمل کو مستحب اور موجبِ ثواب تو کہا جائے گا لیکن فرض نہیں کہا جا سکتا، اگر کوئی غلط فہمی اور لاعلمی کی وجہ سے اس عمل کے "فرض ہونے" کا عقیدہ رکھے تو یہ سراسر دین میں تحریف ہے جو بالکل ناجائز ہے۔

البتہ ہر علاقے میں دین کی حفاظت اور بقاء کے لئے مسلمانوں میں سے کچھ ایسے لوگوں کا ہونا ضروری ہے جن سے لوگ احکام اسلام معلوم کر سکیں، جو دین کو دشمنانِ اسلام کی تحریف سے بچا سکیں اور آیندہ کے لئے حاملین دین و محافظین دین پیدا کرنے کی کوشش میں لگے رہیں۔

تبلیغِ دین کے مختلف شعبے:

پھر جس طرح دنیا کی حکومتوں کو اپنے ملکی انتظام کے لئے اُمورِ انتظامیہ کو مختلف شعبوں میں تقسیم کرنا پڑتا ہے۔ کوئی شعبہ صنعت و تجارت کا ہے تو کوئی وزارت و عدالت کا ہے، کوئی شعبہ مواصلات کا ہے تو کوئی معالجات کا۔ پھر ان میں سے ہر ایک شعبے میں بھی مختلف شعبے ہیں۔

اسی طرح دین اسلام کی حفاظت اور بقاء کے لئے دینی کاموں کو مختلف شعبوں میں تقسیم کرنا لازمی ہے۔ کوئی شعبہ تعلیم و تدریس کا ہے تو کوئی افتاء و تخریج مسائل اور تمرین افتاء کا، کوئی شعبہ اصلاح و تلقین کا ہے تو کوئی عوام میں وعظ و تبلیغ کا، کوئی شعبہ اسلحہ سے جہاد کا ہے تو کوئی قلمی جہاد کا، تصنیف و تالیف کے ذریعہ تبلیغ اور دین سے دفاع۔ پھر ان میں سے ہر ایک شعبے میں بھی مختلف شعبے ہوتے ہیں۔

جس طرح دنیا کے مختلف شعبوں کو ختم کر کے صرف ایک شعبہ باقی رکھنے کا مشورہ دینا مثلاً:

"صرف "صنعت و تجارت" کا شعبہ رکھا جائے اور دوسرے تمام شعبوں کو ختم کر کے ان میں کام کرنے والے لوگوں کو بھی سب کو اسی شعبہ میں لگایا جائے"

خلافِ عقل اور جہالت ہے،

اسی طرح دین اسلام کے مختلف شعبوں کو ختم کر کے صرف ایک شعبہ باقی رکھنے کا مشورہ دینا مثلاً:

"صرف عوام میں "وعظ و تبلیغ" کا شعبہ رکھا جائے اور دوسرے تمام شعبوں کو ختم کرکے ان میں کام کرنے والے سب لوگوں کو بھی عوام میں "وعظ و تبلیغ" کے کام میں لگا دیا جائے۔" یہ سراسر جہالت اور دین سے ناواقفیت کے علاوہ خلاف عقل بھی ہے۔

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب تبلیغ ہی کے شعبے ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ یہ عوام میں تبلیغ کا شعبہ ہے اور دوسرے شعبے خواص میں تبلیغ کے ہیں، یہ خواص میں تبلیغ کے شعبے تدریس، تصنیف، افتاء اور اصلاح باطن چند وجوہ کی بناء پر عوامی تبلیغ سے بہت زیادہ اہم ہیں، اس کی وجوہ یہ ہیں:

① ان ذرائع تبلیغ سے دین کی بنیادی خدمات انجام دی جاتی ہیں، مثلاً:
قرآن و حدیث کے صحیح مفہوم کی تعیین و تشریح،
اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فرمودہ قوانین و احکام کی توضیح و تحدید،
دشمنانِ اسلام کی طرف سے اسلام کے خلاف اٹھنے والے نظریاتی فتنوں سے اسلام کے حصار کی حفاظت و استحکام۔

② ان میں ان لوگوں کو تبلیغ کی جاتی ہے جو دور دور سے طلب لے کر آتے ہیں، میں ان شاء اللہ تعالیٰ اسی بیان میں تفصیل سے بتاؤں گا کہ طالبین کو دوسروں پر مقدم رکھنا ضروری ہے، انہیں چھوڑ کر دوسروں کی طرف توجہ کرنا اور ان پر محنت کرنا جائز نہیں۔

③ ان طالبین میں دین کی بنیادی خدمات انجام دینے کی صلاحیت و استعداد ہوتی ہے۔ ان بنیادی خدمات کی تفصیل و اہمیت پہلی وجہ کے بیان میں بتا چکا ہوں۔

اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جن علماء کو اسلام کی ایسی اہم اور ضروری بنیادی تبلیغ کی خدمات انجام دینے کی صلاحیت عطاء فرمائی ہو ان کے لئے عوامی تبلیغ میں نکلنا ہرگز جائز نہیں، اسی طرح ان طلبہ کے لئے بھی جائز نہیں جن میں ایسی استعداد پیدا ہونے کی توقع ہو، البتہ جن سے ایسی توقع نہ ہو انہیں عوامی تبلیغ میں نکلنا ضروری ہے، مدارس میں بیکار پڑے رہنا اور وقت ضائع کرنا جائز نہیں۔

یہ ذمہ داری مدارس کے مہتمم حضرات پر عائد ہوتی ہے ان پر فرض ہے کہ ایسے بیکار طلبہ کو مدارس میں بھرتی کرنے کی بجائے انھیں عوامی تبلیغ یا جہاد میں بھیجیں

دینی کام کرنیوالوں کو درپیش خطرات :

دین کے ان مختلف شعبوں میں اخلاص کے ساتھ دین کی حفاظت اور بقاء کے لئے محنت اور کوشش کرتے رہنا بہت بڑے ثواب کا کام ہے لیکن دین کے کام کرنے والوں کو خصوصاً نفس وشیطان کی طرف سے ایسے خطرات اور حملوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ اگر ان خطروں اور حملوں سے حفاظت کا اہتمام نہ کیا جائے تو ان کاموں سے اخلاص نکل جاتا ہے، پھر یہ دینی خدمات اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں ہوتیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت کا سامان بننے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور جہنم کا سامان بننے لگتی ہیں۔

اتنی بات تو ظاہر ہے کہ اگر کسی عبادت اور دینی خدمت میں اخلاص نہ ہو تو اس پر کتنا وبال پڑتا ہے، لیکن کوئی عبادت اور دینی خدمت کرتے وقت یہ معلوم کرنا کہ دل میں اخلاص ہے یا نہیں؟ بہت مشکل ہے۔ بظاہر تو اخلاص ہی نظر آئے گا اور ہر شخص اخلاص ہی کا دعویٰ بھی کریگا لیکن جب تک اخلاص کی تمام ظاہری وباطنی علامات اور معیار نہ پائے جائیں اخلاص کا فیصلہ کرلینا صحیح نہیں، حقیقت تو یہ ہے کہ جب تک کسی اہلِ دل کے ساتھ باضابطہ اصلاحی تعلق قائم نہیں کیا جاتا اس وقت تک اپنے قلب میں اخلاص پیدا کرنے کی کوشش کرنا تو در کنار اخلاص کے فقدان کا احساس تک بھی نہیں ہوتا، اس لئے اس دولت کو حاصل کرنیکی فکر اور اسکی طرف توجہ اور رغبت ہی نہیں ہوتی، اسی لئے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِيْرًا ۝ (۲۵-۵۹)

"رحمٰن کا راستہ کسی باخبر سے پوچھو"

اس لئے کسی مصلح کامل اور معالج باطن کے ساتھ باضابطہ اصلاحی تعلق قائم کریں، شیخ کامل کی علامات بہشتی زیور کے ساتویں حصہ میں دیکھیں، اخلاص پیدا کرنے کا اصل طریقہ تو یہی ہے، اس وقت اخلاص کی علامات بیان کرنا مقصود ہے۔

علاماتِ اخلاص

اخلاص کی چند بڑی بڑی علامات بیان کر دیتا ہوں، ہر قسم کی عبادت خصوصاً دینی خدمات کرنے کے مواقع میں ان علامات کو پیشِ نظر رکھنا بہت ضروری ہے، اگر آپ کی عبادات و خدمات اس معیار کے مطابق ہیں تو قبول ہیں ورنہ نہیں، ثواب کی بجائے موجبِ عذاب ہیں۔

اخلاص و قبول کی پہلی علامت

فکر استدراج:

انسان جو بھی عبادت یا دینی خدمت انجام دیتا ہے اُس کی تین حالتیں ہوتی ہیں:

① اس کی عبادت و خدمت اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہوتی ہے اور اس کا اثر و ثمرہ دنیا میں بھی ظاہر ہو رہا ہوتا ہے۔

② اس کی عبادت و خدمت اخلاص نہ ہونے یا کسی اور نالائقی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول نہیں ہوتی اور دنیا ہی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی یہ سزا ملتی ہے کہ اس عبادت و خدمت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

③ دنیا میں تو محروم نہیں کیا جاتا بلکہ اسمیں خوب ترقی ہونے لگتی ہے، عبادت میں خوب شوق اور رغبت پیدا ہونے لگتی ہے اور دینی خدمات کا خوب اثر و ثمرہ ظاہر ہونے لگتا ہے لیکن اس کے نامۂ اعمال میں بجائے حسنات اور نیکیوں کے سیئات اور برائیاں لکھی جا رہی ہوتی ہیں۔

یہ تیسری حالت استدراج کہلاتی ہے۔ اگر کسی شخص کو اپنی نجی عبادات یا دینی خدمات میں ترقی دیکھ کر اسکے استدراج ہونے کا خیال آتا ہے اور فکر و خوف لگا رہتا ہے کہ کہیں میری یہ حالت "استدراج" تو نہیں، تو یہ اخلاص و للّٰہیت کی علامت ہے۔

اور اگر ایسا خیال کبھی آتا ہی نہیں ہمیشہ اپنے کمال ہی میں مگن رہتا ہے تو یہ اس کی علامت ہے کہ اس کے اندر اخلاص نہیں، اس کی عبادات اور دینی خدمات اللہ تعالیٰ

کے یہاں مقبول نہیں ہیں۔

جن لوگوں میں اخلاص ہوتا ہے وہ دینی خدمات انجام دینے میں لذتِ نفس سے پاک ہوتے ہیں۔

بندگانِ نفس دین کا تھوڑا سا کام کر لینے کے بعد سمجھتے ہیں کہ ہم نے دین کی بہت زیادہ خدمت کر لی۔ بہت سے لوگ جو بیرونی ممالک تبلیغی دورے میں جاتے رہتے ہیں وہ مجھے بھی خطوط بھیجتے رہتے ہیں۔ ان میں وہ اپنی فتوحات بڑے فخر سے لکھتے ہیں کہ ہم نے یہ کارنامہ انجام دیا، وہ انجام دیا، بس اپنے کارنامے ہی لکھتے رہتے ہیں، اُن کیلئے دل سے دعا ہی نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں اخلاص عطار فرمائیں، اپنی مرضی کے مطابق کام لے لیں اور اپنی رحمت سے قبول فرمالیں۔

دوسروں کی ہمّت افزائی اور انھیں ترغیب دینے کے لئے کبھی ایسے حالات کا ذکر کرنا بھی پڑتا ہے مگر یہ نہیں کہ ہر وقت اپنے کمالات ہی گنتے گناتے رہو، بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر ایسے حالات صرف بقدرِ ضرورت ہی بتانے پر اکتفا کرنا چاہیے اور عین بتاتے وقت بھی نفس و شیطان کے فریب سے ہوشیار رہنا لازم ہے، اللہ کی عنایت سے نظر ذرا سی ہٹ کر اپنے کمال پر گئی اور سیدھے جہنم میں، اتنی محنتیں اور مشقتیں بھی برداشت کیں اور بنایا جہنم کا سامان۔ اللہ اپنی پناہ میں رکھے۔

پھر اگر ایسے شخص کی کوئی ذرا سی تعریف بھی کر دے پھر تو سُبحان اللہ! کیا کہنا، احمق سمجھنے لگتا ہے :

"میں واقعۃً ایسا ہی ہوں"

لوگوں کی واہ واہ انسان کو تباہ کر دیتی ہے، اپنے ناگفتہ بہ حالات کا خوب علم بھی ہے اس کے باوجود جب کوئی تعریف کرتا ہے تو نفس و شیطان کے فریب میں آکر خود کو کچھ سمجھنے لگتا ہے۔

ایک شخص نے اپنا گھوڑا بیچنے کو دلال سے کہا، دلال نے خریدار کے سامنے گھوڑے کی تعریف شروع کی، تو مالک کہنے لگا :

"یہ گھوڑا ایسا اچھا ہے تو رہنے دیجئے، میں نہیں بیچوں گا"

ایک نائن اپنے ججمان کے گھر گئی، اس کی بیوی نے کھڈ دھونے کے لئے

اُتاری ہوئی تھی۔ نائن سمجھی کہ یہ بیوہ ہوگئی ہے، جاکر نائی کو بتایا، ججمان کہیں دور دوسرے شہر گیا ہوا تھا، نائی وہاں پہنچا، ججمان کو خبر دی:

"آپ کی بیوی بیوہ ہوگئی ہے۔"

وہ رونے لگا، لوگوں نے وجہ دریافت کی تو کہنے لگا:

"میری بیوی بیوہ ہوگئی ہے۔"

لوگ آ آکر تعزیت کرنے لگے، کسی عقلمند کا ادھر گزر ہوا، اسنے کہا:

"آپ زندہ بیٹھے ہیں تو آپ کی بیوی کیسے بیوہ ہوگئی؟ یہ بات عقل میں تو نہیں آرہی"

ججمان نے جواب دیا:

"عقل میں تو میری بھی نہیں آرہی، مگر ہمارا نائی بہت معتبر ہے کبھی غلط بات نہیں کہہ سکتا۔"

سو احمق شخص کا حال یہی ہوتا ہے، اپنی حالت بخوبی جانتا ہے پھر بھی تعریف کرنے والوں کی باتوں پر اعتماد کرکے خود کو باکمال سمجھنے لگتا ہے۔

گر گدھے کے کان میں کہدو کہ عاشق تجھ پہ ہوں
ہے یقین کامل کہ وہ بھی گھاس کھانا چھوڑ دے

اللہ تعالیٰ عقل عطاء فرمائیں۔

الغرض جس شخص سے اللہ تعالیٰ دین کا بہت زیادہ کام لے رہے ہوں، لوگوں کو اس سے بہت زیادہ دینی نفع پہنچ رہا ہو اور دین حاصل کرنے کے لئے لوگوں کا اسکی طرف بہت زیادہ رجوع ہو رہا ہو، ایسی حالت میں اسے غافل نہیں ہونا چاہیئے، بلکہ ہر وقت ہوشیار رہنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ توقع سے بہت زیادہ جو یہ دین کا کام لے رہے ہیں کہیں یہ استدراج تو نہیں، ایسا تو نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں یہ خدمت قبول نہ ہو مگر ڈھیل دیدی ہو، یہ سوچتے رہنا چاہیئے، ہر وقت ڈرتے رہنا چاہیئے اور استغفار و دعاءِ قبول کرتے رہنا چاہیئے۔

ایک سبق آموز واقعہ:

ایسے موقع پر ایک شخص کا واقعہ سوچتے رہنے سے بہت فائدہ ہوتا ہے، مجھے تو سوچنے کی ضرورت نہیں پڑتی، از خود ہی یہ واقعہ میرے ذہن میں آتا رہتا ہے،

ایک شخص بہت مکّار تھا۔ لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے بزرگوں کی صورت اختیار کر کے بیٹھ گیا۔

آجکل تو لوگوں کو دھوکہ دینا بہت آسان ہے اسلئے کہ الوؤں اور گدھوں کی کثرت ہے، اندر کچھ بھی نہو بس کوئی صورت بنا کر کہیں بیٹھ جائے، دیکھئے لوگ کیسے پھنستے ہیں، اس زمانے میں یہ فریب دینا بہت آسان ہے۔ پہلے زمانے میں لوگ ہشیار تھے، دین کی فہم تھی، لوگ جلدی دھوکے میں نہیں آتے تھے، اس لئے اس زمانے میں لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے مکار کو بھی اس فن کی اصطلاحات اور پیچیدہ مسائل کا علم حاصل کرنا پڑتا تھا،

وہ شخص فن تصوف حاصل کر کے شیخ بن کر بیٹھ گیا اور لوگوں کو اوراد، اذکار، اشغال اور مراقبات وغیرہ تلقین کرنے لگا، لوگوں کا بہت زیادہ رجوع ہونے لگا اور بہت سے لوگ تائب ہو کر اولیاء اللہ بن گئے۔

ایک دن ان اولیاء اللہ کو خیال آیا کہ چلیں آج مکاشفہ میں اپنے حضرت کا مقام دیکھتے ہیں۔ سب مل کر متوجہ ہوئے مگر حضرت کا کہیں بھی کوئی مقام نظر نہ آیا، بہت حیران ہوئے اور سوچا کہ خود حضرت ہی سے ان کا مقام پوچھتے ہیں، حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہم سب نے ملکر حضرت کے مقام کو تلاش کرنے کی کوشش کی مگر کہیں بھی آپ کا مقام نظر نہیں آیا، آپ خود ہی ہمیں اپنا مقام بتا دیں۔

اس کا جواب تو بہت ہی آسان تھا یوں کہہ سکتے تھے:

”تم تو ابھی ابھی پیدا ہوئے اور میرا مقام تلاش کرنے لگ گئے۔ میرا مقام تو بہت بلند ہے۔ بیسیوں سال تم مجاہدہ کرتے رہو پھر کہیں جا کر میرے مقام کا شاید ہی پتہ چلے۔ کس کام میں لگ گئے چلو اپنا کام کرو۔“

مگر اہل اللہ کی صورت بنانے اور ذکر اللہ کی برکت سے اللہ تعالیٰ کی رحمت انکی طرف متوجہ ہوئی۔ صاف کہدیا:

”سچی بات یہ ہے کہ میرے اندر کچھ بھی نہیں۔ مکار ہوں، مال وجاہ کی ہوس سے اولیاء اللہ کا روپ دھار رکھا ہے۔“

ان اولیاء اللہ کی دانشمندی دیکھئے کہ جب انھیں حقیقت کا پتہ چلا تو یہ نہیں سوچا کہ ارے کہاں پھنسے رہے چلو بھاگو یہاں سے، اس کی مار پٹائی کرتے، لوگوں

کے سامنے اسے ذلیل کرتے اس کی تذلیل و تحقیر کی بجائے کہنے لگے: "چلو سب مل کر دعاء کرتے ہیں کہ یا اللہ! ان کا ہم پر بہت احسان ہے، ان کے بتائے ہوئے نسخوں سے ہمارے گناہ چھوٹے، تیری محبت اور تعلق نصیب ہوا، یا اللہ! انھیں بھی اولیاء اللہ کی فہرست میں داخل فرما۔"

ان لوگوں کی دعاء قبول ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے انھیں بھی ولی اللہ بنادیا، اور اپنے تعلق قرب اور محبت سے نوازا۔

ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی دستگیری کیوں ہوئی؟ اس لئے کہ انھوں نے اللہ والوں کی، اللہ کے محبوب بندوں کی صورت اختیار کی ہوئی تھی، اگرچہ دنیا حاصل کرنے کے لئے یہ صورت بنائی تھی مگر اللہ تعالیٰ کو ان کا یہ عمل ایسا پسند آیا کہ انھیں بھی اپنے محبوب و مقرب بندوں کی فہرست میں داخل فرمالیا۔ دُنیا حاصل کرنے کے لئے اولیاء اللہ کی نقل اُتارنے والے کو جب اللہ تعالیٰ اپنا محبوب بنالیتے ہیں اور اسکے ساتھ ان کی دستگیری ہوتی ہے تو جو کوئی خالص اللہ کے لئے اہل اللہ کی نقل اُتاریگا اور ان کی شکل و صورت اختیار کرے گا، کیا اللہ تعالیٰ اسے محروم چھوڑ دیں گے، اپنا محبوب نہیں بنائیں گے اور اسکے ساتھ اللہ تعالیٰ کی دستگیری نہیں ہوگی؟

الغرض جب بھی کوئی اطلاع یا خط ایسا آتا ہے جس میں اس بات کا ذکر ہوتا ہے کہ سارے گناہ چھوٹ گئے اور تمام گناہوں سے دل میں نفرت پیدا ہوگئی تو اسی وقت اس واقعے کی طرف از خود ذہن چلا جاتا ہے سوچتا ہوں:

"کہیں اس مکار جیسا معاملہ تو نہیں ہو رہا کہ دوسروں کی حالت تو سدھرتی جائے اور اپنی حالت ناگفتہ بہ ہو۔"

ساتھ ساتھ یہ دعاء بھی ہوجاتی ہے، رَبِّ لَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ "اے میرے رب! مجھے بروز حشر رسوا نہ کیجئے۔"

اس قصّہ کو سوچنے سے بہت نفع ہوتا ہے، انسان کو اپنی حالت کا محاسبہ کرتے رہنا چاہیے۔

آخرت کی رسوائی دنیا کی رسوائی سے بڑی ہے:

روز حشر میں رسوائی کا کیا مطلب؟ ان لوگوں کے لئے جن سے اللہ تعالیٰ دین کا کوئی

کام لے رہے ہوں، جو لوگ دوسروں کے مقتدا ہوں، لوگ انکے معتقد ہوں، ہاتھ چومتے ہوں، بہت بڑا ولی اللہ سمجھتے ہوں، ان لوگوں کیلئے روز حشر میں رسوائی یہ ہے کہ ان کے معتقدین اور مریدین تو جا رہے ہوں جنت میں اور انھیں لیجایا جا رہا ہو جہنم میں، کتنی بڑی رُسوائی ہے؟ جہنم میں جانے کی رسوائی کے علاوہ یہ رسوائی الگ کہ جو لوگ دنیا میں انکے مرید تھے دُور دُور سے ہدایت کے لئے ان کے پاس آیا کرتے تھے مسائل اور دین سیکھتے تھے، خط وکتابت کے ذریعہ بھی استفادہ کا سلسلہ رکھتے تھے، وہ تو جا رہے ہوں جنت میں اور یہ پیر صاحب جہنم میں اُلٹے لٹکائے ہوئے ہوں، اس دعاء کے وقت اس حالت کو سوچتے رہنا چاہیئے۔

میں جب اس صورت حال کو سوچتا ہوں تو وہ مثال سامنے آجاتی ہے جسے مولانا رومی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مثنوی میں ذکر فرمایا ہے۔

"پہلے زمانے میں طوطے کو شکار کرنے کا یہ طریقہ تھا کہ کسی نلکی کو دھاگے وغیرہ میں پرو کر کسی درخت سے لٹکا دیتے تھے، طوطا جب اس پر آکر بیٹھتا تو وہ نلکی گھوم جاتی اور وہ طوطا اُلٹا ہو جاتا، سر نیچے پاؤں اوپر، شکاری اسے غفلت میں پاکر پکڑ لیتا۔"

یہ صورت سامنے آجاتی ہے کہ اگر خدا نخواستہ ہماری یہ عبادت قبول نہیں، اخلاص نہیں، ریاء و نمود ہے تو قیامت کے دن کیا حال ہوگا، مریدین اور معتقدین دیکھ رہے ہونگے کہ یہ پیر صاحب تو اُلٹے لٹکائے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کے حالات پر رحم فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے رہنا چاہیئے اور اپنے اعمال کا محاسبہ کرتے رہنا چاہیئے

اپنے نیک اعمال پر ناز کرنیوالوں کی مثال:

حضرت رومی رحمہ اللہ تعالیٰ نے دو مثالیں بیان فرمائی ہیں:

ایک مرتبہ ایک چور کسی کے گھر میں رات کے وقت گھس گیا، مالک کی آنکھ کھل گئی، اس نے چقماق جلا کر دیکھنے کی کوشش کی،

پہلے زمانے میں روشنی کرنے کا یہ طریقہ تھا کہ چقماق سے روئی میں آگ لگاتے تھے، چقماق سے جو چنگاری اُٹھتی تو روئی میں آگ لگ جاتی اور روشنی پیدا ہوتی۔

مالک نے اس طرح روشنی پیدا کرنیکی کوشش کی لیکن چور اسکے سرہانے بیٹھ گیا جو

چنگاری چقماق سے نکل کر روئی پر گرتی اسے فوراً ہاتھ سے مسل دیتا جس کی وجہ سے روئی میں آگ نہ لگی، مالک پر نیند کا غلبہ تھا ہی، جب ایک دوبار کی کوشش سے روشنی نہ ہوئی تو چھوڑ کر دوبارہ سوگیا چور اس ہوشیاری اور مکاری سے پورے گھر کا صفایا کرگیا،

حضرت رومی رحمہ اللہ تعالی نے یہ مثال ان لوگوں کے لئے بیان فرمائی ہے جو یہ سمجھتے ہیں:

"ہمارے پاس دینی نعمتیں بہت زیادہ ہیں، سارے گناہ بھی چھوٹ گئے، عبادات بھی بہت ہیں اور متعدی خدمات بھی بہت ہورہی ہیں، جنت کا مکمل سامان ہوچکا ہے، کوٹھیاں بھری پڑی ہیں"۔

اپنے خیال میں بہت خوش ہورہے ہیں لیکن خدانخواستہ کوئی چور چھپ چھپ کر سارے مال کا صفایا کرگیا ہو اور آپ کو خبر بھی نہ ہو تو آخرت میں کیا بنے گا؟

اعمال صالحہ کے چور:

وہ چور کون ہیں؟ **نفس اور شیطان**، جب بھی ان کی طرف سے دل میں یہ خیال آنے لگے کہ ہم بڑے متقی، پرہیزگار اور کامل ہیں تو ایک دم سارا کیا کرایا ضائع گیا، اللہ تعالی کی دستگیری سے نظر ہٹ کر اپنے اوپر نظر گئی تو بجائے جنت کے سامان کے جہنم کا سامان بن گیا، ساری عمر گناہ چھوڑنے کی مشقت بھی برداشت کی، عبادات میں وقت صرف کیا لیکن پھر بھی جنت ہاتھ نہ آئی، اس کی بجائے جہنم کی دہکتی ہوئی آگ، کتنی بڑی محرومی کی بات ہے؟

نیک اعمال پر فخر کرنیوالوں کی دوسری مثال:

دوسری مثال حضرت رومی رحمہ اللہ تعالی نے یوں بیان فرمائی کہ ایک شخص نے بہت سا اناج اپنی کوٹھیوں میں بھر کر رکھ لیا کہ جب اناج کی قلت ہوگی تو نکال لیں گے، اپنے خیال میں میں بہت خوش ہورہا ہے کہ میرے پاس تو کوٹھیاں بھری پڑی ہیں، لیکن جب اناج کی ضرورت پیش آئی کوٹھیوں کو کھولا تو ایک دانہ بھی نظر نہ آیا، سارا اناج چوہے نکال کر لیجا چکے تھے۔ ایسے موقع پر وہ شخص کتنا پریشان ہوگا۔

یہ مثال بھی حضرت رومی رحمہ اللہ تعالی نے ان لوگوں کے لئے بیان فرمائی ہے جو

یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے پاس تو جنت کے سامان کے انبار لگے ہوئے ہیں، کوٹھیاں بھری پڑی ہیں، نجی عبادات بھی بہت ہیں اور دوسروں تک دین پہنچانے کی خدمات بھی بہت، دین کی بہت زیادہ خدمت ہو رہی ہے، اپنے طور پر بھی گناہ چھوٹے ہوئے ہیں اور دوسروں کو بھی گناہوں سے روک رہے ہیں، اپنے خیال میں بہت ہی خوش ہو رہے ہیں کہ ہم تو اب بالکل جنت کے مستحق بن گئے، ہمارے پاس تو خزانوں کے خزانے ہیں۔

لیکن جب خزانہ کھولنے کا وقت آیا، کب؟ کل قیامت کے روز خزانہ کھولنے کا وقت آئے گا، جب تمام اعمال پیش کئے جائیں گے، حساب و کتاب کا وقت سامنے آئے گا، اس روز اگر خدانخواستہ اپنے خزانہ میں سے ایک دانہ کے برابر بھی کچھ نہ نکلا اور نفس و شیطان کے چوہوں نے تمام خزانوں کا صفایا کر دیا ہو تو کیا بنے گا؟ کتنی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا؟

نفس و شیطان کے چوہے خزانوں پر کس طرح حملہ کرتے ہیں؟ دل میں جہاں یہ خیال آیا کہ سب کچھ میرا کمال ہے اور میرے اختیار میں ہے، اللہ تعالیٰ کی دستگیری سے نظر ہٹی اور اپنے کمال پر نظر گئی تو نفس و شیطان کے چوہوں نے تمام خزانوں کا صفایا کر دیا۔

مولانا شبیر علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا واقعہ:

مولانا شبیر علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنا ایک قصہ بیان فرمایا کہ انھوں نے اپنی زمین کی پیداوار کی شکر کو کٹھلے میں بھر کر بند کر دیا تاکہ جب شکر کی قلت ہوگی تو نکال کر استعمال کریں گے، لیکن جب نکالنے کا وقت آیا، کٹھلا کھولا تو یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گئے کہ شکر کا نام و نشان تک نہیں بلکہ تلے میں سیاہ تہ نظر آ رہی ہے۔ غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ چیونٹے ہیں، ان چیونٹوں نے تمام شکر کا صفایا کر دیا تھا۔

اسی طرح جو شخص اپنے نیک اعمال پر خوش ہو رہا ہو کہ میرے پاس تو جنت کے خزانے بھرے پڑے ہیں اور کل قیامت کے روز حساب و کتاب کا وقت آئے تو کچھ بھی نہ ہو تو کتنی بڑی رسوائی ہوگی؟ ڈرتے رہنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ

کے عذاب سے پناہ مانگتے رہنا چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں خیانت:

جو شخص اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو اپنا کمال سمجھتا ہے اسکی مثال ایسی ہے جیسے کسی بادشاہ نے کسی بھنگی چمار کو اپنے خزانے کا خازن بنا دیا ہو اور وہ اس خزانے کو اپنا سمجھنے لگے تو ایسے شخص کو بادشاہ موت کی سزا دیگا کہ اس نے تو اسے امین سمجھ کر خازن بنایا تھا اور اس بھنگی پر اتنا بڑا احسان کیا مگر یہ ایسا نالائق اور اتنا بڑا خائن نکلا کہ اسے اپنا سمجھ رہا ہے۔

اگر بادشاہ ایسے نالائق اور خائن کو موت کی سزا نہ دے تو کم سے کم معطّل تو کر ہی دیگا۔

اس مثال کو سامنے رکھ کر یوں سوچنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دنیا میں جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں خواہ وہ دنیوی نعمتیں ہوں یا دینی، پھر دینی نعمتوں میں سے علمی نعمتیں ہوں یا عملی، اپنی ذات میں ہوں یا دوسروں تک علم وعمل پہنچانے کی نعمت ہو، دوسروں کو عامل اور نیک بنانے کی کوشش ہو، ان تمام نعمتوں کے بارے میں اگر کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ یہ سب میرا کمال ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں خیانت ہے، یہ تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے امانت ہیں، دنیا میں جس سے اللہ تعالیٰ کوئی کام لے رہے ہوں وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا خازن ہے، خزانہ اللہ تعالیٰ کا ہے، اسکی معرفت دوسروں میں تقسیم کروا رہے ہیں، بادشاہ کے خزانہ میں جو کوئی خیانت کریگا، انھیں اپنا سمجھے گا تو یہ تو ممکن ہے کہ دنیا کے کسی بادشاہ کو پتہ نہ چلے کہ اس کا خازن خزانہ پر اپنا دعوٰی کر رہا ہے یا چھپ چھپ کر چوری کر رہا ہے یا ان خزانوں کو غصب کرلے اور بادشاہ کو مروا ڈالے مگر اللہ تعالیٰ کے علم میں کوئی نقص نہیں، ان کی قدرت میں کوئی نقص نہیں، انھیں تو دلوں کے حالات کا بھی علم ہے، اگر کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ سب میرا کمال ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت سے خارج نہیں، اسکا وبال اس پر یہ پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ اسے معطّل کر دیں گے اور تمام نعمتوں سے اسے محروم کر دیں گے کہ اس نالائق کو تو بنایا تھا اپنے خزانے کا خازن اور یہ اسے اپنا سمجھ رہا ہے،

کتنا بڑا خائن ہے ؟ پھر دنیا میں بھی رسوائی ہوگی اور آخرت میں بھی۔

جن دعاؤں کا میرا معمول ہے ان میں ان تینوں مثالوں کی مناسبت سے بھی ایک دعاء ہے۔

یَااللہ ! چوری، چوراور امانت میں خیانت سے حفاظت فرما، ہر وقت تیری طرف ہی توجّہ رہے اور تیری دستگیری پر نظر رہے۔"

اخلاص و قبول کی دوسری علامت کثرتِ دُعاء و استغفار :

انفرادی عبادات اور دینی خدمات کے قبول ہونے کی دوسری علامت یہ ہے کہ ہمیشہ دُعاء :

لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ

کا معمول رہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ نیکی کی توفیق ہو جانا اور گناہوں کا چھوٹ جانا اپنی ذات میں ہو یا دوسروں میں نیکی کی تلقین اور گناہ چھڑانے کی کوشش کرنا اور اس کوشش میں کامیابی حاصل ہونا، لوگوں کا نیکی کی طرف آنا، گناہوں کا چھوڑنا یَااللہ! یہ سب تیری دستگیری سے ہے، دوسروں سے گناہ چھڑانا تو دُور کی بات خود کو گناہوں سے محفوظ رکھنا بلکہ ان سے بچنے کا دل میں خیال آجانا، آخرت کی فکر کا پیدا ہو جانا تیری دستگیری نہ ہو تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔

اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ کَنْزٌ مِّنْ کُنُوْزِ الْجَنَّۃِ۔ "لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ جنت کے خزانوں میں سے ایک بہت بڑا خزانہ ہے۔" تین سیکنڈ میں یہ جملہ ادا ہو جاتا ہے۔ اتنے مختصر جملہ میں اتنا بڑا خزانہ کیوں ملتا ہے ؟ اس لئے کہ اس سے نفس و شیطان پر آرے چلتے ہیں، نفس و شیطان جو تمام نیکیوں کو برباد کرنے والے ہیں، اوّل تو ویسے ہی نیکی کی طرف آنے نہیں دیتے، ہر وقت گناہوں میں مست رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور اگر کوئی گناہوں سے بچ گیا اور نیکی کی طرف مائل ہوا تو اب اس کی نیکیوں کو برباد کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اس کے دل میں کبر و عجب کے خیالات ڈالیں گے کہ ہم تو بڑے نیک ہیں، بہت پارسا ہیں۔

الغرض سوچتے رہنا چاہیئے کہ نیکی کی توفیق اور دوسروں کو تبلیغ کی توفیق، پھر

اس تبلیغ میں اثر کا پیدا ہونا، لوگوں کا دیندار بننا، یہ سب اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہو رہا ہے، وہ چاہیں گے تو ہماری تبلیغ میں اثر ہوگا، نہیں چاہیں گے تو نہیں ہوگا۔

لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کی حقیقت پرکھنے کا تھرمامیٹر	لاحول ولا قوۃ الا باللہ سے جو مقصد ہے اور اس میں جس بات کی تعلیم دی گئی ہے اگر دیکھا جائے

تو لاکھوں انسانوں میں شاید ہی کسی پر اس تعلیم کا اثر ہوا ہو۔ یوں تو دنیا کے تمام انسانوں، مسلمان، کافر سب کا یہ عقیدہ ہے کہ دنیا میں اس کے پاس جتنی بھی نعمتیں ہیں مالی اور جسمانی نعمتیں ہوں یا اپنے اپنے عقیدے کے مطابق دینی نعمتیں، سب کچھ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے۔ بڑے سے بڑے متکبر اور پندار والے سے بھی اگر پوچھا جائے:

"تمہارا یہ منصب، مال، صحت اولاد وغیرہ کس کی طرف سے ہیں" تو وہ بھی یہی کہیگا:

"سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے"۔

البتہ اگر کوئی اللہ تعالیٰ کے وجود ہی کا منکر ہو تو وہ یہ کہے گا کہ یہ سب میرا کمایا ہوا ہے" جیسے قارون اللہ تعالیٰ کا منکر تھا، اس نے کہدیا تھا کہ یہ مال و دولت سب کچھ میرا کمایا ہوا ہے کوئی دوسرا دینے والا نہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے مال و دولت کے ساتھ اسے زمین میں دھنسا دیا گیا۔ قارون نے تو زبان سے کہا تھا کہ یہ سب کچھ میرا ہے" اگر کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ دین کی یہ تمام نعمتیں میرا ہی کمال ہے تو قارون سے مشابہت تو ہو ہی گئی، اصل مرض تو دل کا ہے، قارون کی زبان سے بھی ظاہر ہو گیا، ڈرتے رہنا چاہیئے کہ کہیں اسی جیسا حشر نہ ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ اس سے تمام نعمتیں سلب کر لیں۔

غرضیکہ عقیدہ تو مسلم کافر سب کا یہی ہے کہ جو کچھ بھی ہے اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے سب کچھ اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے، زبان سے بھی سب یہی کہتے ہیں مگر لاحول ولا قوۃ الا باللہ کی حقیقت بھی کسی کے دل میں ہے یا نہیں، اسے معلوم کرنے کا ایک تھرمامیٹر ہے، ایک کسوٹی اور معیار ہے:

دو کسی کے متوجہ کئے بغیر دل میں بار بار یہ خیال آتا رہے کہ میرے پاس دین کی جتنی بھی نعمتیں ہیں ان میں سے خدانخواستہ میری کوئی بات یا عمل اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہو، یا اپنے کمال پر نظر چلی جائے پھر اس کا وبال یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ وہ تمام نعمتیں

مجھ سے سلب کر لیں، یہ خیال ہر وقت دل و دماغ پر مسلط رہے، خصوصاً جب کسی نیک عمل کی توفیق ہو جائے، برائی سے بچنے کی توفیق ہو جائے، دوسروں کو تبلیغ کی توفیق ہو جائے اور اس تبلیغ پر اثر بھی مرتب ہو رہا ہو"۔

اگر کسی کے دل کی حالت وکیفیت اس تھرمامیٹر کے مطابق ہے تو لاحول ولا قوۃ الا باللہ کی حقیقت دل میں اُتری ہوئی ہے، اگر نہیں تو دل کو اس کے مطابق بنانے کی کوشش کرنا چاہیئے، ساتھ ساتھ دل کو عجب وکبر سے بچانے کے لئے یہ دعاء بھی کرتے رہنا چاہیئے:

یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِیْثُ اَصْلِحْ لِیْ شَاْنِیْ كُلَّهٗ وَلَا تَكِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَةَ عَیْنٍ،

"اے وہ ذات جو زندہ ہے اور دوسروں کو قائم رکھنے والی ہے، بھٹکنے اور گرنے والوں کو سنبھالنے والی ہے، تیری بارگاہ میں درخواست پیش کرتا ہوں کہ میرے تمام حالات کی اصلاح فرما (عقیدہ بھی صحیح ہو، عمل بھی صحیح ہو اور کبھی دل میں یہ خیال بھی نہ آنے پائے کہ اس میں میرا کوئی کمال ہے) اور آنکھ جھپکنے کی دیر کے لئے بھی مجھے میرے نفس کے حوالہ نہ کر"۔

اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ،

"نفس برائی کا بہت زیادہ حکم دینے والا ہے مگر وہ جس پر اللہ رحم کرے"۔

اگر اللہ تعالیٰ کی دستگیری شاملِ حال نہ ہو تو نفس وشیطان انسان کو تباہ وبرباد کر دیں۔

کبھی وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ کی دعاء ہو،

کبھی اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُكَ عَلٰی طَاعَتِكَ کی دعاء ہوتی رہے۔

کبھی لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کی دعاء ہو،

بس ہر وقت ڈر لگا رہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مالک کی دستگیری سے نظر ہٹی اور اپنے کمال پر نظر گئی تو اللہ تعالیٰ تمام نعمتیں سلب نہ فرمالیں۔

ایمان کی علامت:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَا خَافَهٗ اِلَّا مُؤْمِنٌ وَّلَا اَمِنَهٗ اِلَّا مُنَافِقٌ (بخاری) اللہ تعالیٰ سے صرف مؤمن ہی ڈرتا ہے یعنی اسے ہر وقت یہ خطرہ لگا

رہتا ہے کہ میرا یہ علم و عمل اور یہ کمالات سب کچھ اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے، میرے اختیار میں کچھ بھی نہیں، ذرا سی ان کی نظر کرم ہٹی اور تباہ و برباد ہوئے۔

اور منافق کے دل میں کبھی یہ خطرہ نہیں آتا وہ ہمیشہ مطمئن رہتا ہے۔

اپنا جائزہ لیں کہ اگر دل مطمئن رہتا ہے اور کبھی خطرہ نہیں آتا، ہر وقت یہ خوشی رہتی ہے کہ ہم اتنے نیک بن گئے، دوسروں کو بھی تبلیغ کر رہے ہیں، اتنے لوگوں کو دیندار بنادیا، ہمارا یہ کمال اور وہ کمال، بس اسی میں ہر وقت مست ہیں تو یہ علامت نفاق ہے، ڈرنا چاہئے۔

ڈرتا بھی رہے اور اُمید بھی رکھے، خوش بھی رہے، خوشی کس پر؟ اس پر نہیں کہ میں کام کر رہا ہوں بلکہ اس پر کہ میرا مالک مجھ سے کام لے رہا ہے لیکن صرف زبان اور عقیدے تک یہ خیال کافی نہیں، بلکہ یہ خیال دل میں اُتر جائے، دل اس سے رنگ جائے، بار بار یہی خیال آتا رہے کہ میرا مالک مجھ سے کام لے رہا ہے۔

جب اس خیال سے خوشی ہوگی تو لازماً ساتھ ساتھ خوف بھی ہوگا کہ جو مالک مجھ سے کام لے رہا ہے کہیں وہ ناراض نہ ہو جائے۔ جیسے کوئی شخص سرکاری عہدہ پر ہو تو خوشی بھی ہوگی کہ حکومت کا آدمی ہوں اور خوف بھی کہ کہیں حکومت کو میری کوئی بات ناپسند ہو جس کی وجہ سے میں نکال دیا جاؤں، غرضیکہ خوشی بھی ہو اور خوف بھی دونوں چیزیں ساتھ ساتھ رہیں ؎

غافل مرو کہ مرکب مردانِ مرد را — در سنگلاخ بادیہ پیما بریدہ اند
نومید ہم مباش کہ رندانِ بادہ نوش — ناگہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند

"غافل مت چلو، اس لئے کہ کئی مشہور شہسوار راستے ہی میں رہ گئے ہیں، اور نا اُمید بھی نہ ہو، اس لئے کہ کئی شراب خور رند اچانک ہی منزلِ مقصود کو پہنچ گئے ہیں۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ

اللہ تعالیٰ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہیں:

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ۙ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا

(۱۷: ۸۶، ۸۷)

اگر ہم چاہیں تو آپ کے تمام علوم ختم کر دیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم پوری دنیا

کے علوم سے زیادہ ہے، اسکے باوجود تنبیہ کی جارہی ہے کہ یہ سب کچھ میرے ہی قبضۂ قدرت میں ہے جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہے یہ میری رحمت ہے اور میرا کرم ہے۔

پھر ایک بار اللہ تعالیٰ نے اسکا تجربہ بھی کرکے دکھادیا، ایک مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام کسی اجنبی شخص کی صورت میں تشریف لائے اور اسلام کے عقائد و اعمال کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سوالات کیئے، اس سے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو تعلیم دلانا مقصود تھا، چونکہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کرنے سے ڈرتے تھے کہ کہیں کوئی بیکار سوال نہ کر ڈالیں، خصوصًا جب قرآن کریم میں اسکی ممانعت نازل ہوئی تو صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور زیادہ ڈرنے لگے اسی لئے حضرت جبریل علیہ السلام نے سوالات کیئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جوابات دیئے جس سے تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا فائدہ ہوگیا۔

اس وقت ابتداء میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام کو پہچانا نہیں، جب وہ تشریف لے گئے تو حاضرین سے فرمایا کہ انھیں تلاش کریں، جب وہ نہیں ملے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ جبریل علیہ السلام تھے۔

تیئیس سال تک جن کے ساتھ دوستی رہی آخر عمر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انھیں پہچان نہیں سکے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اپنی قدرت کا اظہار تھا کہ سب کچھ ہمارے قبضہ میں ہے، ہم جب چاہیں اسے واپس لے لیں۔ یہ تنبیہ تو تھی علم کے بارے میں، عمل کے بارے میں فرمایا:

وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيْلًا ۝ (۱۷: ۷۴)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہماری دستگیری ہے، ہم نے حق پر مضبوطی عطار کی ہے، یہ سب کچھ ہماری رحمت سے ہے، ہم نے تھام رکھا ہے، اگر ہم آپ کو نہیں تھامے ہوتے تو آپ پورے نہیں تو کچھ نہ کچھ ضرور ان کفار کی طرف مائل ہوجاتے۔

یا اللہ! ہمیں بھی حق پر اس طرح جمائے رکھ کہ بُرا ماحول، بُرا معاشرہ، نفس و شیطان بال برابر بھی ہٹا نہ سکیں، ہمارے دلوں کو ایسے مضبوط بنادے، اپنے دین، اپنی محبت اور فکر آخرت پر ہمارے دلوں کو تھام لے، ان میں ذرہ برابر بھی لچک پیدا نہ ہو، غیر کا تعلق اور محبت غالب نہ آنے پائے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری جگہ فرمایا :

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ (۴:۱۱۳)

اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمارا فضل و کرم نہ ہو تو کفار کی ایک ایسی جماعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ہر وقت اس فکر میں لگی ہوئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو راہِ حق سے ہٹا دے ۔"

یہ ہماری دستگیری ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے حملوں سے محفوظ ہیں اور حق پر قائم ہیں ۔

یہ تینوں آیتیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہیں، دوسروں کو اسی پر قیاس کر لینا چاہیے کہ ذرا سا عجب و کبر دل میں پیدا ہوا اور سب کیا کرایا گیا، جب سید دو عالم محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال ہے تو کسی دوسرے کی کیا مجال ۔

گناہ چھوڑنے والوں پر اللہ تعالیٰ کا فضل :

عام مؤمنین کے بارے میں فرمایا :

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ (۲۴ : ۲۱)

"اگر تمہارے اوپر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہو تو تم میں سے کوئی بھی کبھی بھی گناہوں سے پاک نہیں ہو سکتا لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہیں گناہوں سے پاک کر دیں ۔"

اللہ تعالیٰ گناہ چھڑانے کو پاک کرنا فرما رہے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہم سب کو گناہوں سے پاک کر دیں ،

معلوم ہوا کہ گناہ چھوڑنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دستگیری اسی وقت ہوتی ہے جب ان پر نظر رہے ۔ کوشش، ہمت، گناہ چھوڑنے کی تدابیر اور علاج یہ سب اپنی طرف سے ہو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے لیکن نظر اپنے کمال پر نہ رہے بلکہ اللہ تعالیٰ پر رہے کہ ان اسباب میں اثر ڈالنا ان کے اختیار میں ہے، انکی مدد و دستگیری ہوگی تو گناہ چھوٹیں گے ان کی دستگیری کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا ۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا قول نقل فرماتے ہیں :

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۟ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ (۷:۴۳)

"اللہ کا لاکھ لاکھ احسان ہے جس نے ہمیں اس مقام تک پہنچایا، اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت نہ فرماتے تو ہماری کبھی رسائی نہ ہوتی۔"

غزوۂ خندق میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنفس خود بھی خندق کھود رہے تھے آپ کا شکم مبارک مٹی سے لت پت ہو رہا تھا اور آپ اپنے مولیٰ سے یوں عجز و نیاز کی باتیں کر رہے تھے:

وَاللّٰہِ لَوْلَا اللّٰہُ مَا اھْتَدَیْنَا، وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّیْنَا،

"اللہ کی قسم! اگر اللہ کی دستگیری نہ ہوتی تو ہم دین کا کوئی کام نہ کر پاتے۔"

جہاد جیسی عبادت اور خندق کھودنے کی بہت سخت محنت، اسکے باوجود اپنے عمل پر ناز کی بجائے نیاز ہی نیاز۔

نیکی کرنے کے بعد بھی ڈرتے رہنا چاہیئے:

حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام بیت اللہ کی تعمیر فرما رہے ہیں، تعمیر بھی ایسی کہ صرف مال نہیں بلکہ اپنی جان بھی اس میں لگا رہے ہیں۔ گارا خود بناتے، اینٹیں خود اٹھا کر لاتے اور لگاتے۔

پھر تعمیر بھی اپنی طرف سے نہیں، بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ کے حکم سے کر رہے ہیں، لیکن دل کا حال یہ ہے کہ ہر وقت ڈر لگا ہوا ہے کہ معلوم نہیں ہمارا یہ عمل قبول بھی ہے یا نہیں، اس لئے ہر وقت یہ دعاء جاری ہے:

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (۲: ۱۲۷)

"اے ہمارے رب! ہماری کوششوں کو قبول فرما۔ بیشک تو سننے والا ہے جاننے والا ہے۔"

اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کے ساتھ معاملہ دیکھئے کہ وحی کے ذریعہ یہ نہیں فرمادیا کہ ہاں مطمئن رہو ہم نے قبول کر لیا، وہ تو اپنے بندہ کو اسی حال میں دیکھنا چاہتے ہیں کہ ڈرتا رہے اور توبہ کرتا رہے۔

مگر آج کے شیطان یا نام کے مسلمان جنھیں لوگ بزرگ اور صوفی سمجھتے ہیں وہ کیا کہتے ہیں:

"کرتے رہو اور ڈرتے رہو، کا مطلب یہ ہے کہ گناہ کرتے رہو اور ڈرتے رہو۔"

گناہ کرتے کرتے لوگوں کی عقلیں مسخ ہوگئی ہیں، اتنی سی بات سمجھ میں نہیں آتی

کہ جو ڈرے گا وہ گناہ کرے گا کیسے ؟

ایک مثال سے سمجھ لیجئے، کسی سے سانپ کے بل میں انگلی ڈالنے کے لئے کہا جائے تو کیا کوئی ایسی ہمت کریگا ؟ اگرچہ انگلی ڈالنے سے نقصان پہنچنے کا یقین نہیں اسلئے کہ وہاں دوسرے بھی کئی احتمالات ہیں، مثلاً :

(۱) شاید وہ بل سانپ کا نہ ہو، کسی اور جانور کا ہو۔

(۲) اگر سانپ ہی کا ہو تو کیا ضروری ہے کہ سانپ اندر ہی ہو، شاید کہیں باہر گیا ہوا ہو۔

(۳) اگر اندر ہی ہو تو ضروری نہیں کہ ڈسنے کے لئے تیار بیٹھا ہو، ممکن ہے کہ سو رہا ہو۔

(۴) اگر جاگ بھی رہا تو کیا ضروری ہے کہ ضرور ڈسے گا۔

(۵) اگر ڈس بھی لے تو ضروری نہیں کہ اس کے ڈسنے سے کوئی مرجائے، کبھی کبھی اس کا زہر اُلٹا اثر بھی کرجاتا ہے اور صحت کے لئے مفید ثابت ہوتا ہے۔

اتنے سارے احتمالات کے باوجود کوئی شخص سانپ کے بل میں ہاتھ ڈالنے کی ہمت نہیں کرتا، اسلئے کہ اس کے دل میں ڈر اور خوف موجود ہے، اسی طرح جب کوئی شخص جہنم کے عذاب سے ڈرے گا اور اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہوگا تو وہ گناہ کیسے کریگا ؟

اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے حالات :

"کرتے رہو اور ڈرتے رہو" کا مطلب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھیے، جب یہ آیت نازل ہوئی :

وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ۝ (۲۳-۶۰)

"اور جو لوگ عمل کرتے ہیں جو کچھ کرتے ہیں اور ان کے دل اس سے خوفزدہ ہوتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے پاس جانے والے ہیں"۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دل میں ایک سوال پیدا فرمایا، اگر اللہ تعالیٰ کی یہ رحمت نہ ہوتی وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دل میں یہ سوال پیدا نہ فرماتے، تو آجکل کے صوفیوں کو ایک دلیل ہاتھ لگ جاتی،

وہ یہی کہتے رہتے کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ گناہ کرتے رہو اور ڈرتے رہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا:

"کیا اس آیت سے وہ لوگ مراد ہیں جو گناہ کرتے ہیں اور ڈرتے ہیں"؟

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"نہیں! اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو نیک اعمال کرتے ہیں اور ڈرتے ہیں"۔ نماز، روزہ، صدقات وخیرات کرتے ہیں اور ڈرتے رہتے ہیں کہ معلوم نہیں ہمارے اعمال اور ہماری نیکیاں قبول بھی ہیں یا نہیں ؎

نیکیاں یا رب مری بدکاریوں سے بد ہوئیں
وہ بھی رسوا کن ترے دربار میں بے حد ہوئیں

فرمایا:

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ (۱۱۰: ۳)

"اپنے رب کی تسبیح بیان کرتے رہو اور کثرت ذکر کے ساتھ استغفار بھی کرتے رہو"۔

ذکر اللہ کے ساتھ استغفار کی تلقین کی جا رہی ہے کہ معلوم نہیں ہماری یہ تسبیح قبول بھی ہے یا نہیں، کہیں اجر وثواب کی بجائے اس پر گرفت نہ ہو جائے۔ قبول اور اجر کے لائق تو نہیں مگر یا اللہ! تیرا کرم بڑا وسیع ہے، اس کرم کے صدقے سے تجھ سے دعاء کرتے ہیں کہ یا اللہ! قبول فرما، لیکن آج کا صوفی یہ کہتا ہے کہ گناہ کے بعد بھی استغفار نہیں، کرتے رہو اور ڈرتے رہو۔

اور فرمایا:

كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ ○ وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ○

(۱۸،۱۷: ۵۱)

اللہ کے بندے راتوں میں بہت کم سوتے ہیں۔ اوّل قلیلاً میں قلت، پھر تنوین میں قلت، من میں قلت، ما میں قلت، چار تاکیدوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہمارے بندے راتوں کو بہت کم سوتے ہیں، ساری رات عبادت میں گزار دیتے ہیں لیکن جب صبح ہونے لگتی ہے تو اپنی عبادت پر ناز نہیں کرتے کہ ہم نے ساری رات اللہ کی یاد میں گزاری بلکہ ڈرتے رہتے ہیں کہ معلوم نہیں ہماری عبادت قبول بھی ہے یا نہیں؟

اور فرمایا: اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ (۳: ۱۷)

ایسے ایسے اوصاف میں اسقدر کمال اور اتنا بلند مقام رکھنے کے باوجود آخر شب میں استغفار کرتے ہیں۔ اسی طرح ان لوگوں کی زندگیاں گزرتی ہیں۔ اپنی نیکیوں پر بھی استغفار کرتے رہتے ہیں۔ ہر وقت ڈر لگا رہتا ہے کہ قبول ہوئیں یا نہیں ہوئیں! اللہ تعالیٰ کا کرم دیکھئے کہ ہر طرف سے دستگیری کرتے ہیں کہ اگر ناز او عجب پیدا ہونے لگے تو تنبیہ فرمادی کہ تمہارا کوئی کمال نہیں سب کچھ ہمارے قبضۂ قدرت میں ہے اور اگر بہت زیادہ خوف اور مایوسی پیدا ہونے لگے تو یوں تسلی دیتے ہیں:

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا (۵۷: ۱۷)

اللہ تعالیٰ بارش کے ذریعہ مردہ زمین کو زندہ کر دیتے ہیں اور اسمیں پھل پھول پیدا فرما دیتے ہیں تو اسکی قدرت پر یہ کیا مشکل ہے کہ اپنی رحمت کی بارش سے تمہارے مردہ دلوں کو زندہ کر دے اور ان میں اپنی محبت داطاعت کے باغ لگا دے۔

یوں سوچا کریں کہ جس کریم نے عمل کی ظاہری صورت اور قالب کی توفیق عطاء فرمائی ہے وہی اس کے قبول کرنے والے بھی ہیں اگر قبول کرنا مقصود نہ ہوتا تو عمل کی ظاہری صورت کی توفیق کیوں عطاء فرماتے؟

یوں دعاء کیا کریں:

"یا اللہ! تونے جو عمل کی ظاہری صورت عطاء کی ہے، ہم تیرے اس کرم کا واسطہ دیکر تجھ سے یہ دعاء کرتے ہیں کہ اسمیں اپنے فضل سے روح بھی عطاء فرما، اسے قبول فرما"

جب مقام قرب زیادہ بلند ہوتا ہے تو کبھی خوف کی حالت غالب آجاتی ہے۔

ایک بزرگ پر یہ کیفیت غالب آگئی اور وہ بہت پریشان ہوئے تو جواب ملا ؎

گفت ایں اللہ تو لبیکِ ماست ✧ ایں فغان و آہ زاری پیکِ ماست

فرمایا:

"تمھیں جو ہمارا نام لینے کی توفیق ہوجاتی ہے یہی ہماری طرف سے قبولیت کا پیغام ہے" ایک بار "اللہ" کہنے کے بعد دوسری بار "اللہ" کہنے کی توفیق ہوجانا، ایک بار نماز پڑھنے کے بعد دوسری بار نماز کی توفیق ہوجانا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبولیت

کی علامت ہے، اسی لئے تو دوسری بار اپنا نام لینے کی اور اپنے دربار میں حاضری کی توفیق دیدی ع

این فغان و آہ و زاری پیک ماست

اگر ہماری محبت اور خوف سے رونا آتا ہے، گڑگڑاتے ہو، چیختے ہو، چلاتے ہو تو یہ اس بات کا پیغام ہے کہ تم ہمارے دربار میں حاضر ہو، بس اب مطمئن رہو، زیادہ مت ڈرا کرو، اُمید بھی رہے اور خوف بھی۔

اَلْاِیْمَانُ بَیْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَا

"ایمان خوف اور اُمید کے درمیان ہے۔"

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا حال بیان فرماتے ہیں:

وَیَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَیَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ (۱۷ : ۵۷)

"اور وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے اُمیدوار اور اس کے عذاب سے خوفزدہ رہتے ہیں۔"

دوسری جگہ فرمایا:

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا (۳۲ : ۱۶)

"ان کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں، اپنے رب کو خوف اور امید سے پکارتے ہیں۔"

استغفار کی حقیقت:

غرضیکہ اہل اللہ کو اپنی عبادت پر ناز نہیں ہوتا بلکہ وہ عبادتوں کے ساتھ ساتھ کثرت سے استغفار بھی کرتے رہتے ہیں بہت سے لوگ استغفار کو صرف وظیفہ کے طور پر پڑھتے ہیں، کسی نے روزانہ سو بار پڑھنے کا معمول بنا رکھا ہے، کسی نے صبح و شام پڑھنے کا معمول بنا رکھا ہے، لیکن صرف پڑھنے سے کام نہیں چلے گا جب تک استغفار کی حقیقت دل میں نہیں اُتاریں گے، استغفار کی حقیقت یہ ہے کہ آپ واقعۃً اپنے آپ کو گنہگار سمجھ کر دل پر ندامت طاری کر کے یوں کہیں:

"یا اللہ! میں اقراری مجرم ہوں، اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں" یا اللہ! تو مجھے معاف کر دے، آیندہ کے لئے گناہوں سے میری حفاظت فرما، یا اللہ! میں بہت عاجز ہوں، نفس و شیطان، بُرا ماحول اور بُرا معاشرہ غالب ہے، انکے مقابلے میں تو میری مدد فرما، دستگیری فرما، تیری مدد ہو تو مجھ پر کسی کا کوئی زور نہیں چل سکتا۔"

اس استغفار اور دعاء کا معمول بنالیں، یہ بہت ہی اکسیر نسخہ ہے اسکی قدر کریں
اللہ تعالیٰ توفیق عطاء فرمائیں۔

اہل اللہ کا خوف آخرت:

اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:
رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ (۲۴ : ۳۷)
اللہ تعالیٰ کے بندے وہ ہوتے ہیں جنھیں دُنیا کا بڑے سے بڑا نفع بھی اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں رکھ سکتا، ہر کام پر اللہ تعالیٰ کی یاد مقدم رہتی ہے، اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ رہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ ہر وقت اللہ، اللہ کرتے رہتے ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ان سے نہیں ہو پاتی،
اللہ تعالیٰ کی یاد ان کی زبان کے علاوہ ان کے دلوں میں بھی اتنی رچ بس جاتی ہے کہ اگر کبھی بڑی سے بڑی منفعت بھی انکے سامنے آجائے تو وہ بھی انھیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری سے غافل نہیں کرسکتی، وہ اللہ تعالیٰ کے تعلق کو بھول نہیں جاتے، انھیں ہر وقت یہ خیال لگا رہتا ہے:
”میرا مالک مجھے دیکھ رہا ہے، ہر وقت یہ فکر لگی رہتی ہے کہ میرا مالک کہیں مجھ سے ناراض نہ ہوجائے، میں ساری دُنیا کو ٹھکرا سکتا ہوں لیکن اپنے مالک کو ناراض نہیں کرسکتا“
لیکن اتنا اونچا مقام ہوتے ہوئے بھی انکے دل میں عجب وکبر پیدا نہیں ہوتا کہ ہم اتنے بڑے ہیں بلکہ عاجزی وانکساری کی یہ کیفیت ہوتی ہے،
يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ۝
قیامت کے خوف سے ان کے دل دہل رہے ہوتے ہیں کہ اس دن کی ہولناکیوں سے دل اُلٹ پلٹ جائیں گے، شدتِ خوف سے قیامت کا نقشہ انکے سامنے رہتا ہے

ایک شبہہ کا ازالہ:

کسی کو یہ خیال ہوسکتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک دعاء کی تلقین فرمائی ہے:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ الَّذِیْنَ اِذَآ اَحْسَنُوْا اسْتَبْشَرُوْا وَاِذَآ اَسَاۤءُوْا اسْتَغْفَرُوْا

"یا اللہ! مجھے ان لوگوں میں سے بنا دے کہ جب ان سے کوئی اچھا کام ہو جائے تو خوش ہوتے ہیں اور اگر کوئی برا کام ہو جائے تو فوراً استغفار کر لیتے ہیں۔"

اس دعاء میں تو یہ ہے کہ نیک کام سے خوش ہونا چاہیے حالانکہ اس سے پہلے جو آیات بتائی ہیں انہیں یہ تھا کہ اللہ کے نیک بندے نیک کام کرنیکے بعد خوش نہیں ہوتے بلکہ ڈرتے رہتے ہیں کہ معلوم نہیں ہماری عبادات قبول بھی ہیں یا نہیں،

اس اشکال کا جواب ما قبل کی تفصیل میں بتا چکا ہوں کہ دل میں دونوں حالتیں پیدا ہونی چاہئیں، خوشی بھی اور خوف و ندامت بھی، جیسے کسی عورت کو بچہ پیدا ہونے والا ہوتا ہے تو وہ عین موقع پر ڈر رہی ہوتی ہے کہ معلوم نہیں کیا حالت ہوگی، کہیں مر نہ جاؤں، اور خوش بھی ہوتی ہے کہ کیا گوہر ملنے والا ہے جیسے بچہ پیدا ہونے کی خوشی ہے اسے خوشی کے ساتھ خوف بھی لگا ہوا ہے، اسی طرح جسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق ہو جائے ان کی محبت دل میں پیدا ہو جائے، نیک اعمال کی توفیق مل جائے، گناہ چھوٹنے لگ جائیں، ایسی حالت میں اس کا دل خوشی سے بھرا رہے گا مگر ساتھ ہی یہ خیال بھی لگا رہے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اتنی بڑی نعمت سے نوازا ہے، یہ محض انہی کی عطاء اور انہی کا کرم ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھ سے کوئی غلطی ہو جائے، میری کسی حالت پر وہ ناراض ہو جائیں اور یہ ساری نعمتیں چھن جائیں تو پھر کیا بنے گا، اس لئے وہ ڈرتا رہتا ہے، اس طرح دونوں کیفیتیں دل میں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔

اس حالت کو یوں بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ اہل اللہ عبادت کی ظاہری صورت پر خوش ہوتے ہیں کیونکہ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ ان سے عبادت کی ظاہری صورت بھی نہیں بن پاتی، مگر جب وہ یہ سوچتے ہیں کہ ان کی عبادت میں روح بھی ہے یا نہیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ تو ہے ہی نہیں، اس پر وہ روتے ہیں، گڑگڑاتے ہیں، استغفار کرتے ہیں۔

ایک دوسری تعبیر یوں بھی کی جا سکتی ہے کہ عبادت کی توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملی، یہ ان کا انعام ہے، ان کا کرم ہے، پھر یہ سوچتے ہیں کہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کا یہ کرم اور دوسری طرف یہ حالت کہ میں نے اسے صحیح طریقہ پر ادا نہیں کیا، عبادت

کا حق ادا نہ ہوا، میں بہت ناقص ہوں، عبادت کی کمیت ہی نہیں بن پا رہی کیفیت تو کیا ہوگی، اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت ہوتی ہے تو خوشی ہوتی ہے اور اپنی حالت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو ندامت ہوتی ہے، اس پر استغفار کرتے ہیں۔

عبادت کے قبول ہونے کی میں نے یہ جو علامت بتائی ہے کہ انسان کہتا بھی رہے اور ڈرتا بھی رہے، یہ علامت اور معیار عام ہے خواہ کوئی متعدی خدمت انجام دے رہا ہو یا نجی عبادت میں مشغول ہو دونوں صورتوں میں یہ حالت رہنی چاہیے۔

اخلاص و قبول کی تیسری علامت

لوگوں میں تبلیغ کرنے کی بجائے خلوت میں زیادہ دل لگنا:

جو شخص دوسروں تک دین پہنچا رہا ہو اگر اس کی طبیعت اور اصل مذاق یہ ہو کہ خلوت میں اللہ تعالیٰ کی یاد کے لئے دل بے چین رہتا ہو، نہ کسی سے ملنے کو دل چاہتا ہو نہ کسی سے بات کرنے کو گویا یہ حال بنا ہوا ہو ؎

مجھے دوست چھوڑ دیں سب کوئی مہرباں نہ پوچھے
مجھے میرا رب ہے کافی مجھے کُل جہاں نہ پوچھے
شب و روز میں ہوں مجذوب اور یاد اپنے رب کی
مجھے کوئی ہاں نہ پوچھے مجھے کوئی ہاں نہ پوچھے

لوگوں کو تبلیغ کرنے میں طبیعت پر بہت بوجھ پڑتا ہو مگر مالک کے حکم کی تعمیل میں مجبوراً تبلیغ کر رہا ہو تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس کی تبلیغ اور دینی خدمات اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہیں۔

اور اگر خلوت میں بیٹھنے سے دل گھبراتا ہو، ہر وقت لوگوں میں تبلیغ اور بیان کرنے کا شوق چڑھا رہتا ہو تو یہ اس کی علامت ہے کہ اس کی دینی خدمات قبول نہیں، اس لئے کہ وہ یہ خدمات اللہ کے لئے نہیں کر رہا، اللہ کے قانون کی خلاف ورزی کرکے اپنے نفس کے لئے کر رہا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت اور اصل مذاق یہ تھا:

حُبِّبَ اِلَيْهِ الْخَلَاءُ

"اللہ تعالیٰ نے آپکے لئے خلوت کو محبوب بنا دیا تھا"

تبلیغ کے لئے لوگوں میں بیٹھنا آپ کو طبعًا بہت گراں تھا، اسلئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا:

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ (۱۸ : ۲۸)

"اور آپ اپنے کو ان لوگوں کے ساتھ مقید رکھا کیجئے جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت محض ان کی رضاجوئی کے لئے کرتے ہیں"۔

یعنی ہم جانتے ہیں کہ لوگوں میں بیٹھنا آپ پر گراں ہے، اس لئے آپ کو حکم دیا جاتا ہے کہ تبلیغ کی خاطر اپنی طبیعت پر جبر کر کے لوگوں کے ساتھ بیٹھا کریں۔

دل تو ہر وقت بلا واسطہ محبوب کے دیدار کے لئے بے چین ہے مگر اسکا حکم ہے کہ دوسروں تک میری باتیں پہنچاؤ، اس لئے محبوب کے حکم کی تعمیل میں اپنی خواہش کو فنا کر دیتے ہیں ؎

اريد وصاله ويريد هجری فاترك ما اريد لما يريد

"میں تو محبوب کا وصال چاہتا ہوں اور محبوب میرا فراق چاہتا ہے پس میں اپنی خواہش کو محبوب کی خواہش پر قربان کرتا ہوں"۔ ؎

نہ دیکھا جائے گا خونِ تمنّا اپنی آنکھوں سے
مگر تیرے لئے جانِ تمنّا یہ بھی دیکھیں گے

اخلاص و قبول کی چوتھی علامت

دینی خدمات قوانین شریعت کے مطابق ہوں:

دنیا میں انسان جو کام بھی کرتا ہے خواہ دنیا کا کام ہو یا دین کا، اللہ تعالیٰ کی جو عبادت بھی کرتا ہے اور شریعت کے جس حکم کی بھی تعمیل کرتا ہے ان سب کاموں، عبادتوں اور احکام کو بجالانے کے کچھ قوانین مقرر ہیں، اللہ تعالیٰ نے انسان کو ان قوانین کا پابند بنایا ہے، اس کی مرضی اور طبیعت کے حوالہ نہیں کر دیا ہے کہ جس طرح دل میں آئے اسی طرح کرو، فرمایا:

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى (۷۵ : ۳۶)

"کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ اسے یونہی مہمل چھوڑ دیا جائے گا"

ہر کام کرتے وقت انسان یہ سوچتا رہے کہ میں قانون کا بندہ ہوں، اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قوانین سے سرمو برابر بھی میں ادھر ادھر نہیں جاسکتا، اگر ان قوانین کیمطابق کام کیا تو اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہوگی، ان کی رضا حاصل ہوگی، مقصد میں کامیابی حاصل ہوگی، اور اگر بالفرض قانون پر چلنے سے کام نہیں بنا بلکہ بگڑ گیا، ہوا ہی نہیں تو پھر بھی میں کامیاب ہوں، اسلئے کہ میری کامیابی اسی میں ہے کہ مالک کے قوانین کے خلاف نہ کروں، اگر قوانین کے خلاف کر کے میں نے ساری دنیا بھی فتح کرلی تو آخرت میں جہنم میں پھینکا جاؤں گا، وہاں یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ کام کتنا کیا؟ وہاں تو یہ پوچھا جائے گا کہ ہمارے قوانین کے مطابق کیا یا نہیں؟

لہٰذا جو لوگ اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں اگر وہ قوانین کی پابندی کرتے ہوئے دین کا کام کرتے ہیں تو ان کی دینی خدمات قبول ہیں اور اگر اپنے دل میں جو کچھ آیا اسکے مطابق کرلیا، قوانین کی رعایت نہیں کرتے، تو وہ اپنے نفس کے بندے ہیں، اللہ تعالیٰ کے بندے نہیں، ان کی دینی خدمات اپنے نفس کیلئے ہیں اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں، ان کی تبلیغ قبول نہیں، خواہ وہ تبلیغ اہلِ مدرسہ کی ہو، اھلِ سیاست کی ہو، اہلِ خانقاہ کی ہو یا جنھیں "تبلیغی" کہتے ہیں ان کی ہو، کسی کی بھی قبول نہیں، وہاں کسی کی رعایت نہیں سب کے لئے اللہ تعالیٰ کا ایک ہی قانون ہے۔

اب نمبر وار اللہ تعالیٰ کے قوانین بتاتا ہوں، جو لوگ دین کے کام میں لگے ہوئے ہیں وہ انھیں سامنے رکھ کر اپنے حالات کا جائزہ لیتے رہیں اور سوچیں کہ ان کی دینی خدمات اللہ تعالیٰ کے لئے ہو رہی ہیں یا اپنے نفس کے لئے۔

دینی کام کرنے والوں کے لئے شریعت کے قوانین

پہلا قانون، کسی بھی مصلحت سے چھوٹے سے چھوٹا گناہ بھی جائز نہیں

پہلا قانون اللہ تعالیٰ کا یہ ہے کہ تم ہمارے دین کی خدمت کرو لیکن دین کی خدمت کے لئے ہمارے قوانین میں کہیں بھی تمھیں ترمیم کرنے کی اجازت نہیں، ہم نے دین کو قیامت تک کے لئے مکمل کردیا ہے، قیامت تک ہونے والے واقعات مصلحتیں

کمتیں سب ہماری نظر میں ہیں۔

کہیں کسی کو یہ اختیار نہیں کہ وہ کسی مصلحت سے اللہ تعالیٰ کے قوانین میں کوئی تبدیلی
رے یا کسی مصلحت سے کسی قانون کو چھوڑ دے یا کوئی گناہ کرلے یا کسی کے ساتھ گناہ
یں شریک ہوجائے، اس کی کوئی گنجائش نہیں، خواہ وہ مصلحت لوگوں کو دعوت و
بلیغ میں جوڑنے کی ہو، اہلِ سیاست کی سیاسی مصلحت ہو، اہلِ مدرسہ کے لئے
درسہ کو باقی رکھنے کی مصلحت ہو، کسی بھی مصلحت سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی جائز نہیں۔

ہلِ تبلیغ کا ایک غلط نظریہ:

بہت سے تبلیغ والے کہتے ہیں:

”لوگوں کو دین کی طرف بلانے کے لئے مصلحت کی خاطر گناہ کرنا جائز ہے مصلحت
سے گناہوں کی مجلس میں شامل ہوجاؤ، بدعات میں شریک ہوجاؤ، بینک والوں کی
عوتیں قبول کرلو، ان کی گاڑیوں میں بیٹھ جاؤ، یہ سارے گناہ مصلحت کی خاطر جائز ہیں
لکہ ایسا کرنے میں ثواب ہے۔“

کسی مصلحت کی خاطر گناہ کے جائز ہونے میں تین قسم کے نظریات ہوسکتے ہیں:

① کسی کا نظریہ یہ ہوسکتا ہے کہ لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے سارے
ی گناہ جائز ہوں۔ کفر، شرک، بدعت، زنا، چوری، ڈکیتی، شراب پینا، خنزیر
ھانا، ناحق قتل کرنا، یہ سارے گناہ حلال ہوجائیں۔

میرے خیال میں یہ نظریہ کسی کا نہیں ہوسکتا، لیکن گناہوں کو حلال کرنے
ی جو رَو چل رہی ہے اس سے خطرہ ضرور ہے کہ کہیں آئندہ لوگوں کا یہی نظریہ نہ
ن جائے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو محفوظ رکھیں، آمین۔

② دوسرا نظریہ یہ ہے کہ دین کی کسی بھی مصلحت کی خاطر چھوٹے سے چھوٹا گناہ
بھی جائز نہیں۔

یہ وہ حقیقت ہے جو میں ہمیشہ بتاتا رہتا ہوں کہ کسی حال میں بھی کسی مصلحت
سے بھی کوئی گناہ جائز نہیں ہوسکتا، دعوت کا وہ طریقہ ہی ناجائز ہے جس میں گناہوں
کے ذریعے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی جائے، وہ دعوت خود ہی گناہ ہے۔
آگے یہ مضمون تفصیل سے آرہا ہے، مرتب)

(۳) تیسرا نظریہ یہ ہو سکتا ہے کہ مصلحت کی خاطر بعض گناہ تو جائز ہو جاتے ہیں اور بعض نہیں ہوتے۔

جن لوگوں کا یہ نظریہ ہے وہ یہ بتائیں کہ اس کا ان کے پاس کوئی معیار بھی ہے کہ کون سے گناہ جائز ہو جاتے ہیں اور کونسے ناجائز؟ بینک، انشورنس اور کسٹم جیسی حرام آمدنی والوں کے یہاں کھانے پینے کو تو ان لوگوں نے حلال کر دیا، تو زنا، شراب، خنزیر اور مردار وغیرہ کیوں حلال نہیں؟ بتائیے! ان میں اور ان میں کوئی فرق ہے؟ یہ بھی حرام وہ بھی حرام، بلکہ سود کی حرمت تو دوسری حرام چیزوں سے زیادہ ہے، جس کے دین کی دعوت دے رہے ہیں ان کا ارشاد سن لیجئے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"سود کا ایک درہم چھتیس ۳۶ زنا سے بدتر ہے" (مسند احمد)

دوسرا ارشاد:

"سود میں تہتر گناہ ہیں ان میں سب سے چھوٹا گناہ اپنی ماں سے زنا کرنے کے برابر ہے۔ (حاکم علی شرط الشیخین)

تیسرا ارشاد:

"مجھے شب معراج میں ایک ایسی قوم کے پاس سے لیجایا گیا جن کے پیٹ اتنے بڑے تھے جیسے کمرے، ان میں بڑے بڑے سانپ تھے جو ان کے پیٹ کے باہر سے نظر آرہے تھے۔ میں نے کہا اے جبرئیل! یہ کون لوگ ہیں، انھوں نے کہا کہ یہ لوگ سود کھانے والے ہیں" (مسند احمد)

مجالس بدعات، میلاد، قرآن خوانی، تیجہ، چالیسواں میں شرکت کو بھی جائز کر دیا، بدعت جتنا بڑا گناہ تو دنیا میں ہو ہی نہیں سکتا، اگر دین کی تبلیغ کی خاطر بدعات میں شامل ہونا جائز ہو گیا تو ہر بڑے سے بڑا گناہ جائز ہو گیا، پھر یہ تبلیغ دین کی نہ رہی گناہ کی تبلیغ ہو گئی، ہونا تو یہ چاہیئے کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ جوڑیں، مگر یہ خود ان لوگوں کے ساتھ جڑ رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے کٹے ہوئے ہیں۔ یہ بھی سوچیں کہ آپکے اس رویہ سے ان لوگوں پر آپکی تبلیغ کا کیا اثر ہوگا؟ آپ خود ہی گناہ نہیں چھوڑ رہے تو وہ کیسے چھوڑیں گے؟

اہلِ تبلیغ سے تین باتیں :

ایسے تبلیغی لوگوں سے میں تین باتیں کہتا ہوں ، ان پر خوب غور کریں ۔ ع
شاید کہ اُتر جائے کسی دل میں مری بات

وہ تین باتیں یہ ہیں :

(۱) کیا تبلیغ کی غرض سے جوڑ پیدا کرنے کے لئے ہر قسم کے گناہ جائز ہیں ؟ کفر، شرک، بدعت ، زنا ، شراب ، جوا ، سود ، رشوت ، بے پردگی ، بے حیائی ، تصویر اور ٹی وی کی لعنت ، چوری ، ڈکیتی وغیرہ ہر قسم کی بدمعاشی اور فحاشی ، کیا بغرض تبلیغ یہ سب کچھ جائز ہوجاتا ہے ؟ اگر نہیں تو پھر کوئی معیار بتایئے کہ فلاں فلاں گناہ ناجائز ہیں اور باقی جائز ۔

(۲) آپ جب فساق و فجار کے ساتھ گناہوں میں شریک ہوتے ہیں تو آپ ان کو رحمٰن سے نہیں جوڑ رہے بلکہ خود ان کے ساتھ مل کر شیطان سے جڑ رہے ہیں ، انکو اپنے ساتھ ملا کر جنت میں نہیں لے جارہے بلکہ خود انکے ساتھ ملکر جہنم میں جارہے ہیں ۔

(۳) جب آپ اپنی مقدس صورت لیکر لوگوں کے ساتھ گناہوں میں شامل ہونگے تو آپ کے اس رویّہ کی وجہ سے وہ لوگ دو خرابیوں میں سے ایک میں ضرور مبتلا ہونگے :

(۱) اوّلاً تو وہ یہ اثر لیں گے کہ جب دنیا بھر میں دعوت و تبلیغ کا کام کرنیوالے پارسا حضرات بھی ان بدعات ، منکرات اور فواحش سے نہیں بچتے تو یہ ان چیزوں کے حلال و جائز ہونے کی دلیل ہے ۔ پہلے تو وہ لوگ ان محرمات کو حرام سمجھتے ہوئے ان کا ارتکاب کرتے تھے ، شاید کبھی توبہ و استغفار کی توفیق ہوجاتی ہو، کم از کم ندامت تو ہوتی ہی ہوگی ، مگر آپ کے جوڑ کے بعد تو سب کچھ حلال ہی ہوگیا ، ایسے حالات میں فواحش سے بچنے یا ندامت اور توبہ و استغفار کی ضرورت ہی نہ رہی ۔

(۲) اگر انھوں نے محرمات کو حلال سمجھنے کا سبق آپ سے نہ بھی پڑھا تو کم از کم اتنا اثر تو لازماً لیں گے کہ محرمات و فواحش کو بہت خفیف اور بہت ہلکے سمجھنے لگیں گے ، اور یہ عقیدہ رکھیں گے کہ انسان بڑے سے بڑے گناہوں کے ارتکاب کے باوجود بھی پورا دیندار اور کامل مسلمان بلکہ دین اسلام کا داعی بھی بن سکتا ہے ۔

پھر وہ بھی جماعت میں داخل ہوجائیں گے، آپ تو پہلے ہی سے ان کو جوڑنے کی خاطر خوب گناہ کررہے تھے، اب وہ بھی گناہوں سے تائب ہوئے بغیر آپکے ساتھ مل گئے، بلکہ دوسروں کو جوڑنے کے لئے اور بھی زیادہ گناہ کریں گے، اس طرح تو تبلیغ دین کرنے والی یہ پوری جماعت فساق و فجار ہی کی بن کر رہ جائے گی۔

خدارا ذرا سوچئے کہ پھر یہ دین کی تبلیغ ہوگی یا فسق وفجور اور بدعات ومنکرات کی؟

تبلیغ کی خاطر گناہوں میں شریک ہونیوالوں کی مثال:

جو لوگ تبلیغ کی خاطر گناہوں میں شریک ہوجاتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص سمندر میں ڈوب رہا ہو، اسے بچانے والا یا تو کوئی ماہر تیراک ہو یا اسکے پاس کوئی کشتی ہو پھر تو وہ اسے ڈوبنے سے بچالے گا، ورنہ جو شخص اسے بچانے کی خاطر خود بھی اسکے ساتھ سمندر میں بہتا چلا جائے وہ اسے بچانے کی بجائے خود بھی ڈوبے گا،

اسی طرح جو لوگ کسی کو گناہ میں مبتلا دیکھ کر اسے گناہ سے نکالنے کی بجائے خود بھی اسکے ساتھ گناہوں میں شریک ہوجاتے ہیں وہ اسے جہنم سے بچانے کی بجائے خود ہی جہنم میں گرے جارہے ہیں۔

ایک پیر صاحب کا واقعہ:

پنجاب سے ایک مشہور پیر صاحب کراچی آئے ہوئے تھے جو تبلیغ میں بھی بہت چلّے لگاتے ہیں، جس مکان میں وہ ٹھہرے ہوئے تھے ان گھر والوں کے ساتھ ٹی وی دیکھتے ہوئے کسی نے انھیں دیکھ لیا، پوچھا آپ کو تو چاہیئے کہ انھیں روکیں، آپ خود ہی انکے ساتھ گناہ میں شریک ہیں؟ وہ پیر صاحب کہنے لگے:

"ہم اگر ان لوگوں کے ساتھ شریک نہوں تو ان کی اصلاح کیسے ہوگی؟"

آج کے پیر گناہوں میں شریک ہونے کو لوگوں کی اصلاح کا ذریعہ بتا رہے ہیں، دوسروں کو جہنم سے بچانے کی خاطر خود جہنم کا ایندھن بن رہے ہیں۔

اہل مدارس کا غلط نظریہ:

اہلِ مدارس بھی بہت سے ناجائز اور حرام کام مصلحت کی خاطر کرلیتے ہیں، جب ان سے کہا جائے کہ یہ کام تو ناجائز ہے تو جواب میں کہتے ہیں کہ اس میں مدرسہ کی مصلحت ہے۔

مدارس تو اسلئے ہیں کہ دین کی حفاظت ہو، دین کے ایک مسئلہ کی خاطر ہزاروں مدارس بلکہ دنیا بھر کے مدارس قربان ہو جائیں لیکن یہاں مدرسہ کی حفاظت اور مصلحت کی خاطر دین کو قربان کیا جارہا ہے، معلوم ہوا کہ اللہ کے لئے کام نہیں کررہے اپنی نفس پرستی اور تن پرستی کے لئے کام کررہے ہیں۔

جو لوگ اللہ کے لئے دین کا کام کرتے ہیں انکے اعمال اور نظریئے کیسے ہوتے ہیں؟

اللہ کے لئے کام کرنیوالوں کے حالات:

دارالعلوم دیوبند کا واقعہ ہے، قصبہ دیوبند میں ایک شخص صاحب ثروت اور با اثر رہا کرتا تھا لیکن وہ صالح اور نیک نہیں تھا، اس نے ایک بار یہ مطالبہ شروع کر دیا کہ اسے دارالعلوم کی مجلسِ شوریٰ کا رکن بنایا جائے۔

حضرت گنگوہی قدس سرہٗ اسوقت دارالعلوم کے سرپرست تھے، وہ اسے رُکن بنانے پر آمادہ نہ ہوئے، مدرسہ کی شوریٰ کا رُکن تو صالح لوگوں کو بنایا جاتا ہے۔

حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

”میں نے حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کی خدمت میں لکھا کہ حضرت میری یہ رائے ہے کہ اسے رُکن بنالیا جائے، اسے رُکن بنانے میں کوئی نقصان نہیں، اسلئے کہ فیصلہ تو کثرت رائے سے ہوگا اور اکثریت ہم لوگوں کی ہے،

اور اسے رُکن نہ بنانے میں دارالعلوم کو سخت نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے کیونکہ یہ بہت شریر ہے مال و دولت والا بھی ہے اور اثر ورسوخ والا بھی، دارالعلوم کو نقصان پہنچائے گا، اس لئے مصلحت اسی میں ہے کہ اسے رُکن بنالیا جائے۔“

حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کا جواب سنیئے اور دلوں میں اُتار لیجئے، اللہ کرے کہ دلوں میں اُتر جائے، بات سمجھ میں آجائے، فرمایا:

”میں اسے ہرگز رکن نہیں بناؤں گا، اس لئے کہ اسے رُکن بنانے کی صورت میں جب اللہ تعالیٰ کے ہاں پیشی ہوگی، اگر اللہ تعالیٰ نے پوچھ لیا کہ نالائق کو رُکن کیوں بنایا؟ تو میرے پاس اسکا کوئی جواب نہیں، اور اگر میں نے اسے رُکن نہیں بنایا تو اوّلاً تو یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قانون اور مرضی کے مطابق کام کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی مدد ہوگی، دارالعلوم کو ترقی ہوگی نقصان نہیں پہنچے گا، جس کے ساتھ اللہ ہو اسے کوئی نقصان

پہنچائے! اللہ کو ساتھ لینے والے کو کبھی دنیا کا کوئی فرد بلکہ پوری دنیا کے لوگ مل کر بھی کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

اور اگر بالفرض کوئی نقصان پہنچا بھی تو زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا ہے کہ دار العلوم بند ہو جائے گا۔

اسے رکن نہ بنانے سے اگر دار العلوم بند ہو گیا تو قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی اور سوال ہوگا کہ ایسا کیوں کیا؟ تو میں جواب میں یہ کہہ سکوں گا:

"یا اللہ! میں نے تیرے قانون کے مطابق کام کیا، غیر صالح کو رکن نہیں بنایا، دار العلوم میرا تو تھا نہیں تیرا ہی تھا، اس کا چلانا اور بند کرنا تیرے قبضۂ قدرت میں تھا، جب تو نے اسے نہیں چلایا تو ہم کون ہو سکتے ہیں چلانے والے؟"

جو لوگ اللہ کے لئے دین کا کام کرتے ہیں، جن کے دلوں میں اخلاص، فکر آخرت اور حساب و کتاب کا خوف ہوتا ہے وہ دین کے چھوٹے سے چھوٹے مسئلہ کی حفاظت میں بڑی سے بڑی مصلحت کو قربان کر دیتے ہیں۔ حضرت گنگوہی قدس سرہ کی استقامت کا یہ ثمرہ نکلا کہ وہ شخص چیختا چلاتا رہ گیا اور دار العلوم کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکا بلکہ دار العلوم ترقی پہ ترقی کرتا چلا گیا۔ (اہلِ مدارس کی بدعنوانیوں کے بارے میں حضرت والا کا ایک مستقل وعظ بھی ہے، بنام "**مدارس کی ترقی کا راز**" مرتب)

اہلِ سیاست کا غلط نظریہ:

اہلِ سیاست بھی اپنے خیال میں دین کی تبلیغ اور خدمت کر رہے ہیں، مگر اپنی سیاسی مصلحت کے لئے بہت سے ناجائز و حرام کاموں کا ارتکاب کر لیتے ہیں، جب ان سے کہا جاتا ہے کہ یہ ناجائز کام آپ کیوں کرتے ہیں؟ تو وہ کہتے ہیں کہ اسمیں ہماری سیاسی مصلحت ہے، جب ہماری حکومت ہو جائے گی تو ہم پورے ملک میں مکمل اسلام نافذ کر دیں گے۔ اپنے اس غلط نظریے کے لئے یہ لوگ ایک حدیث سے غلط استدلال بھی کرتے رہتے ہیں۔

غلط استدلال اور اسکا جواب:

بعض سیاسی لوگ اس واقعہ سے استدلال کرتے ہیں:

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت اللہ کی تعمیرِ جدید کا خیال تھا، اس طرح کہ نیچے سے چبوترا نکال کر اسے زمین کے برابر کر دیا جائے، اور مشرق کی طرح مغرب

کی طرف ایک دروازہ کھولدیا جائے اور حطیم کو بھی بیت اللہ میں داخل کردیا جائے۔"
مگر چونکہ بہت سے لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے، انھیں اپنے آباء و اجداد کی پرانی تعمیر سے محبت تھی، اس لئے نئی تعمیر سے خطرہ تھا کہ بہت سے لوگ اسلام کو چھوڑ دیں گے اور جو لوگ ابھی تک اسلام نہیں لائے ان میں نفرت پیدا ہوجائے گی کہ انھوں نے ہمارے آباء و اجداد کی تعمیر گرادی، اسلئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا یہ ارادہ ترک فرمادیا۔"

اس واقعہ سے اہل سیاست یہ استدلال کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مصلحت اور حکمت کی بناء پر دین کا کتنا بڑا کام چھوڑ دیا۔

اہل سیاست کا یہ استدلال بالکل غلط ہے، اسلئے کہ پرانی تعمیر کو گراکر نئی تعمیر کرنے کا تعلق شریعت کے کسی مسئلہ سے نہیں تھا بلکہ یہ اُمورِ انتظامیہ سے تھا، بیت اللہ کی جدید تعمیر سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد محض بیت اللہ کو وسیع کرنا اور لوگوں کو سہولت پہنچانا تھا، شریعت کا کوئی مسئلہ اس سے متعلق نہ تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم کے سامنے تمام مصلحتیں قربان کردیں

البتہ جہاں شریعت کا کوئی مسئلہ اور اللہ تعالیٰ کا حکم سامنے آیا تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسوقت تمام مصلحتوں کو قربان کردیا، اس کی چند مثالیں سنیئے:

① حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متبنّٰی تھے جسے "لے پالک" کہتے ہیں، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں اپنا منہ بولا بیٹا بنایا تھا، انھوں نے اپنی بیوی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلاق دیدی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال آیا کہ ان سے نکاح کرلیا جائے، مگر ایک بہت بڑی دینی مصلحت سامنے آئی کہ لوگ اس زمانے میں اپنے منہ بولے بیٹے کی بیوی کو اپنی حقیقی بہو کی طرح حرام سمجھتے تھے، اگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کرلیا تو لوگ بداعتقاد اور بدظن ہوجائیں گے کہ یہ کیسا نبی ہے جو اپنی بہو سے نکاح کررہا ہے۔ ممکن ہے کہ جو لوگ ابھی نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں اور ان کا ایمان پختہ نہیں ہوا ہے وہ اسلام سے ہٹ جائیں، اور جو ابھی اسلام نہیں لائے وہ اسلام کی طرف آنے سے رُک جائیں گے، تبلیغ

اسلام کا بہت بڑا کام بند ہو جائے گا۔

مگر چونکہ یہ نکاح نہ کرنے سے کفار کے غلط عقیدہ کی تائید ہوتی جو اللہ کے قانون کے خلاف تھا کہ اللہ تعالیٰ نے منہ بولے بیٹے کی بیوی کو حلال کیا ہے اور ان لوگوں نے اسے حرام کر دیا تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ نازل ہوئی کہ ہمارے اس قانون کی حفاظت کیلئے تمام مصلحتوں کو قربان کرنا پڑیگا اور یہ نکاح ضرور کرنا پڑیگا خواہ کوئی اسلام لائے یا نہ لائے اور خدانخواستہ اسلام کی طرف آئے ہوئے مسلمان سارے کا فر ہی کیوں نہ ہو جائیں، اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر کھلے الفاظ میں قرآن کریم مبین حکم فرمایا کہ یہ نکاح لازماً کرنا پڑیگا اور نہ کرنے کی مصلحت سوچنے پر بہت سخت تنبیہ فرمائی، یہاں یہ بات بھی خیال میں رکھنے کی ہے کہ اسلام میں منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنا کوئی فرض واجب نہیں، صرف جائز ہی تو ہے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اتنی سختی سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسکا حکم فرمایا جیسے کسی بہت اہم فرض کا حکم دیا جاتا ہے۔

اس سے اسی حقیقت کو واضح کرنا اور اسکا اعلان کروانا مقصود تھا کہ کسی بڑی سے بڑی مصلحت کی خاطر اللہ کے کسی قانون کو نہیں توڑا جا سکتا۔ اہلِ سیاست، اہلِ مدارس اور تمام تبلیغ کے کام کرنے والوں کو اس واقعہ سے سبق حاصل کرنا چاہیئے کہ وہ اپنی جماعت، اپنی تنظیم اور اپنے ادارے کی چھوٹی چھوٹی مصلحتوں کی خاطر اللہ تعالیٰ کے کتنے قوانین کو توڑ رہے ہیں، جو لوگ اہلِ بصیرت اور معرفت ہوتے ہیں وہ تو یہ فرماتے ہیں:

"دین کے چھوٹے سے چھوٹے مسئلہ کے سامنے دنیا بھر کی مصالح کو مصالحے کی طرح پیس ڈالو، مصالحے کو جتنا زیادہ پیسا جاتا ہے سالن اتنا ہی زیادہ لذیذ بنتا ہے۔"

(۲) دوسرا قصّہ سنیئے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رؤسائے مشرکین سے مخاطب تھے، ایک نابینا صحابی حضرت عبد اللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر ہوئے اور کوئی مسئلہ دریافت کرنے لگے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکی طرف توجہ نہ فرمائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے وقت میں انکے سوال کرنے سے ناگواری ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن مبارک میں یہ مصلحت تھی:

"یہ تو اپنے ہی ہیں، انھیں استفادہ کا دوسرا موقع بھی مل سکتا ہے، ان مشرکین رؤسا کو سمجھانے کے لئے یہ موقع غنیمت ہے، ممکن ہے کہ یہ لوگ ایمان لے آئیں، ان سے اسلام کو بہت ترقی ہوگی۔"

مگر چونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ دستور اور قانون ہے: "جن لوگوں کے دلوں میں طلب ہو ان کی زیادہ رعایت کیجائے اور انھیں ان لوگوں پر مقدم رکھا جائے جن میں طلب نہیں۔"

اس لئے اللہ تعالیٰ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل پسند نہ آیا اور سورۂ عبس میں اس پر بہت سخت تنبیہ فرمائی:

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ۝ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۝ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى ۝ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۝ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۝ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ۝ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ۝ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ۝ وَهُوَ يَخْشٰى ۝ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى (۸۰: ۱ تا ۱۰)

"پیغمبر چیں بجبیں ہوگئے اور متوجہ نہ ہوئے اس بات سے کہ انکے پاس نابینا آیا، اور آپ کو کیا خبر شاید وہ سنور جاتا یا نصیحت قبول کرتا تو اس کو نصیحت کرنا فائدہ پہنچاتا، پھر جو شخص بے پروائی کرتا ہے آپ اس کی تو فکر میں پڑتے ہیں حالانکہ آپ پر کوئی الزام نہیں کہ وہ نہ سنورے اور جو شخص آپکے پاس دوڑتا ہوا آتا ہے اور وہ ڈرتا ہے آپ اس سے بے اعتنائی کرتے ہیں۔"

جو لوگ عربی جانتے ہیں اور جنھیں قرآن فہمی کی کچھ صلاحیت ہے وہی سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنی سخت تنبیہ فرمائی ہے، ان آیتوں کے نزول کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر کیا گزری ہوگی، اتنی سخت تنبیہ کیوں فرمائی گئی؟ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کے قانون کے مقابلہ میں مصلحت کو ترجیح دی جارہی تھی۔

اس واقعہ سے بھی دین کے کام کرنے والوں کو سبق اور عبرت حاصل کرنا چاہیے کہ اللہ کے قانون سے مصلحت کو مقدم کرنے پر جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اتنی سخت تنبیہ کی گئی تو آج جو یہ لوگ معمولی معمولی مصلحتوں کیلئے اللہ تعالیٰ کے قوانین کی کھلی خلاف ورزی کر رہے ہیں وہ کیا آخرت میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ جائیں گے اور دنیا میں انکے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت ہوگی؟ ہرگز ہرگز نہیں!

دوسرا قانون، کسی گناہ کو دیکھ کر روکنا فرض ہے

اب دوسرا قانون سنئے، میں نے پہلا قانون تو یہ بتایا ہے کہ کسی بڑی سے بڑی مصلحت کی خاطر کوئی چھوٹے سے چھوٹا گناہ کرنا بھی جائز نہیں، یہ دوسرا قانون اس سے بھی بڑا ہے، خود کسی گناہ میں مبتلا ہونا تو درکنار دوسروں کو گناہوں سے روکنا فرض ہے، اگر آپ کسی قسم کی کوئی متعدی خدمت انجام دے رہے ہوں یا تبلیغ کے کسی شعبے سے وابستہ ہوں تو امر بالمعروف اور نیکی کی تبلیغ کے ساتھ نہی عن المنکر اور برائیوں سے بچنے کی تبلیغ بھی فرض ہے، اگر صرف امر بالمعروف کرتے رہے اور برائیوں سے بچنے کی تبلیغ نہیں کی تو آپ نے ایک فرض تو ادا کر دیا لیکن دوسرے فرض کے تارک رہے، آپ کی یہ خدمت اور تبلیغ نامکمل ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جہاں بھی امر بالمعروف کا حکم فرمایا ہے ساتھ ہی نہی عن المنکر کا حکم بھی فرمایا ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (۳ : ۱۱۰)

"تم لوگ اچھی جماعت ہو کہ وہ جماعت لوگوں کیلئے ظاہر کی گئی ہے تم لوگ نیک کاموں کا حکم دیتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو۔"

اَلْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ (۹ : ۱۱۲)

"نیک باتوں کا حکم دینے والے اور بری باتوں سے باز رکھنے والے اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے۔"

البتہ نہی عن المنکر کے مختلف درجات اور مختلف طریقے ہیں جن کا بیان شروع میں تفصیل سے ہو چکا ہے۔

ایک غلط خیال کی اصلاح:

بعض لوگ کہتے ہیں کہ فساق و فجار کو اچھی مجالس اور نیک صحبت میں لانا بھی منکرات سے روکنے کا ایک طریقہ ہے، اچھی صحبت کے اثر سے کچھ کہے بغیر ہی گناہ چھوٹنے لگتے ہیں۔

اس طریقہ میں اتنی بات تو صحیح و مسلم ہے کہ اچھی صحبت کا اچھا اثر ہوتا ہے، مگر صرف اسی پر اکتفاء کرنا اور گناہوں کی تفصیل اور ان پر عذاب و وعیدیں نہ بتانا مداہنت ہے۔ اس میں کئی فسادات ہیں:

(۱) اگر منکرات سے روکنے کی اس تدبیر کو کافی سمجھ لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ معاذ اللہ! اس حکمت عملی کا اللہ تعالیٰ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان کے بعد چودہ سو سال تک پوری امت میں سے کسی کو بھی علم نہ تھا، معاذ اللہ! قرآن، حدیث اور فقہ کے ذخائر میں امر بالمعروف کے ساتھ نہی عن المنکر کا ذکر اور اس میں مداہنت پر وعیدیں سب بیکار ہیں اور حکمت عملی کے سراسر خلاف ہیں۔ جہاد، تعزیرات اور حدود و قصاص کے تمام احکام بالکل بے معنی اور سراسر ظلم ہیں۔

(۲) حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی صحبت و نصیحت سے زیادہ مؤثر کوئی چیز نہیں ہو سکتی، اس کے باوجود وہ بھی لوگوں کی ہدایت کے لئے کافی نہ ہوئی۔ اکثر نے قبول نہ کیا۔

(۳) اچھی صحبت میں آنے کے باوجود کئی گناہوں کے گناہ ہونے کا جب علم نہ ہوگا تو ان سے توبہ کیونکر کرے گا؟ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ تبلیغی جماعت میں عمریں صرف کر دینے والے کئی حضرات کو علم نہ تھا کہ شریعت کے مطابق پردہ نہ کرنا اور ڈاڑھی منڈانا یا کٹانا گناہ ہے، وہ اتنے بڑے کبیرہ گناہوں اور اللہ ورسول اللہ صلی علیہ وسلم کی علانیہ بغاوت کو ہلکا تو کیا صغیرہ گناہ بھی نہ سمجھتے تھے۔

(۴) اگر کوئی اچھی صحبت کے اثر سے ایسے گناہوں کو چھوڑ دیتا ہے تو وہ اس کو صرف بہتر حالت سمجھتا ہے، اس لئے وہ اس سے پہلے جو ان کبائر اور علانیہ بغاوتوں کا ارتکاب کرتا رہا ان سے توبہ کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتا حتی کہ اسی حالت میں یعنی کبیرہ گناہوں اور اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کھلی بغاوتوں سے توبہ کئے بغیر موت آجاتی ہے

(۵) اگر اچھی صحبت میں پہنچتے ہی محبت، نرمی اور دلسوزی سے ترک منکرات کی تبلیغ بھی خطاب عام کی صورت میں جاری رکھی جائے تو شاید سننے والا پہلے روز یا چند ہی دنوں کے بعد توبہ کرلے ورنہ کم از کم اس کے دل میں ندامت تو پیدا ہو ہی جائے گی اور خود کو اقراری مجرم سمجھنے لگے گا، یہ ندامتِ قلب بھی بہت بڑی دولت ہے۔

ترک منکرات کی تبلیغ نہ کرنے کی صورت میں اگر کسی کو محض اثر صحبت سے کچھ مدت کے کے بعد توبہ کی توفیق ہو بھی گئی تو توبہ سے قبل جتنا وقت گناہوں میں گزرے گا اس کا عذاب اور وبال ان مداہن لوگوں پر بھی ہوگا جو اس کی تبلیغ نہیں کرتے اور اگر توفیق توبہ سے قبل ہی موت آگئی تو ایک مسلمان کو جہنم میں پہنچانے کی ذمہ داری ان مداہن لوگوں پر ہوگی جنہوں نے اسے ترک منکرات کی تبلیغ نہ کی۔

تبلیغ کی شرعی حیثیت اور حدود ـــــــــ ۶۰

تیسرا قانون، تبلیغ بصورتِ قتال بھی فرض ہے

تبلیغ کے مختلف شعبے اور طریقے ہیں :
قرآن کریم کے الفاظ کی تعلیم، قرآن کریم کے احکام کی تبلیغ، جس کی مختلف صورتیں ہیں :
درس و تدریس، تصنیف و تالیف، افتاء و ارشاد، لوگوں میں چل پھر کر وعظ و تلقین۔
مگر یہ سارے طریقے اس حالت میں ہیں جب اسلام دشمن طاقتیں اسلام کے راستہ میں حائل نہ ہوں اور کسی بھی طریقہ سے اسلام کی تبلیغ میں رکاوٹ نہ بنیں۔
اگر کفار کی طاقت زور پکڑ جائے اور وہ اسلام اور مسلمانوں کو دنیا سے مٹانے کے درپے ہو جائیں یا اسلام کی تبلیغ میں رکاوٹ پیدا کریں، کبھی تو صراحۃً ممنوع قرار دیدیں، اور کبھی ظاہراً اجازت تو دیں مگر ان کی سیاست اور منصوبہ بندی یہ ہو کہ کوئی اسلامی حکومت قائم نہ ہو جائے اور تمام کفار اسلام میں داخل نہ ہو جائیں تو ان حالات میں مسلمانوں کی طرف شریعت کا ایک اور قانون متوجہ ہو جاتا ہے کہ اب تبلیغ کی ایک اور قسم اختیار کرنا پڑے گی۔ یعنی تلوار سے ان کی خبر لو اور اتنا قتال کرو کہ کفار کی شان و شوکت ٹوٹ جائے اور وہ اسلام کے راستے میں رکاوٹ نہ بن سکیں۔ یہ بھی تبلیغ ہی کا ایک شعبہ ہے کہ اس کے بغیر اسلام کا آگے پھیلنا پھیلانا ممکن نہیں اس لئے تبلیغ بصورتِ قتال فی سبیل اللہ کے ترک پر سخت وعیدیں وارد ہیں۔

تبلیغ بصورت قتال فی سبیل اللہ چھوڑنے پر وعیدیں :

① وانفقوا فی سبیل اللّٰہ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ واحسنوا ان اللّٰہ یحب المحسنین (۲-۱۹۵)

”اور تم لوگ خرچ کیا کرو اللہ کی راہ (جہاد) میں اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں تباہی میں مت ڈالو اور کام اچھی طرح کیا کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں اچھی طرح کام کرنے والوں کو۔“

یعنی جہاد میں خرچ نہ کرنا اپنی ہلاکت اور تباہی کا باعث ہے۔

② یایھا الذین اٰمنوا ما لکم اذا قیل لکم انفروا فی سبیل اللّٰہ اثاقلتم الی الارض ارضیتم بالحیٰوۃ الدنیا من الاٰخرۃ فما متاع الحیٰوۃ الدنیا فی الاٰخرۃ الا قلیل (۹-۳۸)

”اے ایمان والو! تم لوگوں کو کیا ہوا کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ (جہاد) میں نکلو تو تم زمین کو لگے جاتے ہو کیا تم نے آخرت کے عوض دنیوی

زندگی پر قناعت کرلی؟ سو دنیوی زندگی کا تمتع تو کچھ بھی نہیں بہت قلیل ہے۔"

(۳) الا تنفروا یعذبکم عذابا الیما ویستبدل قوما غیرکم ولا تضروہ شیئا واللہ علی کل شیء قدیر (۹ — ۳۹)

"اگر تم (جہاد کے لئے) نہ نکلوگے تو اللہ تعالیٰ تم کو سخت سزا دیگا اور تمہارے بدلے دوسری قوم پیدا کردے گا اور تم اللہ کو کچھ ضرر نہ پہنچا سکوگے اور اللہ کو ہر چیز پر قدرت ہے۔"

(۴) فرح المخلفون بمقعدھم خلف رسول اللہ وکرھوا ان یجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ وقالوا لا تنفروا فی الحر قل نار جھنم اشد حرا لو کانوا یفقھون (۹ — ۸۱)

"یہ پیچھے رہ جانے والے خوش ہوگئے رسول اللہ کے بعد اپنے بیٹھے رہنے پر اور ان کو اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان کے ساتھ جہاد کرنا ناگوار ہوا اور کہنے لگے کہ تم گرمی میں مت نکلو، آپ کہدیجئے کہ جہنم کی آگ زیادہ گرم ہے کیا خوب ہوتا اگر وہ سمجھتے۔"

(۵) واتقوا فتنۃ لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصۃ واعلموا ان اللہ شدید العقاب (۸ — ۲۵)

"اور تم ایسے وبال سے بچو کہ جو خاص ان ہی لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں ان گناہوں کے مرتکب ہوئے ہیں اور یہ جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں"

یعنی بذریعہ جہاد گناہوں سے نہ روکنے والے بھی عذاب میں شریک ہونگے۔

(۶) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من مات ولم یغز ولم یحدث بہ نفسہ مات علی شعبۃ من النفاق، رواہ مسلم، وابوداؤد والنسائی۔

"جس نے نہ تو جہاد کیا اور نہ ہی اس بارے میں اس نے کبھی کچھ سوچا وہ نفاق کے ایک شعبہ پر مرا۔"

(۷) عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: من لم یغز او یجھز غازیا او یخلف غازیا فی اھلہ بخیر اصابہ اللہ تعالیٰ بقارعۃ قبل یوم

القیمۃ - رواہ ابن ماجۃ -

"جس نے نہ تو خود جہاد کیا، نہ ہی کسی مجاھد کو تیار کر کے بھیجا اور نہ کسی مجاہد کے گھر کی دیکھ بھال کی، اللہ اس کو قیامت سے پہلے ضرور کسی ہلاکت خیز مصیبت سے دوچار کرے گا"۔

(۸) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من لقی اللہ بغیر اثر من جھاد لقی اللہ وفیہ ثلمۃ - رواہ الترمذی وابن ماجۃ -

"جو اللہ سے اس حال میں ملا کہ اس پر جہاد کا کوئی نشان نہ تھا وہ اس حال میں ملے گا کہ اس میں بہت بڑا نقص ہوگا"۔

(۹) عن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ما ترک قوم الجھاد الا عمھم اللہ بالعذاب، رواہ الطبرانی۔

"جس قوم نے بھی جہاد چھوڑا اللہ نے اس پر عمومی عذاب مسلط کر دیا"۔

قانون، دین کے دوسرے شعبوں میں کام کرنے والوں کو حقیر سمجھنا جائز نہیں

یہ مضمون شروع میں تفصیل سے بیان ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے کام مختلف شعبوں میں تقسیم کر رکھے ہیں اور یہ تقسیم کار دنیا کا اجماعی قانون بھی ہے اور عقل کے مطابق بھی، اس کے خلاف کرنا عقل اور دین دونوں کے خلاف کرنا ہے، دین کے کسی ایک شعبے والوں کے لئے کسی دوسرے شعبے والوں کو حقیر یا بیکار سمجھنا جائز نہیں، اگر کوئی ایسا سمجھے تو اس کی دینی خدمات اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول نہیں۔

اب اندازہ لگائیے کہ دینی کام کرنے والی کتنی جماعتیں اس قانون کی پابندی کر رہی ہیں؟

اہلِ سیاست کہتے ہیں کہ فریضۂ اسلام تو صرف ہم ہی ادا کر رہے ہیں۔

اہل تبلیغ کہتے ہیں کہ تبلیغ کا حق تو صرف ہم ہی ادا کر رہے ہیں۔

اہل مدارس کہتے ہیں کہ دین کی حفاظت تو صرف ہم کر رہے ہیں۔

اس طرح کہنے والے اللہ تعالیٰ کے قانون کو توڑ رہے ہیں، ایسے لوگ دین کے کام اللہ کے لئے نہیں کر رہے اپنے نفس کے لئے کر رہے ہیں۔

اگر ایک ہی مدرسہ میں ایک استاذ بچوں کو ا ب ت پڑھاتا ہو اور ایک استاذ صحیح بخاری پڑھاتا ہو، اگر صحیح بخاری کا استاذ اپنے آپ کو بچوں کے استاذ سے افضل

سمجھنے لگے اور یہ سمجھے کہ دین کی خدمت کا حق تو میں ہی ادا کر رہا ہوں یہ تو یونہی بیکار ہے، تو یہ استاذ نفس پرست کہلائے گا۔ اس میں اخلاص نہیں، اسلئے کہ سب ایک ہی مشین کے پرزے ہیں۔ اگر ا ب ت پڑھانے والا پرزہ نہوتا تو یہ صحیح بخاری کیسے پڑھاتا؟ ہوسکتا ہے کہ اس ا ب ت پڑھانے والے استاذ کا درجہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کے اخلاص اور محنت کی وجہ سے اس شیخ الحدیث سے زیادہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے جس کسی کو دین کے جس شعبے اور منصب پر دین کی خدمت کرنے کی توفیق عطاء فرمائی ہے یہ محض ان کا کرم ہے، اگر کسی ایک شعبے یا منصب والا کسی دوسرے شعبے اور منصب والوں کو حقیر سمجھے گا تو اس کے لئے آخرت کا عذاب تو ہے ہی، کچھ بعید نہیں کہ دنیا ہی میں اس پر یہ وبال پڑے کہ اللہ تعالیٰ اسے ان دینی خدمات سے محروم کر دیں۔

دین کے کام میں جو لگ جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا سرکاری ملازم بن جاتا ہے، سرکاری ملازم اگر بھنگی ہو تو وہ بھی سرکاری ملازم ہے اور اگر وزیر ہے تو وہ بھی سرکاری ملازم۔ فرق مراتب ضرور ہے مگر ہیں تو دونوں ہی سرکاری، سرکاری ملازم خواہ ادنیٰ درجہ کا ہی ہو تو بھی اس کی تحقیر کی اجازت نہیں، بلکہ جو جسقدر بلند منصب پر ہوتا ہے اسی قدر وہ سرکار سے زیادہ ڈرتا ہے، اس پر گرفت زیادہ ہوتی ہے۔ جب دین کے تمام شعبوں میں کام کرنے والے سرکاری ملازم ٹھہرے تو کسی کو کیا حق ہے کہ وہ اپنے کو افضل سمجھے اور دوسروں کو حقیر؟ جب اللہ کے عام بندوں کو حقیر سمجھنا جائز نہیں تو جو لوگ دین کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں اور سرکاری آدمی ہیں انھیں حقیر سمجھنا کیسے جائز ہوگا؟ دنیا کی حکومت میں تو یہ ظلم چل سکتا ہے مگر اللہ تعالیٰ تو دلوں میں چھپے ہوئے خیالات کو بھی جانتے ہیں، وہاں یہ ظلم نہیں چل سکتا۔ دنیا میں اگر اسکی کوئی سزا نہ ملی تو اصل دار الجزاء تو آخرت ہے، اپنی خدمات کو یہ بہت بڑی خدمت اور جنت کا سامان سمجھ رہا ہے، وہاں جنت کی بجائے جہنم میں پھینکا جائے گا۔

حاصل یہ کہ دین کے کام کرنے والے ایک دوسرے کو حقیر سمجھنے کی بجائے آپس میں محبت اور ایک دوسرے کے کام میں مدد و تعاون کا تعلق رکھیں، دوسروں کو اچھا سمجھیں، انکے کاموں کی تحسین کریں، اگر ایسا نہیں تو یہ اللہ کے قانون کے خلاف ہے، ایسی دینی خدمات اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول نہیں۔

ایک بہت اہم دعاء کا معمول :

میرا اس دعاء کا معمول ہے :

"یا اللہ ! تیرا کوئی بھی بندہ دنیا کے کسی بھی کونے میں، تیرے دین کی کوئی بھی خدمت کر رہا ہو، تو اسے اخلاص عطاء فرما، اپنی رضا کے مطابق کام کرنے کی توفیق عطاء فرما، اس کی خدمت کو قبول فرما، اس میں برکت عطاء فرما۔

(برکت کا مطلب یہ کہ تھوڑی محنت سے تھوڑے وقت میں کام زیادہ لیلے) اس خدمت کو اس کے لئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک اسکے سب اکابر کے پورے سلسلہ کے لئے تا قیامت صدقہ جاریہ بنا۔

"یا اللہ ! پوری دنیا میں دین کے کام کرنے والوں کو، خواہ وہ دنیا میں کہیں بھی دین کی کوئی بھی خدمت کر رہے ہوں، ان سب کو آپس میں تحابب، توادد، تعاون وتناصر کی نعمت وسعادت عطاء فرما، آپس میں تباغض، تنافر، تحاسد کے عذاب سے حفاظت فرما۔"

آپ حضرات بھی یہ دعاء مانگا کریں، اسکا معمول بنالیں، اللہ تعالیٰ توفیق عطاء فرمائیں۔

پانچواں قانون، اپنی اور اپنے بیوی بچّوں کی اصلاح کی فکر دوسروں سے زیادہ اہم ہے

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تبلیغ کر کے دیندار بنانے اور فکر آخرت پیدا کرنے کی جتنی فکر اور کوشش آپ دوسروں کے لئے کرتے ہیں، اس سے زیادہ فکر اور کوشش اپنے اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو دیندار بنانے پر کرنا زیادہ اہم اور زیادہ ضروری ہے، لوگوں کو تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بہت کرتے رہتے ہیں مگر خود ان باتوں پر کتنا عمل ہے ؟ معمولی معمولی مصلحتوں کی خاطر گناہوں کی مجالس میں شریک ہوجاتے ہیں۔

یہودی دوسروں کو خوب تبلیغ کیا کرتے تھے مگر خود ان باتوں پر عمل نہیں کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے انھیں اس جرم اور گناہ پر یوں تنبیہ فرمائی :

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ (۲ : ۴۴)

"کیا غضب ہے کہ کہتے ہو اور لوگوں کو نیک کام کرنے کو اور اپنی خبر نہیں لیتے حالانکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے رہتے ہو تو پھر کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔"

دوسری جگہ اہلِ ایمان کو تنبیہ فرماتے ہیں :

یَاۤ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ (۶۱ : ۲)

"اے ایمان والو! ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں، خدا کے نزدیک یہ بات بہت ناراضی کی ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔"

یہ آیت اگرچہ دعوت و تبلیغ کے بارے میں نہیں بلکہ دعووں کے بارہ میں ہے مگر چونکہ دعوت و تبلیغ کا کام کرنے والا بھی زبان سے نہیں تو حال سے مدعی عمل ہوتا ہے اس لئے وہ بھی اس تنبیہ اور وعید میں داخل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت عطاء فرمائی تو سب سے پہلے اپنے خاندان والوں کو تبلیغ کرنے کا حکم فرمایا۔

وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ ۝ (۲۶ : ۲۱۴)

"اور آپ اپنے نزدیک کے کنبے کو ڈرائیے۔"

اس لئے اپنے قریبی رشتہ داروں اور بیوی بچّوں پر دوسروں سے زیادہ محنت کریں، اور اپنا نفس تو سب سے زیادہ قریب ہے، اس پر ان سے بھی زیادہ محنت کریں۔ یَاۤ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا ۝ (۶۶ : ۶)

"اے ایمان والو! اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔"

اس کا کوئی یہ مطلب نہ سمجھ لے کہ جب تک خود نہیں بنتے اور بیوی بچوں کو نہیں بنا لیتے اسوقت تک دوسروں کو تبلیغ نہیں کریں گے۔

یہ غلط ہے تقدّم اور تاخر کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) زمانی (۲) رُتبی

یہاں اپنے نفس کو مقدّم کرنا اور دوسروں کو مؤخر کرنا زمانی نہیں ہے کہ پہلے ایک عرصہ اپنے اوپر محنت کرتے رہیں اسکے بعد دوسروں کو تبلیغ کریں، یہ صحیح نہیں اسلئے کہ یہاں اپنے نفس کو مقدم کرنے اور دوسروں کو مؤخر کرنے میں تقدم و تاخر زمانی نہیں رُتبی ہے،

یعنی آپ کے دل میں جہنم اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے کی جتنی فکر دوسروں کیلئے ہے اپنے لئے یہ فکر نسبتہً زیادہ ہو۔ خود بھی بنیں اور دوسروں کو بھی بنائیں ، دونوں کام ایک ہی زمانے میں کریں مگر اپنی فکر زیادہ ہو۔

اپنی فکر زیادہ ہے یا نہیں؟ یہ کیسے پتہ چلے؟ اس کے دو۲ معیار ہیں :

① فکر استدراج :

دین کے کام کرنے کے بعد بھی اپنے آپ کو گنہگار، عاجز اور ناقص سمجھتے ہیں، دینی خدمات کو اپنا کمال نہیں سمجھتے بلکہ اللہ تعالیٰ کا فضل و انعام سمجھتے ہیں، پھر استغفار بھی کرتے ہیں اور قبولیت کی دعاء بھی کرتے رہتے ہیں۔ ساتھ ساتھ یہ خطرہ بھی لگا رہتا ہے کہ معلوم نہیں ہماری یہ خدمات قبول بھی ہیں یا نہیں اور کہیں ہمارے اندر عجب و کبر کا خیال آ گیا، ہم ان خدمات کو اپنا کمال سمجھنے لگیں اور اللہ تعالیٰ کو آ گئی غیرت، تو ہمیں ان خدمات سے محروم نہ کر دیں (یہ مضمون تفصیل سے شروع میں بیان ہو چکا ہے۔ مرتب)

② محاسبۂ اعمال :

دینی باتیں جتنی دوسروں کے سامنے بیان کریں اس سے کہیں زیادہ اپنے طور پر خلوت میں سوچتے ہوں کہ ہم دوسروں کو جو تبلیغ کر رہے ہیں خود ہمارا ان پر عمل ہے یا نہیں؟ اپنے نقائص کو سوچ کر، استغفار اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں بھی کرتے رہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ٥ (۵۹ : ۱۸)

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور ہر شخص یہ سوچا کرے کہ اس نے قیامت کے لئے کیا تیار کیا، اور اللہ سے ڈرو، یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہے۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

حَقِيقٌ بِالْمَرْءِ أَنْ يَكُونَ لَهُ مَجَالِسُ يَخْلُو فِيهَا وَيَذْكُرُ ذُنُوبَهُ فَيَسْتَغْفِرُ اللَّهَ مِنْهَا (هب)

"انسان کے لئے کچھ خلوت کی مجلسیں ضروری ہیں جن میں وہ اپنے گناہوں کو یاد کر کے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کیا کرے۔"

صحیح بخاری میں امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم واعظ رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول نقل فرمایا ہے :

مَا عَرَضْتُ قَوْلِیْ عَلٰی عَمَلِیْ اِلَّا وَجَدْتُنِیْ مُنَافِقًا،

"میں نے جب بھی اپنے قول کو اپنے عمل پر پیش کیا اپنے کو منافق پایا۔"

حضرت ابراہیم رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے دو باتیں ثابت ہوئیں :

① جو شخص دوسروں کو وعظ و تبلیغ کرتا ہو اس کے لئے لازم ہے کہ روزانہ کچھ وقت اپنے اعمال کا محاسبہ کیا کرے، اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو اس کی یہ دعوت و تبلیغ وغیرہ کچھ قبول نہیں، اسکی یہ خدمات اللہ کے لئے نہیں اپنے نفس کے لئے ہیں۔

② جو شخص تبلیغ میں مخلص ہوتا ہے وہ جب اپنے اعمال کا محاسبہ کریگا تو اسے یہ محسوس ہوگا کہ وہ جتنی دوسروں کو تبلیغ کرتا ہے اسکا عمل اس سے بہت کم ہے، اپنی عبادات کو ناقص سمجھے گا، خود کو گنہگار سمجھتا رہے گا، استغفار کرتا رہے گا، اور اپنی اصلاح میں ترقی کرتا رہے گا۔

چھٹا قانون، اہل طلب کو دوسروں پر مقدّم رکھنا

اللہ تعالیٰ کے دین کی باتیں تو طالبین اور غیر طالبین سب تک پہنچانا ہے، لیکن اگر دونوں میں معارضہ ہو جائے کہ اگر طالبین پر وقت صرف کرتے ہیں تو غیر طالبین کے لئے وقت نہیں ملتا اور اگر غیر طالبین کے لئے وقت صرف کرتے ہیں تو طالبین کے لئے وقت نہیں، تو ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے :

طالبین کو چھوڑ کر غیر طالبین کے لئے وقت صرف کرنا جائز نہیں، اہلِ طلب کا حق مقدم ہے، ان پر وقت صرف کرنے کے بعد اگر وقت بچے تو دوسروں پر محنت کیجئے ورنہ نہیں۔"

اگر یہ سوچ کر : "اہل طلب تو اپنے ہی ہیں، انھیں تو ہمیشہ ہی مواقع ملتے رہتے ہیں" دوسروں پر وقت صرف کریں گے تو یہ اللہ تعالیٰ کے قانون کی خلاف ورزی ہوگی ایسی دینی خدمات اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول نہیں۔

حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا واقعہ پہلے تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انھیں چھوڑ کر مشرکین کی طرف متوجہ ہوئے تو اس پر اللہ تعالیٰ نے

سورۃ عبس میں کیسی تنبیہ فرمائی۔

اسی طرح ایک بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کفار نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے الگ مجلس کا مطالبہ کیا، اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوتا ہے:

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ (۱۸ : ۲۸)

"اور اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ مقید رکھا کیجئے جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت محض اس کی رضا جوئی کے لئے کرتے ہیں، اور آپ کی نظران سے ہٹ کر دوسروں کی طرف نہ جانے پائے۔"

یعنی آپ طالبین کو چھوڑ کر غیر طالبین کی طرف توجہ اور ان پر محنت نہ فرمائیں۔

ساتواں قانون کثرتِ ذکر و فکر کی پابندی کرنا جو شخص اپنی اصلاح کی فکر دوسروں سے زیادہ رکھے گا اور جسے خلوت زیادہ محبوب ہوگی وہ لازماً محاسبہ، مراقبہ، کثرتِ نوافل، اذکار، تسبیحات اور اپنی دوسری نجی عبادات کی پابندی دوسروں کو تبلیغ اور دیگر متعدی خدمات سے زیادہ کریگا۔ یہ پابندی اس لئے بھی زیادہ ضروری ہے کہ تبلیغ اور متعدی خدمات پر ثمرہ اسی وقت مرتب ہوتا ہے جب انسان اپنی نجی عبادت کی زیادہ پابندی کرے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ امت کی اصلاح کا درد کس کے دل میں ہو سکتا ہے؟ اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم قیام لیل اس حد تک فرماتے تھے کہ پاؤں میں ورم آجاتا تھا اور کثرت سے نفل روزے رکھتے تھے اور ہر وقت ذکر اللہ میں مشغول رہتے تھے، آپ نے یہ خیال نہ فرمایا کہ کثرت نوافل کی بجائے یہ وقت بھی تبلیغ دین ہی میں صرف کرنا چاہیئے (اس مضمون سے متعلق ایک مستقل وعظ "تعلیم و تبلیغ کے لئے کثرت ذکر کی ضرورت" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ مرتب)

اگر کسی کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے مطابق تبلیغ دین کا فریضہ انجام دینا ہے تو اسے چاہیئے کہ کثرت نوافل اور کثرت ذکر کی پابندی کرے۔ ایسا نہ ہو کہ جہاں دین کی خدمت میں لگے سب نفل عبادات، اذکار، تسبیحات اور نجی معمولات کو چھوڑ بیٹھے۔ ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے قانون کے بھی

خلاف ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے بھی۔

خلاصۂ بیان:

آج کی مجلس کا خلاصہ:

تبلیغ کی دو قسمیں ہیں:

① فرض عین ② فرض کفایہ

① فرض عین:

لوگوں کو گناہوں سے روکنا بقدر استطاعت ہر شخص پر فرض ہے۔

② فرض کفایہ:

لوگوں تک شریعت کے احکام پہنچانا یعنی دین کی تبلیغ کرنا۔

پھر اس تبلیغ کی متعدد صورتیں ہیں: افتاء، اصلاح باطن، درس و تدریس تصنیف و تالیف، وعظ و تبلیغ، جہاد و قتال فی سبیل اللہ۔

پھر ان دینی خدمات میں اخلاص ہے یا نہیں؟ اور یہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول بھی ہیں یا نہیں؟ اس کی تین بڑی علامات ہیں:

① خوف استدراج

② کام کے ساتھ کثرت دعاء و استغفار

③ قوانین شریعت کی پابندی

قوانین شریعت:

① کسی بھی مصلحت سے چھوٹے سے چھوٹا گناہ بھی جائز نہیں۔

② کسی گناہ کو دیکھ کر روکنا فرض ہے۔

تبلیغ بصورتِ قتال کا اہتمام۔

④ دین کے دوسرے شعبوں میں کام کرنے والوں کو حقیر سمجھنا جائز نہیں۔

⑤ اپنی اور اپنی بیوی بچوں کی اصلاح کی فکر دوسروں سے زیادہ اہم ہے۔

⑥ اہل طلب دوسروں پر مقدم ہیں۔

⑦ کثرت ذکر و فکر کی پابندی کرنا۔

دُعاء:

یا اللہ!

تو ہماری تمام دینی خدمات کو قبول فرما،
اِن خدمات کو اپنی مرضی کے مطابق انجام دینے
کی توفیق عطا فرما، اپنا خوف اور اپنا تعلق
نصیب فرما، اپنا ایسا تعلق، اپنی ایسی محبت عطا
فرما کہ کوئی کام بھی تیری مرضی کے خلاف نہ ہونے
پائے، تیری چھوٹی سے چھوٹی نافرمانی کرتے ہوئے
بھی شرم آئے، دینی خدمات میں اخلاص عطا
فرما اور قبول فرما، مخلوق سے نظر ہٹا کر اپنے اوپر نظر
رکھنے کی توفیق عطا فرما، نفس و شیطان کے مکاید
اور حملوں سے ہماری حفاظت فرما۔ وصلی اللہ
تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ محمد وعلیٰ آلہٖ
واصحابہٖ اجمعین ۰

فاروق

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب
تبلیغی جماعت
اور
اُنچاس کروڑ کا ثواب
بعض روایات کی تنقید و تحقیق
فی سبیل اللہ کی تفسیر و تشریح
مکتبہ فاروقی

تبلیغی جماعت

اور

اُنچاس کروڑ کا ثواب

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے تبلیغی جماعت سے پوری دُنیا میں اشاعت اسلام و تبلیغ دین کا کام لے رہے ہیں۔

جماعت کے کام کی غیر معمولی وسعت کی وجہ سے اسمیں علم دین سے ناواقف عوام کی اکثریت ہے، جن میں سے بعض میں لاعلمی کے ساتھ تبلیغ دین کے جذبات اُبھرتے ہیں تو وہ عقائد و اعمال دونوں میں حدود شریعت سے تجاوز کر جاتے ہیں۔

اس رسالہ میں

ان کو صرف بعض نظریاتی اغلاط کی طرف متوجہ کیا گیا ہے، پوری تفصیل وعظ "تبلیغ کی شرعی حیثیت اور حدود" میں ہے۔

اللہ تعالیٰ پوری اُمت سے اپنی مرضیات کے مطابق زیادہ سے زیادہ کام لیں، سب کی خدمات کو اپنی رحمت سے قبول فرمائیں، خدماتِ دینیہ کے جتنے بھی شعبے ہیں سب کو باہم تحابب، توادد، تعاون، تناصر کی دولت سے مشرف فرمائیں۔

تبلیغی جماعت

اور

اُنچاس کروڑ کا ثواب

استفتاء :

کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام و مفتیانِ دین مبین مسائل ذیل کے بارے میں قرآن و سنت کا کیا حکم ہے کہ ماشاء اللہ ہمارے ملک میں تبلیغ کا کام بہت تیزی سے چل رہا ہے مگر ان میں چند لوگ ایسے بھی ہیں کہ وہ اس حدیث مبارک "کفیٰ بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع" کے مصداق بن کر ایسی باتیں لوگوں کے سامنے کر دیتے ہیں جس سے لوگ آپس میں جھگڑا کرنے پر اُتر آتے ہیں، ان ہی حضرات کے بارے میں چند سوالوں کے جوابات قرآن و سنت کی روشنی میں مطلوب ہیں جو درج ذیل ہیں :

(۱) ان حضرات کا کہنا ہے کہ اس راستے میں ایک نماز کا ثواب اُنچاس کروڑ کے برابر ہے، اور اس میں اپنے ساتھ کسی دوسرے کو شامل ہونے نہیں دیتے۔ کیا از روئے شریعت اُنچاس کروڑ کا ثواب ثابت ہے؟ اگر ثابت ہے تو اس ثواب میں مجاہدین اور طلبۂ مدارس دینیہ بھی شامل ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ کیونکہ یہ بھی اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے کوشش کر رہے ہیں۔

(۲) ان میں بعض حضرات ایسے بھی ہیں جو کہ اپنے محلے کی مسجد کو چھوڑ کر دوسرے محلے کی مسجد میں چلے جاتے ہیں اور کہتے ہیں اس طرح کرنے سے اُنچاس کروڑ کا ثواب ملتا ہے، چاہے بیچ میں پانچ دس منٹ کا راستہ بھی نہ ہو۔ کیا از روئے شریعت ایسے اتنی آسانی کے ساتھ مذکورہ ثواب مل سکتا ہے؟

ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ ان کو سوائے چھ نمبروں کے اور کچھ نہیں آتا اور اس پر اتنی سختی سے عمل کرتے ہیں کہ ہر روز دن میں دو دفعہ سُناتے ہیں اور سنانے کے دوران کسی دوسرے کو

تلاوت کلام یا کسی دوسرے ذکر واذکار کرنے کے لئے بالکل نہیں چھوڑتے اور کہتے ہیں کہ ان نمبرات کو بیان کرتے وقت دوسرا کوئی عمل قابل قبول نہیں خواہ تلاوتِ کلام ہو یا کوئی اور نیک عمل ہو، اور جوان نمبرات کو نہ سُنے اس پر طرح طرح کے فتوے لگاتے ہیں، بعض مسلمان ہونے سے بھی نکال دیتے ہیں۔

③ کچھ حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ بیت اللہ شریف پر رائے ونڈ کی فضیلت زیادہ ہے کیونکہ رائے ونڈ میں ایک نماز کا ثواب اُنچاس کروڑ ہے اور بیت اللہ شریف میں ایک لاکھ۔

دوسری بات یہ ہے کہ تبلیغ کا کام رائے ونڈ میں ہوتا ہے وہاں نہیں ہوتا۔

اسی طرح یہ حضرات پورے دین کا انحصار اسی ایک ہی راستے میں کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر دنیا میں دین پھیلانا ہے اور ایمان بنانا ہے تو اس راستے کے سوا اور کوئی راستہ نہیں۔ تو کیا اس طرح کہنا درست ہے؟ جبکہ دینی مدارس کے ذریعہ اور اسی طرح جہاد کے ذریعہ بھی دین پھیلایا جا سکتا ہے۔

ان حضرات کی یہی کوشش رہتی ہے کہ علماء، طلباء اور مجاہدین کو اپنے ساتھ اسی راستے میں لگائیں تو کیا اس طرح کرنے سے دینی مدارس بند ہونگے یا نہیں اور جہاد ختم ہوگا یا نہیں؟

براہ کرم مسائل مذکورہ کے بارے میں قرآن وحدیث کا حکم بیان فرما کر ہماری حوصلہ افزائی فرمائیں اور ثواب دارین حاصل کریں۔ واجرکم علی اللہ

المستفتی : بندہ فضل وہاب کوہستانی صوبہ سرحد

مورخہ ۸ر اکتوبر ۱۹۸۹ء

جواب از جامعہ دار العلوم کراچی

الجواب حامداً ومصلیاً

① دین کی اشاعت وتبلیغ یا تحصیل علم دین یا جہاد فی سبیل اللہ وغیرہ میں نکلنے یا لگنے والے کے نماز، روزہ، ذکر وغیرہ کے بارے میں ایسی کوئی صریح حدیث تو ملی نہیں جس کے الفاظ سے صاف صاف ثابت ہو کہ ایک نماز اور ایک تسبیح وغیرہ کا ثواب اُنچاس کروڑ کے برابر ملتا ہے۔

البتہ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکل کر (اپنی ذات پر) خرچ کرنے والے کو ایک درہم کے بدلے میں سات لاکھ درہم خرچ کرنے کا ثواب ملتا ہے۔

اور دوسری حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکل کر نماز، روزہ، ذکر کا ثواب اللہ کی

راہ میں روپیہ خرچ کرنے سے سات سو گُنا ملتا ہے۔

اس طرح سات لاکھ کو سات سو میں ضرب دینے سے اُنچاس کروڑ بن جاتے ہیں۔ اس حساب سے اللہ کے راستے (تعلیم دین جہاد اور تبلیغ) میں نکلنے والوں کے لئے نماز، روزہ اور ذکر و تسبیح کا ثواب اُنچاس کروڑ گُنا بنتا ہے۔

لیکن اوّل تو یہ دونوں حدیثیں سنداً ضعیف ہیں اس لئے ان سے استدلال اور ان کے ضعف پر تنبیہ کئے بغیر ان کی تشہیر عام طور پر جائز نہیں۔ وہ دونوں حدیثیں ذیل میں مع سند و جرح کے پیش کی جاتی ہیں:

(۱) حدثنا هارون بن عبد الله الحمال ثنا ابن ابی فدیك عن الخلیل بن عبد الله عن الحسن عن علی وابی الدرداء وابی هریرة وابی امامة وعبد الله ابن عمر وعبد الله بن عمرو وجابر بن عبد الله وعمران بن الحصین رضی الله عنهم اجمعین کلهم یحدث عن رسول الله صلی الله علیه وسلم انه قال من ارسل بنفقة فی سبیل الله واقام فی بیته فله بکل درهم سبعمائة درهم ومن غزا بنفسه فی سبیل الله وانفق فی وجهه ذلك فله بکل درهم سبعمائة الف درهم ثم تلا هذه الآیة والله یضاعف لمن یشاء۔

(ابن ماجة ص ۹۲۲ الترغیب ص ۲۵۳ ج ۲)

اس حدیث کی سند میں راوی "خلیل بن عبد اللہ" مجہول ہے (لسان المیزان ص ۴۱۰ ج ۲) اور تہذیب التہذیب ص ۱۶۷ ج ۳ میں حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قرأت بخط ابن الهادی الخلیل بن عبد الله المذکور روی عن الحسن عن هؤلاء هذا الحدیث وهو حدیث منکر والخلیل بن عبد الله لا یعرف،

وکذا قال الذهبی فی الخلیل هذا۔

اور امام منذری رحمہ اللہ تعالیٰ نے "الترغیب والترهیب" میں کہا ہے:

لا اعرفه بعدالة ولا جرح۔

اور امام دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "غرائب مالک" میں ایک حدیث ابن ابی ذئب عن الخلیل بن عبد الله عن اخیه عن علی کے طریق سے نقل کرنے کے بعد فرمایا:

الخلیل واخوه مجهولان۔

(۲) حدثنا احمد بن عمرو بن سرح نا ابن وهب عن یحیی بن ایوب و سعید بن ابی ایوب عن زبّان بن فائد عن سهل بن معاذ عن ابیه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الصّلٰوة والصیام والذکر ویدخل فیه التسبیح والتهلیل والتکبیر والتصلیة وقراءة القرآن بالتدبر وغیر ذلك من انواع الذکر یضاعف ای یزاد باعتبار الاجر والثواب علی النفقة فی سبیل الله عزّ وجل بسبعمائة ضعف ولفظ احمد فی مسنده قال ان الذکر فی سبیل الله تعالی یضعف فوق النفقة بسبعمائة ضعف قال یحییٰ فی حدیثه بسبعمائة الف ضعف، والحدیث ضعیف لان فی سنده زبان بن فائد وسهل بن معاذ (بذل المجهود ص۲۲ ج ۴، الترغیب ص۲۶۷ ج ۲)

اس حدیث کو دو راویوں کی وجہ سے ضعیف کہا گیا ہے:

(۱) زبان بن فائد (۲) سہل بن معاذ

زبان بن فائد کے بارے میں حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ "تہذیب التہذیب ص۳۰۸ ج ۳" میں فرماتے ہیں:

امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

احادیثه مناکیر۔

اور ابن معین رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

شیخ ضعیف،

اور ابن حبان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

منکر الحدیث جدا یتفرد عن سهل بن معاذ بنسخة کأنها موضوعة لا یحتج به۔

اور الساجی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

عنده مناکیر،

دوسرے راوی سہل بن معاذ بن انس الجہنی کے متعلق "تہذیب التہذیب ص۲۵۸ ج ۴" میں فرماتے ہیں:

نزل مصر روی عن ابیه وعنه یزید بن ابی حبیب وابو مرحوم عبد الرحیم ابن میمون وفروة بن مجاهد واسمٰعیل بن یحییٰ المعافری وزبان بن فائد

واللیث بن سعد ویحییٰ بن ایوب وغیرہم، قال ابوبکر بن ابی خیثمۃ عن ابن معین ضعیف وذکرہ ابن حبان فی الثقات۔ قلت لکن لایعتبر حدیثہ ما کان من روایۃ زبان بن فائد عنہ وذکرہ فی الضعفاء فقال منکر الحدیث جدًّا فلست ادری اوقع التخلیط فی حدیثہ منہ اومن زبان فان کان من احدہما فالاخبار التی رواہا ساقطۃ۔

دوسرے اگر ان دونوں حدیثوں کو صحیح بھی تسلیم کرلیا جائے تو "فی سبیل اللہ" کے مفہوم میں درس وتدریس، تحصیل علم دین، وعظ ونصیحت، اصلاحِ باطن، دعوت وتبلیغ، خواہ تبلیغی جماعت کے ذریعہ یا کسی اور طریق سے، اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کے لئے نکلنا اور امر بالمعروف نہی عن المنکر وغیرہ کے تمام شعبے شامل ہیں، ان سب کے لئے یہ ثواب ثابت ہوگا۔ یہ ثواب صرف تبلیغی جماعت کے ساتھ خاص نہیں ہے، جماعت کے ساتھ نکلنے میں اس ثواب کو خاص کرنا جیساکہ سوال میں مذکور ہے محض جہالت اور کم علمی کی بات ہے،

فی الترغیب والترہیب ص ۲۵۷ ج ۲:

ذکرت فیہ ثمانیۃ انواع الجہاد فی سبیل اللہ وعدت فیہا محاربۃ الکفار لاجل نصر دین اللہ ودعوۃ الناس الی الحق وحثہم علی العمل بکتاب اللہ تعالیٰ وسنۃ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم ومجاہدۃ النفس بالتحلی بالمکارم والتخلی عن الرذائل وتعلم امور الدین والسیر علی منہج خیر المرسلین ثم العمل باحکام الشریعۃ الغراء حتی ینیع ثمرتہا فی دوحتہ ومجاہدۃ الشیطان بدفع ما یأتی بہ من الشبہات وما یزینہ من الشہوات ونصب العالم کلہ للارشاد والوعظ، والہدایۃ والنصیحۃ وتفہیم الناس الآیات القرآنیۃ والاحادیث النبویۃ والاحکام الفقہیۃ والسیرۃ النبویۃ وتاریخ ابطال الاسلام وحماتہ ومحبۃ الصالحین وزیارۃ المتقین ومودۃ العاملین والاستضاءۃ بانوارہم والاقتداء بافعالہم۔

ہذا ما لخصتہ من الترغیب والترہیب ان شئت التفصیل فارجع الیہ۔

(۲) اصل بنیاد اس ثواب کو حاصل کرنے کے لئے اخلاص نیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے راستے میں نکلنا یا دین کے کام میں لگنا ہے لہٰذا جب بھی اللہ تعالیٰ کے لئے علم دین

حاصل کرنا یا درس وتدریس اختیار کرنا یا جہاد کرنا یا دعوت وتبلیغ اور وعظ ونصیحت وغیرہ کے لئے نکلنا یا اس کام میں مصروف ہونا پایا جائے گا تو مذکورہ ثواب ملے گا خواہ اس نیت سے نکلکر اپنے محلہ کی مسجد میں نماز پڑھے خواہ دوسرے محلہ کی مسجد میں، مسجد کے قریب اور دُور ہونے سے کچھ فرق نہیں پڑتا، اللہ تعالیٰ کی رحمت بڑی وسیع ہے گو اپنے محلہ کی مسجد میں نماز پڑھنا افضل ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :

انّما الاعمال بالنیات وانما لامرئ ما نوی الخ (بخاری)

چھ نمبر جو تبلیغی جماعت میں رائج ہیں یہ دین سے مناسبت پیدا کرنے کے لئے بزرگوں نے منتخب فرمائے ہیں، لیکن پورا دین انہی کو سمجھنا صحیح نہیں ہے بلکہ یہ تو اکثر عبادات سے متعلق ہیں، انکے علاوہ بھی دین کے بہت اہم شعبے ہیں جو انسان کی اجتماعی وانفرادی، معاشی وسیاسی زندگی سے متعلق ہیں، انھیں سیکھنا بھی ضروری ہے۔

چھ نمبروں کا روزانہ یا صبح شام تذکرہ کرنا اور اس پر عمل کرنے کی تلقین کرنا درست ہے اور باعثِ اجر ہے لیکن ان کے تذکرہ کو فرض و واجب سمجھنا اور جو انکو نہ سُنے اس پر طعن کرنا اور طرح طرح کے فتوے جڑنا یہاں تک کہ نہ سُننے والوں کو مسلمان بھی نہ سمجھنا سراسر ناجائز اور کھلی گمراہی ہے۔

اسی طرح چھ نمبروں کے تذکرہ کے دوران دوسروں کو کلام پاک کی تلاوت، ذکر وتسبیح ودیگر عبادات سے روکنا اور یہ کہنا کہ "چھ نمبروں کے بیان کے دوران دوسرا کوئی نیک عمل قابل قبول نہیں"، بدترین گمراہی اور سخت غلو اور جہالت کی بات ہے جس سے توبہ واجب ہے اور آیندہ ایسا طرز عمل اختیار کرنے سے گریز لازم ہے۔

فی ردّ المحتار ص ۶۶۰ ج ۱ :

اجمع العلماء سلفا وخلفا علی استحباب ذکر الجماعة فی المساجد وغیرھا الا ان یشوش جھرھم علی نائم او مصلّ او قارئ

وفی خلاصة الفتاویٰ ص ۱۰۳ ج ۱ :

رجل یکتب الفقه وبجنبه رجل یقرأ القرآن ولا یمکنه استماع القرآن فالاثم علی القارئ وعلی ھذا لو قرأ علی السطح فی اللیل جھرا والناس نیام تأثم۔

(۳) رائے ونڈ کو کعبة اللہ پر فضیلت دینا بدترین غلو اور گمراہی ہے،

وجہ اس کی یہ ہے کہ تبلیغی جماعت کے ساتھ نکلنے یا رائے ونڈ کے تبلیغی اجتماع میں شامل ہونے

یا دنیا میں کسی اور جگہ ہونے والے تبلیغی اجتماع میں شریک ہونے کی صورت میں اُنچاس کروڑ کا ثواب بالفرض تسلیم بھی کرلیا جائے تو یہ تبلیغ کی اس خاص صورت میں منحصر نہیں بلکہ جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کے راستہ میں نکلے گا اور دین کی کسی بھی خدمت میں لگے گا اس کو اپنی ہر عبادت پر اُنچاس کروڑ گُنا ثواب ملیگا، بشرطیکہ ان دونوں حدیثوں کو قابل استدلال تسلیم کرلیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کے راستہ میں نکلنا عام ہے خواہ علم دین حاصل کرنے کے لئے نکلے خواہ جہاد کرنے کے لئے نکلے خواہ مسلمانوں کی اعانت ونصرت کے لئے یا کسی اور کار خیر کے لئے نکلے یہ سب صورتیں فی سبیل اللہ میں داخل ہیں۔ لہٰذا جو شخص بیت اللہ شریف میں تبلیغ کے لئے یا علم دین حاصل کرنے کے لئے یا حج وعمرہ کرنے کے لئے جائے گا تو اس کو اللہ کے راستے میں نکلنے کا ثواب بھی ملیگا اور خاص بیت اللہ شریف کی فضیلت یعنی ایک لاکھ گُنا ثواب ملنے کی فضیلت بھی حاصل ہوگی، اس طرح اس کا ثواب اُنچاس کروڑ سے بے شمار گنا بڑھ جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ، اور رائے ونڈ جانے پر بیت اللہ شریف والی فضیلت حاصل نہ ہوگی، اس لحاظ سے رائے ونڈ کو بیت اللہ شریف پر ہرگز ہرگز فضیلت حاصل نہیں۔

اور یہ کہنا کہ "رائے ونڈ میں تبلیغی کام ہوتا ہے اور بیت اللہ شریف میں نہیں ہوتا"۔

یہ بھی محض غلط، تعصب اور جہالت کی بات ہے، خانہ کعبہ کے اندر بھی تبلیغ دین کا کام اور مختلف انداز سے دینی خدمت ہوتی ہے، گو تبلیغی جماعت کے ماتحت نہ ہوتا ہو۔

اشاعت دین اور تبلیغ دین کسی بھی جائز طریقہ سے ہو وہ درست اور معتبر ہے، تبلیغی جماعت کے ساتھ مل کر تبلیغی جماعت کے اُصول وقواعد کی روشنی میں تبلیغ کرنا شرعاً کوئی فرض وواجب نہیں، نیز تبلیغ دین تبلیغی جماعت کے ساتھ کام کرنے میں شرعاً منحصر نہیں، جو کوئی ایسا سمجھتا ہے یہ اُس کی جہالت ہے یا غلو ہے جو کھلی گمراہی ہے۔

فی کنز العمال ص۱۹۴ ج ۱۲:

ان اللہ تعالیٰ ینزل علیٰ ھذا المسجد مسجد مکۃ فی کل یوم ولیلۃ عشرین ومائۃ رحمۃ ستین للطائفین واربعین للمصلین وعشرین للناظرین۔

وفی سنن ابن ماجۃ ص۱۰۳:

عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوۃ الرجل فی بیتہ بصلوۃ وصلوتہ فی مسجد القبائل بخمس وعشرین صلوۃ وصلوتہ فی المسجد الاقصیٰ بخمسین الف صلوۃ وصلوتہ فی مسجدی بخمسین

الف صلوٰۃ وصلوٰۃ فی المسجد الحرام بمائۃ الف صلوٰۃ ۔

تنبیہ :

واضح ہو کہ سوال میں تبلیغی جماعت کے جن بعض افراد کا حال تحریر کیا گیا ہے ان کا یہ انفرادی حال اور انفرادی طرز عمل ہے، جو ان افراد کی نادانی، جہالت اور تبلیغ کی شرعی حقیقت سے ناواقف ہونے پر مبنی ہے، ان کی اس نادانی اور جہالت کی وجہ سے پوری تبلیغی جماعت کو غلط سمجھنا اور ان جیسا سمجھنا درست نہیں ہے۔ تبلیغی جماعت مجموعی اعتبار سے صحیح جماعت ہے اور اس پر خیر غالب ہے، اس کے ذریعہ خلقِ خدا کو دینی نفع پہنچ رہا ہے جو قابلِ قدر ہے، اعتدال پر قائم رہتے ہوئے اس جماعت کے ساتھ تعاون اور شرکت بلاشبہہ نافع اور مفید ہے، بعض افراد کی نادانی کی وجہ سے ساری جماعت کو غلط سمجھنا اور اس کی نافعیت سے انکار کرنا غلط اور جہالت ہے ۔ واللہ اعلم بالصواب

کتبہ، بندہ محمد یٰسین محراب پوری عفی عنہ
دارالافتاء دارالعلوم، کراچی ۱۴

الجواب صحیح
احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

الجواب صحیح
عبدالرؤف سکھروی
دار الافتاء - دارالعلوم کراچی ۱۴
۱۱-۶-۱۴۱۰ھ

الجواب صحیح
۱۱-۶-۱۴۱۰ھ
نائب مفتی دارالعلوم کراچی ۱۴

الجواب صحیح
نعیم ... عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

الجواب صحیح
نائب مفتی دارالافتاء والارشاد
... شعبان ۱۴۱۰ھ

۱۴۱۰ ۔ ۸ ۔ ۱۴

سوال متعلق بالا :

سوال : تبلیغ میں نکلنے پر "اُنچاس کروڑ" کے ثواب کے بارے میں دار العلوم سے ایک فتویٰ لکھا گیا تھا جس پر آپ کی بھی تصدیق ہے۔ ایک مولوی صاحب نے اسکے خلاف لکھا ہے جس کی کاپی ارسال خدمت ہے، اس پر نظر فرماکر فیصلہ تحریر فرمائیں۔

دار العلوم کے فتویٰ کے خلاف تحریر :

بعض روایات کے ظاہر سے یہ سمجھنا درست ہے کہ راہِ خدا میں نکل کر ایک نماز کی ادائیگی کا ثواب دوسری عام نمازوں سے اُنچاس کروڑ گنا ہے۔

عن عمران بن حصین عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من ارسل بنفقۃ فی سبیل اللہ واقام فی بیتہ فلہ بکل درھم سبعمائۃ درھم یوم القیامۃ ومن غزا فی سبیل اللہ وانفق فی جھۃ ذلک فلہ بکل درھم سبعمائۃ الف درھم ثم تلا ھذہ الآیۃ واللہ یضاعف لمن یشاء۔

ابن کثیر رحمہ اللہ نے بروایت ابن ابی حاتم نقل کرکے فرمایا :

ھذا حدیث غریب (تفسیر ابن کثیر ص۳۱۷ ج ۱)

عن معاذ بن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الصلوٰۃ والصیام والذکر یضاعف علی النفقۃ فی سبیل اللہ عزوجل بسبعمائۃ ضعف، رواہ ابوداؤد فی باب تضعیف الذکر۔

شارح رحمہ اللہ نے فرمایا :

ولفظ احمد فی مسندہ قال ان الذکر فی سبیل اللہ تعالیٰ یضعف فوق النفقۃ بسبعمائۃ ضعف قال یحییٰ فی حدیثہ بسبعمائۃ الف ضعف، والحدیث ضعیف لان فی سندہ زبان بن فائد وسھل ابن معاذ (بذل المجھود ص۳۰۴ ج ۱۱)

یہاں حدیث ثانی میں یضاعف علی النفقۃ کہا گیا ہے اور نفقہ کا ثواب حدیث اول میں بتلایا گیا، لہٰذا دونوں حدیثوں میں مذکور ثواب کو باہم ضرب دیا جائے تو حاصل ضرب اُنچاس کروڑ نکل آتا ہے اور ضرب دینے کے بعد حدیث ثانی کے خط کشیدہ الفاظ کا مطلب واضح ہو جاتا ہے۔

اب رہی یہ بات کہ کیا مذکورہ دونوں حدیثیں اس قابل ہیں کہ ان سے یہ مدعیٰ ثابت کیا جائے۔

توجہاں تک حدیث اول کا تعلق ہے اس کے سلسلے میں عرض ہے کہ اس حدیث کے راویوں میں ایک راوی خلیل بن عبداللہ بھی ہیں۔ ان کو بعض کتابوں میں غیر معروف کہا گیا ہے، لیکن یہی حدیث چونکہ ابن ابی حاتم رحمہ اللہ تعالیٰ کے واسطے سے بھی مروی ہے، جیسا کہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے

مثل الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ کمثل حبۃ

کے تحت روایت کی ہے (ج ۱ پ۳ ع ۳)

اور محدثین کے ہاں بالعموم معروف ہے کہ اگر ابن ابی حاتم رحمہ اللہ تعالیٰ کوئی روایت ذکر کرے اور اس کے راویوں پر جرح نہ کرے تو یہ توثیق کی علامت ہے۔

شیخ الاسلام علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

سکوت ابن ابی حاتم او البخاری عن الجرح فی الراوی توثیق له قال الحافظ فی "تعجیل المنفعۃ" فی مواضع عدیدۃ ذکرہ ابن ابی حاتم ولم یذکر فیہ جرحا، منھا فی ص ۲۵۳ فی ترجمۃ عاصم (عاصم بن صھیب) و فی ص ۲۱۹ فی ترجمۃ (عبد اللہ بن الحصین) و فی ص ۲۲۳ فی ترجمۃ (عبد اللہ بن سعید عن عبد اللہ بن ابی اوفی) و فی ص ۲۲۵ فی ترجمۃ (عبد اللہ بن عباد) و فی ص ۲۴۵ فی ترجمۃ (عبد ربہ بن میمون) و فی ص ۲۵۴ فی ترجمۃ (عبد الرحمن بن عقبۃ) وصنیعہ یدل علی ان سکوت ابن ابی حاتم رحمہ اللہ تعالیٰ عن الجرح توثیق کسکوت البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ (قواعد علوم الحدیث ص ۳۵۸)

لہٰذا اس حدیث سے استدلال صحیح ہے۔

اور جہاں تک حدیث ثانی کا تعلق ہے تو اس حدیث کو اگرچہ ضعیف کہا گیا ہے لیکن یہ ضعف اس درجے کا نہیں ہے جس کی بنا پر اس کو مسترد کیا جائے۔

سہل بن معاذ کو ابن حبان نے ثقہ کہا ہے۔

اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے سہل بن معاذ کے بارے میں فرمایا ہے:

سهل بن معاذ الجهنی نزل مصر لا بأس به الا فی روایات زبان
ابن فائد عنه، من الرابعة (تقریب التهذیب ص ۲۵۸)
یعنی سہل سے حدیث روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں الا یہ کہ ان سے زبان بن فائد
روایت کرے اور ان کا تعلق محدثین کے طبقۂ رابعہ سے ہے۔
البتہ زبان بن فائد کے بارے میں حافظ رحمہ اللہ تعالی لکھتے ہیں:
زبان بن فائد هو ضعیف الحدیث مع صلاحه وعبادته (تقریب ص۲۱۳)
یعنی زبان بن فائد اپنی ورع وعبادت کے باوجود حدیث میں ضعیف ہے۔
لہٰذا ان دونوں حدیثوں میں سے صرف دوسری حدیث کو صرف زبان کی وجہ سے
ضعیف قرار دیا گیا ہے لیکن اس درجہ کے ضعف کے لئے
انما یوفی الصٰبرون اجرهم بغیر حساب،
جابر ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اس آیت کے عموم میں اجر مخصوص بھی داخل ہے۔
عن ابن عمر رضی الله عنهما قال: لما نزلت مثل الذین ینفقون
اموالهم فی سبیل الله کمثل حبة انبتت سبع سنابل فی کل سنبلة
مائة حبة والله یضاعف لمن یشاء والله واسع علیم ٥
قال رسول الله صلی الله علیه وسلم رب زد امتی فنزلت: انما یوفی
الصٰبرون اجرهم بغیر حساب، رواه ابن حبان فی صحیحه والبیهقی
(ترغیب وترهیب ص ۳۷۶ ج ۲)
بہرحال مذکورہ دونوں حدیثیں اگرچہ متکلم فیہ ہیں لیکن یہ ضعف اس درجہ کا نہیں جس
کی وجہ سے ان پر عمل نہ کیا جائے۔
جیسا کہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ جس راوی کے بارے میں محدثین کرام
ضعیف، مجہول وغیرہ الفاظ کہہ دیں تو وہ حدیث ضعیف متروک العمل نہیں ہوگی بلکہ وہ
معتبر اور قابلِ استدلال قرار پاتی ہے۔
وقولهم لیس بقوی ..... واذا قالوا ضعیف الحدیث فدون لیس
بقوی ولا یطرح بل یعتبر به (تدریب الراوی ص۳۴۶ ج ۱)
ومن الفاظهم فلان روی عنه الناس، وسط، مقارب الحدیث....

مجهول ..... ما اعلم به بأسا۔ ولیستدل علی معانیها بما تقدم

(تدریب الراوی ص ۳۴۸ ج ۱)

رہی یہ بات کہ حدیث ضعیف کو فضائل کے حلقوں میں بیان کرسکتے ہیں یا نہیں اور اس کے ساتھ ضعف کو بیان کرنا بھی ضروری ہوگا یا نہیں؟

اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ حدیث میں اگر شدید درجہ کا ضعف نہیں اور وہ موضوع بھی نہیں ہے تو اس کا بیان کرنا بدون بیان ضعف درست ہے بلکہ بعض محدثین نے فضائل میں بیان ضعف سے چشم پوشی اور تساہل کو واجب قرار دیا ہے۔

البتہ اگر حدیث موضوع ہے تو اس کے وضع پر تنبیہ کئے بغیر بیان کرنا جائز نہیں۔

واما الموضوع فلا یجوز العمل به بحال ولا روایته الا اذا قرن ببیانه۔

قال ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: (قوله بحال) ای ولو فی فضائل الاعمال، قال ط ای حیث کان مخالفا لقواعد الشریعة واما لو کان داخلا فی اصل عام فلا مانع منه لا لجعله حدیثا بل لدخوله تحت الاصل العام اھ تأمل۔

(قوله الا اذا قرن) ای ذلك الحدیث المروی ببیانه ای بیان وضعه، اما الضعیف فتجوز روایته بلا بیان ضعفه

(الدر المختار مع الشامیة ص۱۲۸ ج ۱، ایچ ایم سعید)

اسی طرح خطیب بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ نے باب التشدد فی احادیث الاحکام والتجوز فی فضائل الاعمال کے تحت کئی قول اہل علم کے اسی سے متعلق ذکر کئے ہیں۔

(۷) اخبرنا محمد بن احمد بن یعقوب قال انا محمد بن نعیم قال سمعت ابا زکریا العنبری یقول الخبر اذا ورد لم یحرم حلالا ولم یحل حراما ولم یوجب حکما وکان فی ترغیب او ترهیب او تشدید او ترخیص وجب الاغماض عنه والتساهل فی روایته،

(کتاب الکفایة ص ۱۳۳)

اسی طرح ابن صلاح رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

یجوز عند اہل الحدیث وغیرہم التساہل فی الاسانید وروایۃ ماسوی الموضوع من انواع الحدیث الضعیفۃ من غیر اہتمام ببیان ضعفہا فی ما سوی صفات اللہ تعالیٰ واحکام الشریعۃ من الحلال والحرام وغیرہما وذلک کالمواعظ والقصص وفضائل الاعمال وسائر فنون الترغیب والترہیب وسائر مالا تعلق لہ بالاحکام والعقائد، وممن روینا عنہ التنصیص علی التساہل فی نحو ذلک عبد الرحمٰن بن مہدی واحمد بن حنبل رضی اللہ عنہما (علوم الحدیث لابن صلاح ص۹۳)

تدریب الراوی میں ہے:

وعبارۃ الزرکشی: والضعیف مردود مالم یقتض ترغیبا او ترہیبا او تعدد طرقہ ولم یکن المتابع منحطا عنہ، وقیل لا یقبل مطلقا وقیل ان شہد لہ اصل واندرج تحت عموم انتہٰی ویعمل بالضعیف فی الاحکام ایضا اذا کان فیہ احتیاط۔

عبد الوہاب عبد اللطیف نے اپنی تعلیق علی التدریب میں لکھا ہے:

نص علی قبول الضعیف فی فضائل الاعمال احمد بن حنبل وابن سید الناس والنووی والعراقی والسخاوی وشیخ زکریا وابن حجر العسقلانی والسیوطی وعلی القاری بل ذہب ابن الہمام الی انہ یثبت بہ الاستحباب واشار الی ذلک النووی وابن حجر المکی والجلال الدوانی، وممن منع العمل بہ (لابیانہ) الشہاب الخفاجی والجلال الدوانی وتوسع فی القول فیہ والعمل اللکنوی فی ظفر الامانی۔

(تدریب الراوی ص ۲۹۹)

مذکورہ عبارات سے خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ فضائل اعمال سے متعلق احادیث ضعیفہ کو بیان ضعف کے بغیر ذکر کرنا درست ہے۔

الجواب باسم ملهم الصواب

جواز العمل بالحدیث الضعیف کے لئے چار شرائط ہیں :

شرط اول : عدم اثبات حکم شرعی۔

"انچاس کروڑ" سے تحدید کا اعتقاد اثبات حکم شرعی ہے۔

شرط ثانی : عدم شدۃ الضعف

معیار شدۃ الضعف وخفتہ :

قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ :

(قولہ من طرق) ای یقوی بعضها بعضا فارتقی الی مرتبۃ الحسن ط

اقول : لکن هذا اذا کان ضعفہ لسوء حفظ الراوی الصدوق الامین او الارسال او التدلیس او جهالۃ حال، اما لو کان لفسق الراوی او کذبہ فلا یؤثر فیہ موافقۃ مثلہ لہ ولا یرتقی بذلک الی الحسن کما صرح بہ فی التقریب وشرحہ۔

(قولہ عدم شدۃ ضعفہ) شدید الضعف هو الذی لا یخلو طریق من طرقہ عن کذاب او متهم بالکذب قالہ ابن حجر ط (رد المحتار ص ۱۲۸ ج ۱)

مرسل تحریر میں تدریب الراوی سے ضعف خفیف کی فہرست میں یہ الفاظ نقل کئے گئے ہیں :

لیس بقوی، ضعیف الحدیث، روی عنہ الناس، وسط، مقارب الحدیث، مجهول، ما اعلم بہ بأسا۔

اور فتوی میں زیر بحث دونوں حدیثوں پر جرح کے ذیل میں یہ الفاظ ہیں :

مجهول، حدیث منکر، لا یعرف، احادیثہ مناکیر، ضعیف، منکر الحدیث جدا، یتفرد عن سهل بن معاذ بنسخۃ کأنها موضوعۃ لا یحتج بہ، عندہ مناکیر، سهل بن معاذ لا یعتبر حدیثہ ما کان من روایۃ زبان بن فائد عنہ، منکر الحدیث جدا، فلست ادری اوقع التخلیط فی حدیثہ منہ او من زبان فان کان من احدهما فالاخبار التی رواها ساقطۃ۔

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ ان حدیثوں میں شدۃ ضعف کا انکار صحیح نہیں، بالخصوص حدیث ثانی میں۔

محرر نے حدیث اول تفسیر ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کی ہے اور اسمیں صنیع ابن ابی حاتم رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس کی توثیق ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جو صحیح نہیں۔

محرر کا "ھذا حدیث غریب" کو حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول قرار دینا وہم ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ تنقید وجرح خود ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے فرمائی ہے، لفظ "غریب" کا اطلاق کبھی "شاذ و منکر" پر بھی ہوتا ہے،

قال الشیخ عبد الحق رحمہ اللہ تعالیٰ:

والغریب قد یقع بمعنی الشاذ ای شذوذا ھو من اقسام الطعن فی الحدیث وھذا ھو المراد من قول صاحب المصابیح من قولہ ھذا حدیث غریب لما قال بطریق الطعن۔

وقال فی الفصل المتقدم:

وسوء الحفظان کان لازم حالہ فی جمیع الاوقات مدۃ عمرہ لایعتبر بحدیثہ وعند بعض المحدثین ھذا ایضاً داخل فی الشاذ (مقدمۃ المشکوٰۃ ص۴)

حدیث زیر بحث کو فتوی میں مذکور تفصیل کے مطابق ابن الہادی، ذہبی، حافظ ابن حجر، منذری اور دارقطنی جیسے ائمہ جرح وتعدیل نے "ضعیف ومنکر" قرار دیا ہے، اس کے پیش نظر ابن ابی حاتم رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول "ھذا حدیث غریب" سے انکی مراد واضح ہوجاتی ہے۔

محرر نے ابن ابی حاتم رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت سے اثبات توثیق کے لئے جس قدر کاوش و محنت کی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس نے اپنے مقصد کے لئے کتب جرح وتعدیل کے تفحص وتنقیر میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا اسکے باوجود کامیابی نہوسکی تو بالآخر ابن ابی حاتم رحمہ اللہ کی روایت کا سہارا لیا جس کا حال بتایا جاچکا ہے۔

یہ حقیقت بھی ذہن نشین رہے کہ صرف اس ایک حدیث کی توثیق سے مدعیٰ ثابت نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ "اُنچاس کروڑ" کا حساب دونوں حدیثوں کے مجموعہ پر مبنی ہے۔

شرط ثالث: دخول فی اصل عام

واللہ یضاعف لمن یشاء اور انما یوفی الصٰبرون اجرھم بغیر حساب میں ان احادیث کے مضمون کا ادخال اس لئے صحیح نہیں کہ اس اصل میں "بغیر حساب" ہے اور احادیث سے اُنچاس کروڑ کا حساب ثابت کیا جاتا ہے۔

شرط رابع: عدم اعتقاد السنیۃ۔

عام تبلیغی بھائی اسے سنت سے بھی بڑھ کر فرض سمجھتے ہیں۔

روایة الحدیث الضعیف:

قال الامام الطحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ معزیا للتقریب وشرحہ:

اذا اردت روایة حدیث ضعیف بغیر اسناد فلا تقل قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وما اشبہ ذلک من صیغ الجزم بل قل روی عنہ کذا او بلغنا او ورد او جاء او نقل وما اشبہ ذلک من صیغ التمریض وکذا فیما تشک فی صحتہ وضعفہ، اما الصحیح فاذکرہ بصیغة الجزم ویقبح فیہ صیغة التمریض کما یقبح فی الضعیف صیغة الجزم (حاشیة الطحطاوی علی المراقی ص۴۲)

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ:

اما الضعیف فتجوز روایتہ بلا بیان ضعفہ لکن اذا اردت روایتہ بغیر اسناد فلا تقل قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کذا وما اشبہہ من صیغ الجزم بل قل روی کذا او بلغنا کذا او ورد او جاء او نقل عنہ وما اشبہہ من صیغ التمریض وکذا ما شک فی صحتہ وضعفہ کما فی التقریب (رد المحتار ص۱۲۸ ج۱)

محرر نے شامیہ کی عبارت مذکورہ سے صرف "اما الضعیف فتجوز روایتہ بلا بیان ضعفہ" نقل کرکے آگے تفصیل معلوم نہیں کس مصلحت سے چھوڑ دی ہے۔

اس تفصیل سے ثابت ہوا:

حدیث ضعیف اگر سند سے روایت کی جائے تو بیان ضعف ضروری نہیں اسلئے کہ اہل فن تحقیق سند سے مقام حدیث معلوم کرلیں گے۔

بلا سند روایت کی جائے تو بصیغۂ تمریض ضعف پر تنبیہ ضروری ہے،

لیکن اس زمانہ میں عوام بلکہ اکثر خواص بھی تحقیق سند کی نہ صلاحیت رکھتے ہیں اور نہ ہی اس کی ضرورت سمجھتے ہیں، اسی طرح صیغۂ تمریض سے ضعف پر تنبیہ بھی انکے فہم سے بالاتر ہے، اب تو جو شخص بھی لفظ "حدیث" سنتا ہے اسے یقیناً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہی سمجھتا ہے، اس لئے بہرکیف روایت میں بیان ضعف لازم ہے۔

مزید بریں جب عمل بالضعیف کے لئے عدم اعتقاد السنیة شرط ہے تو بدون بیان ضعف اس شرط پر عمل کرنا کیسے ممکن ہوگا؟

تساہل کے بارے میں جو عبارات نقل کی گئی ہیں وہ شرائط اربعہ مذکورہ کے ساتھ مقید ہیں کما ھو ظاہر جل۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۱ جمادی الآخرہ ۱۴۱۱ ہجری

الحاق

دار العلوم کراچی کے جواب میں مذکور تحقیق پر اعتماداً تصدیق کردی تھی، اس وقت زیادہ تعمق کی ضرورت محسوس نہ ہوئی، بعد میں احسن الفتاوی کی تبویب کے دوران اس مسئلہ پر غور کرنے کا موقع ملا تو ثابت ہوا کہ اس جواب میں بعض باتیں خلافِ تحقیق ہیں، تفصیل حسب ذیل ہے:

اولاً واقعہ یہ ہے کہ جہاد یا کسی دوسرے عمل سے متعلق کوئی ایسی صریح حدیث نہیں ملی جس کے الفاظ سے صاف صاف یہ ثابت ہو کہ جہاد وغیرہ میں نکل کر ایک نماز یا ایک تسبیح وغیرہ پڑھنے کا ثواب انچاس کروڑ کے برابر ملتا ہے، بلکہ یہ فضیلت دو حدیثوں کے مضمون کو ملا کر مستنبط کی گئی ہے، اس لئے جہاد کے لئے بھی یہ فضیلت اس طرح بیان کرنا کہ حدیث میں یوں ہے، محلِ نظر ہے۔

ثانیاً جن دو حدیثوں کے مضمون کو ملا کر یہ فضیلت مستنبط کی گئی ہے وہ دونوں سنداً ضعیف ہیں، ان پر مفصل کلام دار العلوم کراچی کے فتوی اور اس فتوی کے رد میں لکھی گئی تحریر کے جواب میں دار الافتاء والارشاد کے فتوی میں گزر چکا ہے۔

ثالثاً اگر ان دونوں حدیثوں کو قابلِ استدلال تسلیم بھی کر لیا جائے تو چونکہ ان میں سے ایک روایت میں من غزا بنفسہ کی تصریح ہے، اس لئے اس موقع پر فی سبیل اللہ میں عموم مراد لے کر اس فضیلت کو دین کے دوسرے شعبوں کے لئے عام و شامل ماننے کی کوئی گنجائش نہیں، بلکہ یہ فضیلت صرف غزوہ کرنے والے یعنی کفار کے خلاف برسرِ پیکار مجاہدین کے ساتھ خاص ہوگی۔

لہٰذا دعوت و تبلیغ ہو یا کوئی دوسرا شعبۂ دین، ان کے اپنے فضائل بہت ہیں، انہی پر اکتفا کیا جائے، یہ مخصوص فضیلت ان کے لئے بیان کرنا کسی صورت صحیح نہیں۔

رابعاً مذکورہ فضیلت دعوت و تبلیغ اور دوسری دینی خدمات کے لئے ان دو حدیثوں میں مذکور لفظ "فی سبیل اللہ" کو عام قرار دے کر مستنبط کی گئی ہے، جبکہ جہاد اور فی سبیل اللہ ان اصطلاحاتِ شرعیہ میں سے ہیں جن کا عرفِ شرع میں خاص مصداق متعین ہے، وہ یہ کہ کفار سے لڑنے کے لئے میدان جہاد میں نکلے۔

احادیث یا اقوالِ علماء میں اس کے علاوہ کسی عمل پر اگر کبھی جہاد یا فی سبیل اللہ کا اطلاق

کیا گیا تو وہ مجازاً کیا گیا، اس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں کہ اس پر جہاد کے تمام فضائل حاصل ہوں گے، جیسے لفظ "صلوٰۃ" کا اصطلاح شرع کے اعتبار سے حقیقی مصداق ایک مخصوص عمل ہے اور لغۃً اس کا اطلاق درود شریف اور دعاء پر بھی ہوتا ہے، مگر کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ درود شریف پڑھنے یا دعاء مانگنے سے فریضۂ نماز سے سبکدوش ہوجائے گا اور اسے نماز کے تمام فضائل حاصل ہوجائیں گے۔

درحقیقت جہاد چونکہ بہت اونچا عمل ہے، اس لئے کسی عمل کی اہمیت بیان کرنے کیلئے اسے جہاد سے تشبیہ دے دی جاتی ہے، اس کے معنی یہ نہیں ہوتے کہ وہ عمل بعینہٖ جہاد ہے اور اس پر جہاد کے تمام فضائل حاصل ہوں گے۔ لہٰذا جہاد اور فی سبیل اللہ کے معنیٔ حقیقی سے صرف نظر کرکے معنیٔ مجازی اس طرح بیان کرنا کہ اسی کو حقیقی مصداق قرار دیا جانے لگے صحیح نہیں۔

خامساً سابق فتوی میں ع۳ کا جو جواب دیا گیا ہے وہ فی سبیل اللہ کے عموم کو مدنظر رکھتے ہوئے دیا گیا ہے، جبکہ مندرجہ بالا تفصیل سے ثابت ہوگیا کہ اس میں عموم نہیں، لہٰذا اس پر متفرع جواب بھی صحیح نہیں۔

خلاصہ یہ کہ رائیونڈ کے لئے سرے سے یہ فضیلت بیان کرنا ہی صحیح نہیں، لہٰذا بیت اللہ کے لئے انچاس کروڑ سے زیادہ فضیلت ثابت کرنے کے تکلف کی ضرورت نہیں۔

قال الامام الرازی رحمہ اللہ تعالیٰ فی تفسیر قولہ تعالیٰ "احصروا فی سبیل اللہ": والمعنی انہم حصروا انفسہم ووقفوھا علی الجہاد وان قولہ "فی سبیل اللہ" مختص بالجہاد فی عرف القرآن (تفسیر الکبیر ص۷۹ ج۳)

وقال الحافظ السیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ: وفی سبیل اللہ ای القائمین بالجہاد (جلالین ص۱۶۱)

وقال الحافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ: المتبادر الی الفہم من لفظ "فی سبیل اللہ" الجہاد (فتح الباری ص۲۹ ج۶)

وقال العلامۃ ابن حزم رحمہ اللہ تعالیٰ: واما سبیل اللہ فہو الجہاد بحق، قلنا نعم وکل عمل خیر فہو من سبیل اللہ تعالیٰ الا انہ لاخلاف فی انہ تعالیٰ لم یرد کل وجہ من وجوہ البر فی قسمۃ الصدقات فلم یجز ان توضع الاحیث بین النص وھو الذی ذکرناہ یعنی الغازی المنصوص فی الحدیث السابق (المحلی ص۱۵۱ ج۶)

تبلیغی جماعت اور انچاس کروڑ ـــــ ۲۰

وقال العلامة زاهد الکوثری رحمہ اللہ تعالی: وهذا يدل على ان حمل لفظ "فی سبیل اللہ" على الغازی موضع اتفاق بين من سبق ابن حزم من فقهاء الصحابة والتابعين وتابعيهم ومن بعدهم الى عصره (مقالات الکوثری ص۱۹۰)

قال الامام السرخسی رحمہ اللہ تعالی: واما قوله تعالی "فی سبیل اللہ" فهم فقراء الغزاة هكذا قال ابو یوسف رحمہ اللہ تعالی (الی ان قال) وقال ابو یوسف رحمہ اللہ تعالی يقول الطاعات كلها فی سبیل اللہ ولكن عند اطلاق هذا اللفظ المقصود بهم الغزاة عند الناس (المبسوط ص۱۰ ج ۳)

وقال الامام المرغینانی رحمہ اللہ تعالی: "وفی سبیل اللہ" منقطع الغزاة عند ابی یوسف رحمہ اللہ تعالی لانه هو المتفاهم عند الاطلاق وعند محمد رحمہ اللہ منقطع الحاج.

قال الامام ابن الهمام رحمہ اللہ تعالی: ثم فيه (ای فيما نقل عن محمد رحمہ اللہ تعالی) نظر لان المقصود ما هو المراد بسبيل اللہ المذكور فی الآية والمذكور فی الحديث لا يلزم كونه اياه لجواز انه اراد الامر الاعم وليس ذلك المراد فی الآية بل نوع مخصوص والا فكل الاصناف فی سبیل اللہ بذلك المعنى (فتح القدیر ص۲۰۵ ج ۲)

وقال الملا علی القاری رحمہ اللہ تعالی: "وفی سبیل اللہ" منقطع الغزاة عند ابی یوسف رحمہ اللہ تعالی لانه هو المفهوم من اطلاق هذا اللفظ فينصرف اليه لا غيره ويؤيده ما فی البخاری انه عليه السلام قال ان خالدا احبس ادراعه "فی سبیل اللہ" ولا شك ان الدرع للغزو لا للحج (شرح النقاية ص۳۸۶ ج ۱)

وقال الحافظ العینی رحمہ اللہ تعالی: قال ابن المنذر فی الاشراف: قول ابی حنیفة وابی یوسف ومحمد رحمهم اللہ "فی سبیل اللہ" هو الغازی غير الغنی وحكى ابو ثور عن ابی حنیفة رحمہ اللہ تعالی انه الغازی دون الحاج وذكر ابن بطال انه قول ابی حنیفة ومالك والشافعی رحمهم اللہ تعالی وذكر مثله النووی فی شرح المهذب (عمدة القاری ص۴۴ ج ۹)

ومثله فی الشلبی بهامش التبيين (ص۲۹۸ ج ۱) وفی مجمع الانهر والدر المنتقى بهامشه (ص۲۲۱ ج ۱) والبحر الرائق (ص۲۴۳ ج ۲) والطحطاوی على الدر (ص۴۲۵ ج ۱) واللہ سبحانه وتعالی اعلم.

۲۹ رجادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ

ملحوظہ: اصطلاح "جہاد" اور "فی سبیل اللہ" کے موضوع پر ایک مستقل رسالہ زیر تصنیف ہے، جس میں اس پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ - مرتب۔

جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں ان کے خرچ کئے ہوئے مالوں کی حالت ایسی ہے جیسے ایک دانہ کی حالت جس سے سات بالیں جمیں، ہر بال کے اندر سو دانے ہوں، اور یہ افزونی اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے عطاء فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے ہیں جاننے والے ہیں۔

وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ
وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ (۴۱ - ۴۱، ۴۲)
اور یقیناً یہ قرآن بڑی باوقعت کتاب ہے، جسمیں غلط بات نہ اس کے
آگے کیطرف سے آسکتی ہے اور نہ پیچھے کی طرف سے، یہ حکیم وحمید کیطرف سے اُتارا گیا ہے
قرآن
کے
خلاف
کمپیوٹری سازش
فاروقی
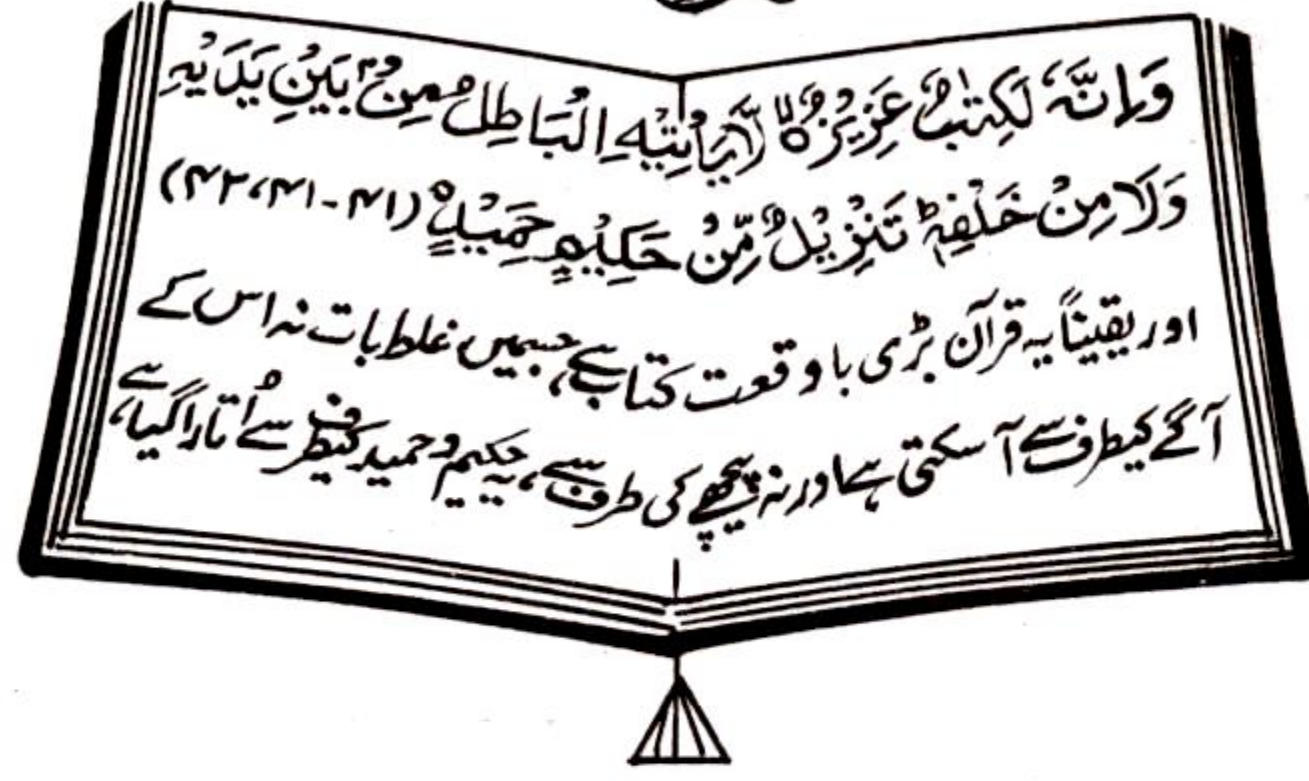
صدّیقی ٹرسٹ
نسیم پلازا نزد لسبیلہ چوک۔ نشتر روڈ۔ کراچی ۵
Siddiqui Trust G.P.O. Box No. 609 Karachi No. 5 Pakistan

۱۶ ذی الحجہ ۱۴۰۰ھ مطابق ۲۶ اکتوبر ۱۹۸۰ء

بخدمت جناب حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب مدظلہ
ناظم آباد نمبر ۴ کراچی

حضرت محترم زادت عنایتکم،
السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

ایک مصری عالم ڈاکٹر راشد خلیفہ کی تحقیق کے مطابق کمپیوٹر کے ذریعہ قرآن پر تحقیقات کا سلسلہ دُنیا کے ممالک میں جاری ہے، یہ سلسلہ اب پاکستان میں اسلام آباد یونیورسٹی میں بھی شروع ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلا مضمون "معارف" اعظم گڑھ میں شائع ہوا تھا، اس کی نقول پاک و ہند کے متعدد رسائل میں بعد میں کتابی صورت میں شائع ہوتی رہی ہیں۔ اور اب یہ مضامین عربی اخبار و جرائد میں بھی شائع ہو رہے ہیں۔

اس سلسلہ میں **۱۹** کا ہندسہ خاص طور پر زیرِ بحث آیا ہے کہ یہ ہی تحقیق سب سے اوّل شائع ہوئی تھی، اس پر متعدد حضرات نے اعتراضات بھی شائع کئے ہیں لیکن یہ اعتراضات محدود پیمانہ پر سامنے آئے ہیں۔

اب ایک پاکستانی مسلمان برطانیہ سے یہ تحریر کرتے ہیں کہ علماءِ کرام کی رائے اس سلسلہ میں دریافت کی جائے۔

ڈاکٹر راشد خلیفہ کی تحقیق بصورتِ انگریزی رسالہ، اور دیگر حضرات کی تحقیقات بصورتِ اردو رسالہ "قرآنِ کریم کا اعجاز" ہمراہ روانہ خدمت ہے۔

براہِ کرام اس سلسلہ میں جواب سے مطلع فرمائیے کہ یہ تحقیقات اسلامی تعلیمات کے منافی تو نہیں ہیں اور اس کی اشاعت جائز ہے یا یہ طریق کار خلافِ اسلام ہے؟ والسّلام

احقر الزمان: محمد منصور الزمان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم جناب محمد منصور الزمان صاحب، صدیقی ٹرسٹ کراچی۔

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

قرآن کریم کے کمپیوٹری تجزیہ سے متعلق آپ کا استفسار موصول ہوا، جواب ارسال ہے۔

الجواب باسم ملہم الصواب

میں زبان و قلم کی طرح آنکھ اور کان کی بھی لغویات سے حفاظت کا اہتمام کرتا ہوں، معہذا کان میں کچھ لغو باتیں پڑ ہی جاتی ہیں، بالمشافہہ تو کسی کو کم ہی ہمت ہوتی ہے ٹیلیفون پر اس کا شکار ہو جاتا ہوں، اسی سلسلہ کی ایک خبر وہ بھی ہے جس سے متعلق استفسار کیا گیا ہے، کچھ عرصہ قبل ایک صاحب نے بذریعہ فون بزعم خود اس "عجیب انکشاف" کی خبر سے میرے کان کو ملوث و متوحش کیا، میں اس وقت اس کا حاصل صرف یہ سمجھا کہ ماڈرن مسلم کے نیو ماڈل جوڑے کو ابلیس نے روحِ قرآن کے فہم اور اس کے مطابق عمل سے غفلت میں رکھنے کے لئے ایسی لغویات کو ان کی نظر میں مزین کر دیا ہے اور ان کو اس فریب میں مبتلا کر دیا ہے کہ بس حاصلِ قرآن یہی ہے، مگر بعد میں جب یہ سُنا کہ یہ ایک تحریک کی صورت اختیار کر گیا ہے اور اس کی نشر و اشاعت کی مہم چلائی جارہی ہے تو یہ خطرہ ہوا کہ کہیں اس کے پسِ پشت کوئی طاغوتی قوت تو کارفرما نہیں؟ اور دشمنانِ اسلام اعجازِ قرآن کے نام سے اسلام و قرآن کیخلاف سازش میں تو مصروف نہیں؟

سازش کے ۲ دو رُخ:

اس سازش کے ۲ دو رُخ ہو سکتے ہیں۔

پہلا رُخ:

فرقہ بہائیہ کے مقدس عدد "اُنیس ۱۹" کو پورے قرآن کا محور ثابت کر کے یہ تأثر دیا جائے کہ بہائیت نہ صرف یہ کہ قرآن سے ثابت ہے بلکہ پورے قرآن کی رُوح ہے۔

فرقہ بہائیہ نے اس عدد کا تقدس ہند کی جہالتِ قدیمہ سے لیا ہے جس میں "اُنیس ۱۹" کے عدد کو اس لئے متصرف و مؤثر گردانا جاتا تھا کہ یہ سب سے چھوٹی اکائی اور سب سے بڑی اکائی یعنی ایک اور نو کا مجموعہ ہے۔

مذہب بہائی کا اصل بانی علی محمد باب ہے، ان کے عقیدہ میں یہ بابِ ظہورِ الٰہی تھا،

اس کے بعد اس کی اُمت کے مختلف فرقے ہو گئے جن میں سے بہاء الدین کے پیرو کار بہائی کہلاتے ہیں اس لئے فرقہ بہائیہ بھی مذہب بابی ہی کے شجرِ خبیث کا ثمر ہے۔

علی محمد باب ۱۸۱۹ء میں پیدا ہوا جس کے اعداد کا مجموعہ "اُنیس ۱۹" ہے۔
۹ + ۱ + ۸ + ۱ = ۱۹، اس بناء پر فرقۂ بہائیہ کے عقیدہ میں یہ عدد بہت مقدس اور پوری کائنات کا محور ہے، اسی لئے یہ لوگ سال میں اُنیس ۱۹ مہینے اور ہر ماہ اُنیس ۱۹ دن کا شمار کرتے ہیں، اپنی تحریریں اسی عدد سے شروع کرتے ہیں، اور اپنی معبدوں و تبلیغی مرکزوں (بہائی ہال) کی دیواروں پر یہ عدد نمایاں طور پر لکھتے ہیں۔

ان کا مرکز فلسطین میں مقام "عکہ" ہے، حکومتِ اسرائیل کی سرپرستی میں انکی تبلیغی سرگرمیاں جاری ہیں، امریکہ میں ان کی کافی تعداد ہے، ممکن ہے کہ "قرآن کا کمپیوٹری اعجاز" انہی کی سازش ہو۔

دوسرا رُخ :

سازش کا دوسرا رُخ یہ ہے کہ اس عدد کے محورِ قرآن ہونے کی خوب تشہیر کی جائے حتّٰی کہ مسلمان بھی اس فریب میں آجائیں، اور اس غلط نظریہ کو قبول کر لیں کہ "اُنیس ۱۹" کا عدد قرآن میں وجہ اعجاز ہے اور پورے قرآن کا محور ہے، اس کے بعد پینترا بدل کر اس عدد کی نحوست کی تشہیر شروع کر دی جائے، مثلاً :

جہنم کے فرشتے اُنیس ۱۹ ہیں۔
نَارُ جَهَنَّمَ هُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ کے حروف مکتوبہ اُنیس ۱۹،
فرعون، ہامان، شداد، نمرود کے حروف مکتوبہ کا مجموعہ اُنیس ۱۹،
بعض عامل بچھو کا زہر اُتارنے کے لئے زمین پر گول دائرہ میں اُنیس ۱۹ کا عدد لکھ کر اس پر جوتے مارتے ہیں وغیرہ وغیرہ،

اس سے یہ ثابت کریں :
معاذ اللہ قرآن انسان کو ملائکۂ جہنم کے سپرد کرتا ہے،
ہمیشہ کے لئے نارِ جہنم میں پھینکتا ہے،
فرعون جیسے کفار کے زمرہ میں شامل کرتا ہے،

حیاتِ قلب کے لئے سمِّ قاتل ہے وغیرہ،
اللہ تعالیٰ ایسے کفریات سے حفاظت فرمائیں۔
یا اسی قسم کے اعداد کسی دوسرے کلام میں دکھادیں، اس طرح قرآن کی حقانیت و اعجاز کو مخدوش کرنے کی کوشش کریں،
اگر بالفرض اس تحریک میں شیطان کے کسی انسانی کارندہ کا ہاتھ نہ بھی ہو تو براہِ راست شیطان خود اس کی کمان کررہا ہے، اس لئے کہ اس میں مذکورہ دو مفاسد بہرکیف موجود ہیں خواہ اس میں کسی دشمنِ اسلام انسان کی سازش ہو یا نہو۔

قرآن کے کمپیوٹری تجزیہ کے مفاسد:

مزید برآں اس میں دوسرے مفاسد بھی ہیں مثلاً:
(۱) اس تحریک کی بدولت مسلمان قرآن کی دعوت اور اس پر عمل سے اور زیادہ غافل ہوجائیں گے،
اس زمانہ کے مسلمانوں کی اکثریت قرآن کے ساتھ صرف ایسا تعلق رکھنا چاہتی ہے جس میں دعوتِ قرآن پر غور و فکر کی مشقت اور قرآن پر عمل کے مجاہدہ کی بجائے پیٹ اور آنکھ کان وغیرہ کی لذت حاصل ہو، اس میں ان کے دو فائدے ہیں:
(۱) تدبرِ قرآن، ترکِ منکرات اور حدود اللہ پر قائم رہنے کی محنت و مشقّت کی بجائے راحت و نفسانی لذّت۔
(۲) اس طریقۂ کار سے یہ فریب دہی مقصود ہے کہ یہ لوگ محبتِ قرآن کے حقوق ادا کررہے ہیں اور سراپا مخالفتِ قرآن کے باوجود عشقِ قرآن میں مرے جارہے ہیں ؎

ہم فراقِ یار میں گھُل گھُل کے ہاتھی ہوگئے
اتنے گھُلے اتنے گھُلے رستم کے ساتھی ہوگئے

(۲) دماغ و قلم کی قوتوں اور قیمتی وقت کی اضاعت۔
محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:
"بندہ سے اللہ تعالیٰ کے اعراض کی یہ علامت ہے کہ بندہ لایعنی کاموں میں مشغول ہوجائے۔"
اور فرمایا:
"لایعنی کاموں سے احتراز حُسنِ اسلام کی علامت ہے۔"
قرآن کے خلاف کمپیوٹری سازش ــــــ ۵

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علم غیر نافع، قلب غیر خاشع اور دُعاءِ غیر مستجاب سے پناہ مانگی ہے۔

ان تینوں جملوں میں یہ ربط ہے کہ اجابتِ دُعاء خشوعِ قلب پر موقوف ہے، اور خشوعِ قلب علم غیر نافع سے احتراز پر موقوف ہے۔

شیطان اپنی اس کامیابی پر کتنا مسرور ہوگا کہ خدمتِ دین میں ایسے منہمک لوگ جن کی زندگی کا ایک ایک لمحہ دنیا و مافیہا سے زیادہ قیمتی ہے اور وہ پاسِ انفاس کی صورت کی بجائے اس کی روح کا زیادہ اہتمام کرتے ہیں، آج وہ بھی ایسی لغویات کی تردید میں مشغول ہیں۔

عدد اُنیس ۱۹ کے وجہ اعجازِ قرآن ہونے کا ابطال:

اُنیس ۱۹ کے عدد کو محورِ قرآن اور وجہ اعجاز قرار دینا بوجوہِ ذیل بالکل لغو، باطل اور نقل وعقل کے سراسر خلاف ہے۔

① شریعت میں اس عدد کی کوئی خصوصیت وفضیلت نہیں، عقلاً بھی یہ کوئی کمال نہیں، ایسے مفروضات تو ہر کس و ناکس کے کلام میں نکالے جا سکتے ہیں، اگر ایسے ساقط اُمور کو وجہ اعجاز فرض کرلیا جائے تو معاذ اللہ کلامِ حریری کلام اللہ سے زیادہ معجز قرار پائے گا،

تعدادِ حروف کا قرآن وحدیث میں قطعاً کوئی اعتبار نہیں، نہ ہی فنِ فصاحت وبلاغت میں اس کا کوئی اعتبار ہے، نہ ہی اور کسی لحاظ سے اس میں کوئی حسن و خوبی ہے۔

② بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کے اُنیس ۱۹ حروف ہونے کی وجہ سے جس طرح اس عدد کا تقدس ثابت کیا جارہا ہے اسی طرح بعض دوسرے کلمات کے عدد سے اس کی نحوست پر استدلال کیا جاسکتا ہے، جس کی چند مثالیں اوپر لکھی جا چکی ہیں، وجہ ترجیح کیا ہے؟

③ اگر بالفرض عدد حروف ہی پر قرآن کی بنیاد ہوتی تو اسمِ ذات اللہ کے حروف بنیادی قرار پاتے۔

④ نزولِ قرآن کے زمانے میں تین، چار، پانچ، چھ، سات، دس اور ہزار کے اعداد خصوصیات ریاضیہ کی وجہ سے کثرت کے لئے استعمال ہوتے تھے، بالخصوص سات کا عدد زیادہ مشہور تھا، اس کی قوت کی وجہ سے اس کا نام سبع رکھا گیا، ان اعداد کی خصوصیات ریاضیہ کے بیان کا یہاں موقع نہیں۔

اگر کوئی عدد قرآن کا محور ہوتا تو ان اعداد میں سے ہوتا، خصوصاً جبکہ قرآن وحدیث میں بھی یہ اعداد محاورہ کے مطابق تکثیر کے لئے استعمال ہوئے ہیں۔

حسابِ جمل کی حقیقت:

(۵) تعدادِ حروف اور حسابِ جمل ابجد کی حقیقت سوائے ظرافتِ طبع کے کچھ نہیں، اگر حقیقت سے اس کا کوئی واسطہ ہوتا تو کافر کا سنِ ولادت یا سنِ وفات **مغفور لہ** نکالنے سے وہ جنتی ہوجاتا اور اس کے عکس سے مسلمان جہنمی بن جاتا، اور اگر ایک ہی شخص کے بارے میں دو متضاد عدد نکال دیئے جاتے تو کیا ہوتا؟

کسی نے حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ کا سنِ ولادت کرم عظیم (۱۲۸۰ھ) نکالا، حضرت نے فرمایا:

"مخالفین مکر عظیم کہہ سکتے ہیں۔"

کسی ظریف شاعر کے عربی، فارسی اور اردو اشعار میری نظر سے گزرے ہیں جن میں اعداد حروف میں تصرف کے ذریعہ کسی بھی لفظ سے اللہ تعالیٰ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی نکالنے کے ضوابط مذکور تھے۔

گرونانک سے لولاك لما خلقت الافلاك کی تشریح یوں نقل کی گئی ہے:

"اعداد میں جوڑ توڑ کے ذریعہ کسی بھی لفظ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک نکالا جاسکتا ہے، کوئی بھی لفظ لیکر اس کے عدد میں یہ عمل کریں:

عدد لفظ × ۴ + ۲ × ۵ ÷ ۲۰، باقی × ۹ + ۲ = ۹۲ ہوگا، جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا عدد ہے۔"

ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ محض ظرافت ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔

اگر ایسی ظرافت کو حقیقت تسلیم کرلیا جائے تو ہر باطل مذہب والے اپنے معبود ومقتدا سے متعلق ایسی ظرافت پیش کرکے ان کا ہر شے کی بناء اور جملہ کائنات کا محور ہونا ثابت کرسکتے ہیں، مثلاً:

ابلیس کا عدد ۱۰۳ ہے، اس کو ہر لفظ سے یوں حاصل کیا جاسکتا ہے:

"عدد لفظ × ۴ + ۲ × ۵ ÷ ۲۰، باقی × ۱۰ + ۳ = ۱۰۳"

میں نے مرسلہ مضامین بار بار غور سے پڑھے جس سے دو امر ثابت ہوئے:

(۱) اس سلسلہ کے محرک نے عدد انیس ۱۹ کے تقدس کا دعویٰ صراحۃً نہ بھی کیا ہو تو بھی اس کے طریق کار یعنی پورے حساب کی بنیاد اسی عدد پر رکھنے سے اس کے

تقدس کے اظہار و اشاعت میں کوئی شبہہ نہیں، جیساکہ خود استفسار میں بھی اسکا اعتراف ہے اور روزنامہ جنگ بابت ۲۴/۱۰/۸۰ کی مرسل کاپی میں تو مضمون نگار نے گویا اُنیس ۱۹ کو اللہ ہی باور کرانے کی کوشش کی ہے۔

(۲) ان اعداد کے جوڑ توڑ سے قرآن کا آسمانی کتاب ہونا، معجز ہونا، تغییر و تبدیل سے محفوظ ہونا وغیرہ کا اثبات تو درکنار ان سے تو کوئی بھی فضیلت ثابت نہیں ہوتی، محض ظرافتِ طبع کا سامان ہے۔

دوسرے کلاموں میں بھی ایسی ظرافتیں تلاش کی جاسکتی ہیں، بلکہ بعینہ ان ہی ظرافتوں پر مشتمل کلام مرتب کیا جاسکتا ہے،

اس سے زیادہ بہتر تو مقطعات سے متعلق مفسر بیضاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بیان فرمودہ لطائف ہیں، اس کے باوجود علماءِ اُمت نے ان کو کوئی اہمیت نہیں دی،

ہاں قرآن کی سورتیں، ہر سورت کی آیات، ہر آیت کے الفاظ، ہر لفظ کے حروف اور ہر حرف کی حرکات و سکنات شمار کرنے کی محنت اور اس کی حفاظت و اشاعت بہت اہم فریضہ ہے، اس لئے کہ یہ حفاظتِ قرآن کا ذریعہ ہے، مگر اس کا بھی اعجازِ قرآن و تدبّرِ قرآن سے کوئی تعلق نہیں صرف حفاظتِ قرآن سے تعلق ہے۔

(۶) اسم کی تعداد اور بسم کی تعداد کا حاصل ضرب رحمٰن کی تعداد کے برابر بتایا ہے، اگر اس حساب کی کوئی حقیقت ہوتی تو حاصل ضرب اللہ کی تعداد کے برابر ہونا چاہیئے تھا، اس لئے کہ یہ اسم ذات ہونے کے علاوہ لفظ بسم کے ساتھ متصل بھی ہے

بانیٔ تحریک کی کھلی فریب کاریاں:

(۷) اس تحریک کے بانی نے خود اپنی طرف سے اُنیس ۱۹ کا عدد متعین کرکے اس کو قرآن کی رُوح ثابت کرنے کی اس طرح کوشش کی ہے کہ کہیں جمع، کہیں ضرب، کہیں تقسیم، کہیں حروف کی تعداد اور کہیں الفاظ کی اور کہیں بعض سورتوں کے ایک خاص حرف کی، غرضیکہ جس طرح بھی اُنیس ۱۹ کا عدد بن سکتا تھا اسے زبردستی بنایا ہے اور جہاں نہیں بن سکا اسے چھوڑ دیا ہے۔

اس دَورِ ترقی کے دانشوروں کی دانش پر تعجب ہے کہ ایسے کھلے فریب کو بھی نہ سمجھ سکے، مختلف ترکیبوں سے کھینچ تان کر زبردستی اُنیس ۱۹ سازی کی بطور نمونہ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

① قرآن کریم میں کتابت مقصود نہیں بلکہ قرارت مقصود ہے، کتابت صرف ذریعۂ حفاظت ہے۔ لہٰذا قرآن میں حروف مقروءہ کا اعتبار ہے نہ کہ حروف مکتوبہ کا،

اسی لئے صحتِ نماز کے لئے بشمول حروف محذوفہ تیئس۲۳ حروف مقروءہ کی قرارت شرط ہے۔

اس حساب سے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کے بائیس۲۲ حروف ہیں، مگر اتّباعِ بہائیت کی خاطر ان کو اُنیس۱۹ بنادیا گیا۔

بعض نے تفسیر ابن کثیر سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول پیش کیا ہے کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کا ہر حرف جہنم کے اُنیس۱۹ داروغوں میں سے ہر ایک سے بچاؤ کا ذریعہ ہے۔

اگر اس قول کی سند صحیح تسلیم کرلی جائے تو یہ تقریب یا ظاہر کتابت کے پیشِ نظر طلبِ رحمت کی ایک صورت ہے ورنہ درحقیقت حروف کی اصل تعداد بائیس۲۲ ہے۔

② کُل اُنتیس۲۹ سورتیں جو حروف مقطعات سے شروع ہوتی ہیں ان میں سے صرف سورۂ قلم سے حرف نون اور سورۂ اعراف، مریم اور ص سے حرف صاد کی تعداد کو اُنیس۱۹ پر تقسیم کیا ہے، باقی پچیس۲۵ سورتوں کو بالکلیہ اور سورۂ اعراف و مریم کے دوسرے مقطعات کو اس لئے چھوڑ دیا کہ ان سے اُنیس۱۹ کا دیوتا نہیں بن سکا۔

③ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کے عددِ حروف پر اسم، اللّٰه، الرَّحْمٰن، الرَّحِيْم کے عدد الفاظ کو تقسیم کرکے اُنیس۱۹ پیدا کیا گیا، باقی تین صورتیں (صورتِ مذکورہ کا عکس، سب کے حروف، سب کے الفاظ) سے اُنیس۱۹ پیدا نہ ہو سکا اس لئے ان کو چھوڑ دیا، حالانکہ یکسانیت مقدم تھی، معہٰذا زبردستی اُنیس۱۹ پیدا کرنے کی غرض سے ایک طرف کے حروف اور دوسری طرف کے الفاظ لئے ہیں۔

④ لفظ بسم کا اصل بھی لفظ اسم ہی ہے ب حرف زائد ہے، اس طرح لفظ اسم کی تعداد بائیس۲۲ بنتی ہے مگر اُنیس۱۹ بنانے کے لئے بسم کو چھوڑ کر صرف اسم شمار کیا ہے۔

⑤ اسم کی تعداد 19×بسم کی تعداد ۳ = ۵۷، جو اُنیس۱۹ پر تقسیم ہوتا ہے، یہاں بذریعہ ضرب اُنیس۱۹ پیدا کیا اور مقطعات میں بصورتِ جمع ۱۴+۱۴+۲۹ = ۵۷ بنایا،

خواہ ضرب سے ہو یا جمع سے، جیسے بھی ہوسکے بس اُنیس ۱۹ بنانا مقصود ہے،

آخری گزارش:

وہ فرد یا ادارہ جو علماءِ راسخین کے ساتھ قریبی رابطہ رکھے بغیر دین کی کوئی خدمت انجام دیتا ہے وہ اپنے کام میں خواہ کتنا ہی مخلص کیوں نہ ہو اس کا صراط مستقیم پر قائم رہنا اور دشمنانِ اسلام کے ہتھکنڈوں سے محفوظ رہنا مشکل ہے،

اس لئے خدمتِ دین بالخصوص نشر و اشاعت میں کسی راسخ فی العلم کی سرپرستی لازم ہے، اگر یہ میسّر نہ ہو تو صرف ایسے علماءِ راسخین کے مضامین شائع کئے جائیں جن کا علم و تقویٰ اہلِ اسلام کے سوادِ اعظم میں مسلّم ہو،

افسوس کہ بعض اچھے ذی شعور ادارے ایسے لوگوں کے مضامین بھی شائع کر رہے ہیں جو حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بغض میں معروف و مشہور ہیں اور ان کے دوسرے نظریات بھی جمہور اہلِ اسلام کے خلاف ہیں۔

تنبیہ:

یہ مضمون لکھتے وقت صرف اُردو کی دو تحریریں میرے سامنے تھیں:

ایک "قرآن کریم کا ایک زندہ اعجاز" مطبوع صدیقی ٹرسٹ،

دوسری "صفاتِ قرآنِ حکیم" مطبوع روزنامہ جنگ ۲۴ر اکتوبر ۸۰ء

فقط واللہ المستعان ولا حول ولا قوۃ الا باللہ

رشید احمد

دار الافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی

۲۴ر ذی الحجہ ۱۴۰۰ھ
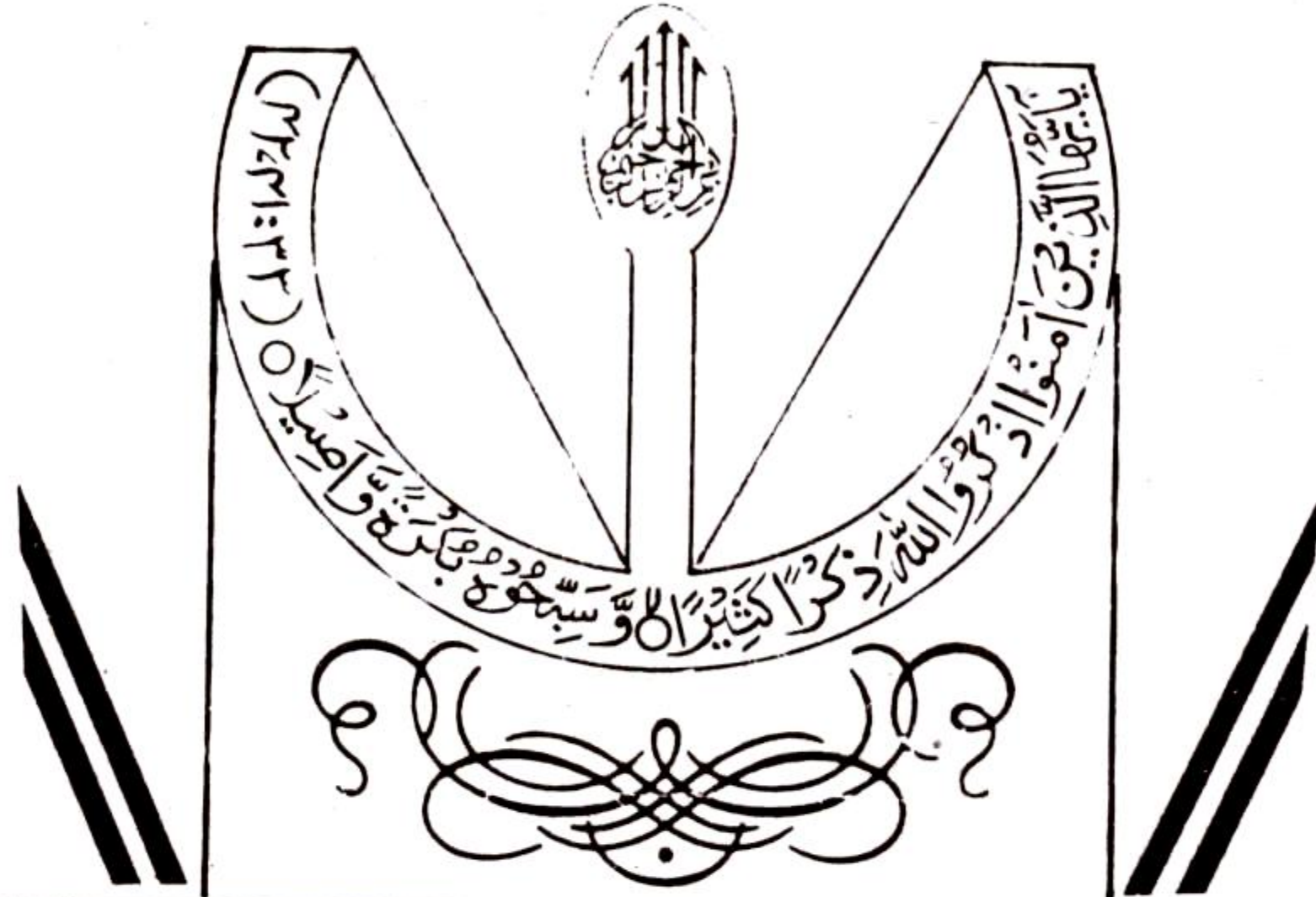
یاایہا الذین آمنوا اذکروا اللہ ذکرا کثیرا وسبحوہ بکرۃ واصیلا (۳۳: ۴۱، ۴۲)
مجالسِ ذکر
بلند آواز سے ذکر اور مجالسِ ذکر کے احکام
قرآن، حدیث اور فقہ کی روشنی میں
مکتبہ فاروقی

مجالسِ ذکر

نقشِ اوّل ———— ۱۱ر شعبان ۱۴۰۹ھ

مزید تحقیق وتفصیل ———— ۱۴ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ

خلاصہ :

- ذکر خفی افضل ہے۔
- بلند آواز سے ذکر جائز ہے۔
- بعض حالات میں بلند آواز سے ذکر مستحب ہے۔
- ان حالات وعوارض کی تفصیل جن میں بلند آواز سے ذکر مستحب ہے۔
- اتنی بلند آواز کہ کسی کی عبادت یا آرام میں خلل ہو حرام ہے۔
- مجالس ذکر اس شرط سے جائز ہے کہ اس میں کسی قسم کی کوئی بدعت شامل نہ ہو
- مجالسِ ذکر میں شامل ہونے والی بدعات کی تفصیل۔
- ریاض الجنۃ، حلق الذکر اور مجالس الذکر کی تفسیر۔

مجالسِ ذکر

مجالسِ ذکر سے متعلق ۱۱ شعبان ۱۴۰۹ھ کو مجلس خاص میں میرا ایک مختصر سا بیان ہوا تھا، جو بعد میں رسالہ کی صورت میں شائع بھی ہوگیا، بعد میں خیال ہوا کہ اس موضوع کو قدرے بسط و تفصیل سے لکھنا چاہیئے، لہٰذا کتبِ حدیث و فقہ کے معمولی مراجعہ سے جو حاصل ہوا تحریر کیا جاتا ہے، پہلے نصوص حدیث و فقہ نقل کی جاتی ہیں پھر ان پر مرتبہ احکام تحریر کئے جائیں گے، اس موضوع پر حضرت مولانا عبد الحی صاحب لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا رسالہ "**سباحۃ الفکر فی الجہر بالذکر**" بہت جامع ہے اس لئے اس کی روایات کو بطور اصل اور دوسری کتابوں سے بطور زوائد نقل کیا جاتا ہے، ترتیب احکام کے مدِ نظر روایات "سباحۃ الفکر" کی ترتیب تبدیل کی ہے، واللہ الموفق وھو المستعان۔

① روی الدارقطنی عن نافع موقوفا علی ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما انہ کان اذا غدا یوم الفطر والاضحیۃ یجھر بالتکبیر قال البیھقی الصحیح وقفہ علی ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما وقول صحابی لا یعارض بہ عموم الآیۃ القطعیۃ اعنی قولہ تعالیٰ واذکر ربک فی نفسک الآیۃ وقد قال علیہ الصلوٰۃ والسلام خیر الذکر الخفی وھو معارض بقول صحابی آخر وھو ما روی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما انہ سمع الناس یکبرون فقال لرجل اکبر الامام قیل لا فقال اجن الناس ادرکنا مثل ھذا الیوم مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فما کان احد یکبر قبل الامام (الرسائل الست ص۴۳)

② وفی غایۃ البیان (قولہ ولا یکبر اھ) المراد منہ التکبیر بصفۃ الجھر لان التکبیر خیر موضوع لا خلاف فی جوازہ بصفۃ الاخفاء علی ما حکاہ ابوبکر الرازی ووجھہ ان الاصل فی الذکر الاخفاء لقولہ تعالیٰ ادعوا ربکم تضرعا وخفیۃ وقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام خیر الذکر الخفی والشرع ورد بالجھر فی الاضحیٰ فلا یقاس علیہ فی الفطر

لان الجهر خلاف الاصل، انتہی ملخصا (رسائل ص۴۳)

③ وفی البنایة شرح الهدایة للعینی قال ابوبکر الرازی قال مشایخنا التکبیر جهرا فی غیر ایام التشریق والاضحی لایسن الا بازاء العدو واللصوص وقیل وکذا فی الحریق والمخاوف کلها (رسائل ص۴۴)

④ وقال الشیخ الدهلوی فی شرح المشکوٰة فی شرح حدیث ابی بن کعب رضی الله تعالیٰ عنه کان رسول الله صلی الله علیه وعلی اٰله وسلم اذا سلم من الوتر قال سبحان الملک القدوس ثلاثا ویرفع صوته بالثالثة الذی رواه ابوداؤد والنسائی وابن ابی شیبة واحمد والدارقطنی وغیرهم فی هذا الحدیث دلیل علی شرعیة الجهر بالذکر وهو ثابت فی الشرع بلا شبهة لکن الخفی منه افضل (رسائل ص۶۵)

⑤ وخلاصة المرام فی هذا المقام انه لاریب فی کون السرا فضل من الجهر للتضرع والخیفة وکذا لاریب فی کون الجهر المفرط ممنوعا لحدیث اربعوا علی انفسکم واما الجهر الغیر المفرط فالاحادیث متظاهرة والاٰثار متوافقة علی جوازه ولم نجد دلیلا یدل صراحة علی حرمة اوکراهة وقد نص المحدثون والفقهاء الشافعیة وبعض اصحابنا علی جوازه ایضا (رسائل ص۶۷)

⑥ ویدل علیه قول صاحب النهایة فی کتاب الحج المستحب عندنا فی الاذکار الخفیة الا فی ما تعلق باعلانه مقصود کالاذان والتلبیة والخطبة کذا فی المبسوط (رسائل ص۶۷)

⑦ وفی الحرز الثمین شرح الحصن الحصین فی شرح من ذکرنی فی نفسه ذکرته فی نفسی الحدیث فیه دلیل علی ان الذکر القلبی افضل ثم اللسانی الاخفائی لما ورد ان الذکر الخفی الذی لایسمعه الحفظة یضعف سبعون ضعفا وورد خیر الذکر الخفی (رسائل ص۶۸)

⑧ وفیه عند قول المصنف وکل ذکر مشروع واجبا کان اومستحبا لایعتد به حتی یسمع نفسه الخ هذا کله فی ما امر الشارع بان یذکر باللسان کما فی قراءة الصلوٰة والتشهد وتسبیحاتها ولیس معناه ان من یذکر الله تعالیٰ بقلبه من غیر ان یتلفظ بلسانه لایکون فی الشرع معتدا به فان مداومة الذکر لایتصور بدون

اعتبارہ بل ھو افضل انواعہ۔

وقد اخرج ابویعلی الموصلی فی مسندہ عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مرفوعا افضل الذکر الخفی الذی لا تسمعہ الحفظۃ یقال لہم یوم القیامۃ انظر واھل بقی لہ من شیء فیقولون ما ترکنا شیئا مما علمناہ وحفظناہ الاقد احصیناہ وکتبناہ فیقول اللہ تعالیٰ ان لک عندی حسنۃ لا تعلمہ وانا اجزیک بہ وھو الذکر الخفی کذا ذکرہ السیوطی فی البدور السافرۃ فی احوال الآخرۃ۔

وفی الجامع خیر الذکر الخفی وخیر الرزق ما یکفی رواہ احمد وابن حبان والبیہقی (رسائل ص۶۸)

(۹) روی البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجۃ والبیہقی فی شعب الایمان عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم یقول اللہ انا عند ظن عبدی بی وانا معہ اذا ذکرنی فان ذکرنی فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی وان ذکرنی فی ملأ ذکرتہ فی ملأ خیر منہم وان تقرب الی شبرا تقربت الیہ ذراعا وان تقرب الی ذراعا تقربت الیہ باعا وان اتانی یمشی اتیتہ ھرولۃ۔

قال الحافظ عبد العظیم المنذری فی کتاب الترغیب والترھیب ورواہ احمد باسناد صحیح وزاد فی آخرہ قال قتادۃ واللہ اسرع بالمغفرۃ۔

وقال العلامۃ الجزری فی مفتاح الحصن الحصین فیہ دلیل علی جواز الجہر بالذکر خلافا لمن منعہ واستدل بہ المعتزلۃ علی تفضیل الملٰئکۃ علی الانبیاء ولا دلیل فیہ لان الانبیاء لا یکونون غالبا فی الذاکرین۔

وقال السیوطی الذکر فی الملأ لا یکون الا عن جہر فدل الحدیث علی جوازہ (رسائل ص۵۴)

(۱۰) روی الترمذی والنسائی وابن ماجۃ والبزار والبیہقی فی شعب الایمان وابن ابی الدنیا فی کتاب الذکر عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما مرفوعا قال اللہ تعالیٰ یا ابن آدم اذا ذکرتنی خالیا ذکرتک خالیا واذا ذکرتنی فی ملأ ذکرتک فی ملأ خیر من الذین تذکرفیہم واکثر (رسائل ص۵۵)

(۱۱) روی الطبرانی عن معاذ بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعا قال اللہ تعالیٰ لا یذکرنی

احد فی نفسہ الا ذکرتہ فی ملأ من ملٰئکتی ولا یذکرنی فی ملأ الا ذکرتہ فی الملأ الاعلیٰ قال المنذری اسنادہ حسن (رسائل صہ۵۵)

(۱۲) روی احمد والبیہقی فی الاسماء والصفات عن انس رضی اللہ عنہ مرفوعا قال اللہ تعالیٰ یا ابن اٰدم ان ذکرتنی فی نفسک ذکرتک فی نفسی و ان ذکرتنی فی ملأ ذکرتک فی ملأ خیر منھم وان دنوت منی شبرا دنوت منک ذراعًا (رسائل صہ۵۵)

(۱۳) روی الحاکم والبیہقی فی شعب الایمان وابن حبان و احمد وابو یعلی وابن السنی عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ اٰلہ وسلم اکثروا ذکر اللہ حتّٰی یقولوا انہ مجنون (رسائل صہ۵۹)

(۱۴) روی الطبرانی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی اٰلہ وسلم اذکروا اللہ ذکرًا حتی یقول المنافقون انکم تراؤن۔

قال السیوطی فی نتیجۃ الفکر فی الجھر بالذکر وجہ الاستدلال بھذین الحدیثین انہ انما یقال ذٰلک عند الجھر لا عند السر (رسائل صہ۵۹)

(۱۵) روی البیہقی فی شعب الایمان مرسلا مرفوعا اکثروا ذکر اللہ حتّٰی یقول المنافقون انکم مراؤن (رسائل صہ۵۹)

(۱۶) روی ابن المبارک وسعید بن منصور وابن ابی شیبۃ واحمد فی الزھد وابن ابی حاتم وابو الشیخ فی کتاب العظمۃ والطبرانی فی الکبیر والبیہقی فی شعب الایمان عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ موقوفا ان الجبل ینادی الجبل باسمہ یا فلان ھل مر بک الیوم من ذکر اللہ فاذا قال نعم استبشر ثم قرأ عبد اللہ لقد جئتم شیئًا ادًّا تکاد السمٰوٰت یتفطرن منہ الاٰیۃ (رسائل صہ۵۹)

(۱۷) روی ابو الشیخ فی العظمۃ عن محمد بن المنکدر قال بلغنی ان الجبلین اذا اصبحا نادی احدھما صاحبہ باسمہ فیقول ای فلان ھل مر بک الیوم ذاکر اللہ تعالیٰ فیقول نعم فیقول لقد اقر اللہ عینیک بہ مامر بی ذاکر الیوم (رسائل صہ۶۰)

(۱۸) روی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما انہ قال فی قولہ تعالیٰ فما بکت علیھم السماء والارض ان المؤمن اذا مات یبکی علیہ من الارض الموضع الذی کان یصلی فیہ ویذکر اللہ۔ اخرجہ ابن جریر فی تفسیرہ (رسائل صہ۶۰)

مجالسِ ذکر ـــــــــــــــــ ۶

(۱۹) روی ابن ابی الدنیا عن ابی عبید صاحب سلیمان بن عبد الملک قال ان العبد المؤمن اذا مات تنادت بقاع الارض عبد الله المؤمن مات فیبکی علیه الارض والسماء فیقول الرحمٰن ما یبکیکما فیقولان ربنا لم یمش فی ناحیة منا قط الا وهو یذکرک۔

قال السیوطی وجه دلالة ذلک ان بکاء الارض والجبال للذکر لا یکون الا عند الجهر (رسائل ص۶۰)

(۲۰) روی الحاکم عن عمر رضی الله تعالیٰ عنه مرفوعًا من دخل السوق فقال لا اله الا الله وحده لاشریک له له الملک وله الحمد یحیی ویمیت وهو علی کل شیء قدیر کتب الله له الف الف حسنة۔

وفی بعض طرقه فنادی (رسائل ص۶۳)

(۲۱) روی ابو نعیم ایضا عن ابی یونس ان ابا هریرة رضی الله تعالیٰ عنه صلی یوما بالناس فلما سلم رفع صوته وقال الحمد لله الذی جعل الدین قواما وجعل ابا هریرة اماما بعد ان کان اجیرًا (رسائل ص۶۶)

(۲۲) روی ایضا من مضارب قال بینما انا اسیر من اللیل اذا رجل یکبر فالحقته بعیری فقلت من هذا المکبر فقال ابو هریرة فقلت ما هذا التکبیر فقال شکرًا (رسائل ص۶۶)

(۲۳) وفی الفتاوی الخیریة سئل من دمشق من الشیخ ابراهیم فیما اعتاده السادة الصوفیة من حلق الذکر والجهر به فی المساجد من جماعة ورثوا ذلک من آبائهم واجدادهم وینشدون القصائد الصوفیة وثم من یعترض علیهم ویقول لا یجوز الانشاد وکذا رفع الصوت بالذکر فهل اعتراضه موافق للحکم الشرعی؟ فاجاب حلق الذکر والجهر به وانشاد القصائد قد جاء فی الحدیث ما اقتضی طلبه نحو وان ذکرنی فی ملأ ذکرته فی ملأ خیر منه، رواه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجة واحمد باسناد صحیح۔

والذکر فی الملأ لا یکون الا عن جهر وکذا حلق الذکر وطواف الملئکة بها وما ورد فیها من الاحادیث وهناک احادیث اقتضت طلب الاسرار والجمع بینهما بان ذلک یختلف باختلاف الاشخاص والاحوال کما جمع بین الاحادیث الطالبة للجهر والطالبة للاسرار بقراءة القرآن۔

مجالس ذکر ــــــــــــــ ۷

ولایعارض ذلک حدیث "خیرالذکرالخفی" لانہ حیث خیف الریاء اوتأذی المصلین اوالنیام وذکر بعض اھل العلم ان الجھر افضل حیث خلا مما ذکر لانہ اکثر عملاً لتعدی فائدتہ الی السامعین ویوقظ قلب الذاکر (ویجمع[ع] ھمہ الی الفکر ویصرف سمعہ الیہ ویطرد النوم ویزید النشاط) وقولہ تعالیٰ اذکر ربک فی نفسک اجیب عنھا بانھا مکیۃ کاٰیۃ الاسرار بالقراءۃ بقولہ ولاتجھر بصلاتک ولاتخافت بھا نزلت لئلا یسمعہ المشرکون فیسبوا القراٰن ومن انزلہ وقد زال وبعض شیوخ مالک وابن جریر وغیرھما حملوا الاٰیۃ علی الذکر حالۃ قراءۃ القراٰن تعظیما لہ یدل علیہ اتصالھا بقولہ تعالیٰ واذا قرئ القراٰن الاٰیۃ۔

وقالت السادۃ الصوفیۃ الامر فی الاٰیۃ خاص بہ صلی اللہ علیہ وسلم واما غیرہ ممن ھومحل الوسواس والخواطر الردیئۃ فمأمور بالجھر لانہ اشد فی دفعھا یؤیدہ حدیث البزار "من صلی منکم باللیل فلیجھر بقراءتہ فان الملئکۃ تصلی بصلاتہ وتسمع لقراءتہ"۔

وتفسیر الاعتداء بالجھر فی قولہ تعالیٰ "انہ لایحب المعتدین" مردود بان الراجح فی تفسیرہ التجاوز عن المأمور بہ والتوفیق بین ما ورد فی الجھر والاسرار بنحو ما قرر واجب۔

فان قلت صرح فی الخانیۃ بان رفع الصوت بالذکر حرام لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام لمن رفع صوتہ بالذکر "انک لاتدعو اصم ولاغائباً" وقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام "خیرالذکرالخفی"۔

قلت وھو محمول علی الجھر الفاحش المضر (رسائل ص۴۵)

(۲۴) وفی الاشباہ لایکبر جھراً الا فی مسائل فی عید الاضحیٰ ویوم عرفۃ وبازاء علو وقطاع الطریق وعند وقوع حریق وعند المخاوف کلھا کذا فی غایۃ البیان (رسائل ص۴۶)

(۲۵) وفی البحر الرائق فی بحث التکبیر فی الطریق یوم الفطر بعد نقل عبارۃ فتح القدیر وغیرھا والحاصل ان الجھر بالتکبیر بدعۃ فی کل وقت الا فی

ع ھذہ الزیادۃ ثابتۃ فی الخیریۃ وساقطۃ فی سباحۃ الفکر ۱۲ رشید

المواضع المستثناة -

وصرح قاضی خان فی فتاواہ بکراھۃ الذکر جھرا وتبعہ علی ذلک صاحب المصفی وفی الفتاوی العلامیۃ تمنع الصوفیۃ من رفع الصوت والصفق وصرح بحرمتہ العینی فی شرح التحفۃ وشنع علی ما یفعلہ مدعیا انہ من الصوفیۃ واستثنی من ذلک فی القنیۃ ما یفعلہ الایمۃ فی زماننا فقال امام یعتاد کل غداۃ مع الجماعۃ قراءۃ اٰیۃ الکرسی واٰخر البقرۃ وشھد اللہ ونحوہ جھرا لا بأس بہ والافضل الاخفاء ثم قال التکبیر جھرا فی غیر ایام التشریق لا یسن الا بازاء العدو واللصوص -

وقاس علیہ بعضھم الحریق والمخاوف کلھا ثم رقم صاحب القنیۃ برقم اٰخر وقال قاض عندہ جمع عظیم یرفعون اصواتھم بالتسبیح والتہلیل جملۃ لا بأس بہ انتھی کلام صاحب البحر -

اقول وباللہ التوفیق ومنہ الوصول الی التحقیق ھذہ عبارات اصحابنا فانظر فیھا کیف اضطربت اٰراؤھم واختلفت اقوالھم فمن مجوز ومن محرم ومن قائل انہ بدعۃ ومن قائل انہ مکروہ والاصح ھو الجواز ما لم یجاوز الحد کما اختارہ الخیر الرملی (رسائل ص ۳۶)

(۳۶) ومن مجوزیہ خیر المتأخرین العلامۃ خیر الدین الرملی فی فتاواہ کما مر ذکرہ ومنھم الشیخ عبد الحق الدھلوی حیث اورد فی رسالتہ المسماۃ بتوصیل المرید الی المراد ببیان احکام الاحزاب والاوراد کلاما طویلا بالفارسیۃ فی جوازہ وانا اذکرہ معربا فنقول الجھر والاعلان بالذکر والتلاوۃ والاجتماع للذکر فی المجالس والمساجد جائز ومشروع لحدیث من ذکرنی فی ملأ ذکرتہ فی ملأ خیر منہ وقولہ تعالیٰ کذکرکم اٰباءکم او اشد ذکرا ایضا یمکن دلیلا لہ وفی صحیح البخاری عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما انہ قال کنا لا نعرف انصراف الناس من الصلوٰۃ فی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا بالذکر جھرا -

وفی الصحیح انھم کانوا یجھرون بلا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر وجاء فی بعض الروایات تخصیصہ بالفجر والمغرب -

وسیاق قوله علیه الصلوٰة والسلام یاایها الناس اربعوا علی انفسکم فانکم لا تدعون اصم ولا غائبا یدل علی ان المنع لم یکن لعدم شرعیة الجهر بل لطلب التأنی والتیسیر۔

وقد ثبت جهره صلی الله علیه وعلیٰ اٰله وسلم بالاذکار والادعیة فی کثیر من المواضع وعمل به السلف۔

وفی صحیح البخاری لما کانت الصحابة رضی الله تعالیٰ عنهم مشتغلین بحفر الخندق محمومین بهم الجوع رأی رسول الله صلی الله علیه واٰله وسلم حالهم وکان یقول اللّٰهم لا عیش الا عیش الاٰخرة فاغفر للانصار والمهاجرة وکانوا یقولون فی جوابه نحن الذین بایعوا محمدا علی الجهاد ما بقینا ابدا۔

وبالجملة لا کلام فی وقوع الجهر فی المحال المخصوصة والمواضع المعینة انما الکلام فی ان ثبوت حکم فی قضیة هل یمکن دلیلا علی ثبوته عموما ام لا فیجوز للمخالف ان یقول لعل فی تلک المواضع تکون فائدة مخصوصة لا توجد فی غیرها؟ اویقول لعل الجمع بین الذکر والدعاء جهرا جائز ولا یجوز الجهر بالذکر اوالدعاء انفرادا فوجب ذکر الدلائل التی تدل علی عموم الجواز۔

فاما الاجتماع للذکر بانفراده فهو ثابت من حدیث متفق علیه من روایة ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه مرفوعا ان لله ملٰئکة یطوفون فی الطرق یلتمسون حلق الذکر الحدیث۔

وفی روایة اخری وما جلس قوم مسلمون مجلسا یذکرون الله فیه الا حفت بهم الملٰئکة ونزلت علیهم السکینة وغشیتهم الرحمة۔

وتأویل الذکر بمذاکرة العلم واٰلاء الله تعالیٰ بعید ولا یجوز حمل لفظ علی خلاف المتبادر الی الذهن من غیر ضرورة۔

ولا یقال لا یلزم من اجتماع قوم للذکر جهرهم بالذکر لجواز ان یکون ذکر کل منهم سرا علی حدة۔

لانا نقول اذا کان الذکر سرا فلا یظهر للاجتماع فائدة معتدة بها۔

واما جواز الاجتماع للدعاء فهو ثابت من حدیث رواه الحاکم وقال علی شرط

سلم مرفوعا لا یجتمع ملأ فیدعوا بعضهم و یؤمن بعضهم الا استجاب الله دعاءهم۔

واما الاجتماع للتلاوة فهو ثابت من حدیث ما اجتمع قوم فی بیت من بیوت الله یقرؤن القرآن ویتدارسونه الاحفت بهم الملئکة صححه النووی وغیره۔

ومن ههنا اخذ واجواز قراءة الاحزاب والاوراد فی المساجد والمجالس۔

وذهب مالك واصحابه الی کراهة جمیع هٰذه الامور لعدم عمل السلف بها ولسد للذرائع وقطع مواد البدعة لئلا تلزم الزیادة فی الدین والخروج عن الحق المبین وقد وقع فی زماننا هذا ما خافه واتقاه انتهیٰ کلامه بتعریبه (رسائل ص۶۲)

(۲۷) قال القاری رحمه الله تعالیٰ: وقیل هذا الحدیث مطلق فی المکان والذکر فیحمل علی المقید المذکور فی باب المساجد والذکر هو سبحان الله والحمد لله الخ ذکره الطیبی وقیل هی مجالس الحلال والحرام والاظهر حمله علی العموم وذکر الفرد الاکمل بالخصوص لاینافی عموم المنصوص (مرقاة ص۶۲ ج ۵)

(۲۸) فهذه احادیث صحیحة یظهر منها ومن نظائرها صراحة او اشارة ان لاکراهة فی الجهر بالذکر بل فیها ما یدل علی جوازه او استحبابه کیف لا والجهر بالذکر له اثر فی ترقیق القلوب ما لیس فی السر۔

نعم الجهر المفرط ممنوع شرعا وکذا الجهر الغیر المفرط اذا کان فیه ایذاء لاحد من نائم او مصل او حصلت فیه شبهة ریاء او لوحظت فیه خصوصیات غیر مشروعة او التزم کالتزام الملتزمات فکم من مباح یصیر بالالتزام من غیر لزوم والتخصیص من غیر مخصص مکروها کما صرح به علی القاری فی شرح المشکوٰة والحصکفی فی الدر المختار وغیرهما ولا تظنن ان الحکم بجواز الجهر بالذکر مخالف لاجماع الحنفیة فان دعوی اجماعهم علی المنع باطل فقد جوزه البزازی فی فتاواه کما نقلنا کلامه وما قال السید الحموی فی حواشی الاشباه من ان کلام البزازی فی فتاواه مضطرب فتارة قال انه حرام وتارة قال جائز لیس بصحیح لان البزازی انما مال الی الجواز واما حرمته فانما ذکرها علی سبیل النقل من فتاوی القاضی فلا اضطراب فی کلامه (رسائل ص۶۳)

(۲۹) اعلم انهم اختلفوا فی حکم الجهر بالذکر فجوزه بعضهم وکرهه بعضهم رحمهم

بعضهم وجعله بعضهم بدعة الا فی مواضع ورد الشرع بالجهر فیها علی ما سیأتی ذکرها فقال فی الهدایة فی فصل تکبیر التشریق یبدء بتکبیر التشریق بعد صلوٰة الفجر من عرفة ویختم عقیب صلوٰة العصر من یوم النحر عند ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ وقالا رحمهما الله تعالیٰ یختم عقیب العصر من ایام التشریق والمسألة مختلفة بین الصحابة رضی الله تعالیٰ عنهم فاخذ بقول علی رضی الله تعالیٰ عنه اخذا بالاکثر للاحتیاط واخذ بقول ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه اخذا بالاقل لان الجهر بالتکبیر بدعة (رسائل ص۴۲)

(۳۰) وفی فتح القدیر (قوله لایکبر فی الطریق فی عید الفطر) الخلاف فی الجهر بالتکبیر فی الفطر لافی اصله لانه داخل فی عموم ذکر الله فعندهما یجهر به کالاضحی وعنده لا (رسائل ص۴۳)

(۳۱) وفی الخلاصة ما یفید ان الخلاف فی اصل التکبیر ولیس بشیء اذ لا یمنع من ذکر الله فی شیء من الاوقات بل من ایقاعه علی وجه البدعة۔

فقال ابوحنیفة رحمه الله تعالیٰ رفع الصوت بالذکر بدعة یخالف الامر فی قوله تعالیٰ "واذکر ربك فی نفسك تضرعا وخیفة ودون الجهر من القول" الاٰیة فیقتصر فیه علی مورد الشرع وقد ورد به فی الاضحی وهو قوله تعالیٰ "واذکروا الله فی ایام معدودات" جاء فی التفسیر ان المراد به هذا التکبیر والاولی الاکتفاء فیه۔

فان قیل فقد قال الله تعالیٰ "ولتکملوا العدة ولتکبروا الله علی ما هدٰکم" وروی الدارقطنی عن سالم ان عبد الله بن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما اخبره "ان رسول الله صلی الله علیه واٰله وسلم کان یکبر فی الفطر من حین یخرج من بیته حتّٰی یأتی المصلّٰی"

فالجواب ان صلوٰة العید فیها التکبیر والمذکور فی الاٰیة بتقدیر کونه امرا اعم منه ومما فی الطریق، والحدیث المذکور ضعیف بموسی بن محمد بن عطاء المقدسی ثم لیس فیه انه کان یجهر به وهو محل النزاع وکذا رواه الحاکم مرفوعا ولم یذکر الجهر۔ (رسائل ص۴۳)

(۳۲) بتحقیق جہر کردہ است آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باذکار وادعیہ در مواطن کثیرہ

چنانکہ در حفر خندق و حمل سنگ و خشت برائے مسجد و جز آن و ہمچنیں آنچہ آمدہ است از سلف صحابہ و من بعدہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم و ہمہ اینہا دلالت دارد بر جواز جہر و اجتماع برائے ذکر ولیکن اینہا در قضایائے مخصوصہ است احتمال اختصاص بآن مواضع کہ واقع اند در آن دارد پس آنکہ نظر کرد بجانب معنی و علت اجازت کرد آنرا علی العموم آنکہ نظر بر خصوص کرد قصر کرد آنہا را بر موارد ش و طریق اوّل موافق است بمقاصد شرع و مطالب آن پس ظاہر گشت از آنچہ مذکور شد صحت آنچہ استحسان کردہ اند بعضے مشایخ صوفیہ آنرا از اجتماع برائے ذکر و حزب واحد و حلقہ بستن برائے آن، و حلق الذکر کہ در حدیث واقع شدہ است حجت آن است اما مذہب مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کراہت است از جہت عدم عمل سلف از صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم بدان و از جہت سد ذرائع تا رفتہ رفتہ زیادہ بران نکنند و تجاوز از حد نکنند و بعضے از متأخرین از مشایخ شاذلیہ قدس اللہ ارواحہم گفتہ اند کہ ایں اجتماع و تحلیق از برائے اذکار و احزاب از روائج دین است کہ متعین است تمسک بدان از جہت ذہاب حقائق دیانت در ایں ازمنہ واگر بدعت است مختلف فیہ است و نہایت آن قول بکراہت است پس صحیح است عمل بدان بقول کسیکہ قائل است بدان۔

وشاید کہ شارع ترغیب کردہ باشد در آن برائے جماعتیکہ بعد از صدر اوّل پیدا شد از جہت احتیاج ایشان بدان وگاہے مختلف می گردد حکم باباحت و ندب باختلاف ازمنہ و امکنہ بلکہ باختلاف اشخاص پس متعین شد قول بجواز آن بارعایت شروط و آداب و آن مذکور است در مواضع خود۔ واللہ تعالیٰ اعلم (اشعۃ اللمعات ص۱۷۸ ج ۲)

(۳۳) وممّا یدل علی طلب رفع الصوت بالذکر خبر البیہقی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ اٰلہ وسلم مرّ بہ رجل فی المسجد رفع صوتہ بالذکر فقیل لہ یا رسول اللہ عسی ان یکون ھذا مرائیا فقال صلی اللہ علیہ وسلم لا ولکنہ اواہ ای کثیر الوجع من حرارۃ العشق للہ تعالیٰ (رسائل ص۴۲)

(۳۴) روی البیہقی عن زید بن اسلم عن بعض الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم قال انطلقت مع رسول اللہ لیلۃ فمر برجل فی المسجد یرفع صوتہ فقلت یا رسول اللہ عسی ان یکون ھذا مرائیا فقال لا ولکنہ اواہ (رسائل ص۶۰)

(۳۵) روی البیہقی عن عقبۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول صلی اللہ علیہ وسلم قال لرجل یقال لہ ذوالبجادین انہ اواہ وذلک انہ کان یذکر اللہ (رسائل ص۶۱)

(۳۶) روی البیہقی عن جابر ان رجلا کان یرفع صوتہ بالذکر فقال رجل لہ اخفض من صوتک فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اترکہ فانہ اواہ (رسائل ص۶۱)

(۳۷) وفی المرقاۃ لعلی القاری عند شرح ھذا الحدیث ناقلا عن المظہر ھذا ای یدل علی جواز الذکر برفع الصوت بل علی الاستحباب اذا اجتنب الریاء اظہارا للدین و تعلیما للسامعین و ایقاظا لھم من الغفلۃ وایصالا لبرکۃ الذکر الی مقدار ما یبلغ الصوت الیہ من الحیوان والشجر والمدر وطلبا لاقتداء الغیر بالخیر ولیشھد لہ کل رطب ویابس وبعض المشایخ یختارون اخفاء الذکر لانہ ابعد من الریاء وھذا متعلق بالنیۃ انتھی۔

ولا یخفی ان سکوت علی القاری عن الرد علی المظہر وتقریرہ علیہ مع کون دأبہ فی جمیع تصانیفہ الرد علی خلافہ یدل علی انہ ایضا من مجوزیہ والیہ یمیل بعض عباراتہ فی شرح الحصن الحصین وان کان بعض عباراتہ فی موضع اٰخر من ذلک یأبی عنہ (رسائل ص۶۶)

(۳۸) روی البخاری ومسلم والبیہقی فی الاسماء والصفات عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعا ان للہ ملٰئکۃ یطوفون فی الطرق یلتمسون اھل الذکر فاذا وجدوا اقواما یذکرون اللہ تنادوا ھلموا الی حاجتکم فیحفونھم باجنحتھم الی السماء فاذا تفرقوا عرجوا وصعدوا الی السماء فیسألھم ربھم وھو اعلم بھم من این جئتم فیقولون جئنا من عند عبید فی الارض یسبحونک ویکبرونک ویھللونک فیقول ھل رأونی فیقولون لا فیقول لو رأونی فیقولون لو رأوک کانوا اشد لک عبادۃ واشد لک تمجیدا واکثر لک تسبیحا فیقول فما یسألون فیقولون یسألونک الجنۃ فیقول وھل رأوھا فیقولون لا فیقول لو رأوھا فیقولون لو انھم رأوھا کانوا اشد علیھا حرصا واشد لھا طلبا واعظم فیھا رغبۃ فیقول فمما یتعوذون فیقولون من النار فیقول وھل رأوھا فیقولون لا فیقول فکیف لو رأوھا فیقولون لو رأوھا کانوا اشد منھا فرارا فیقول اشھدکم

انی قد غفرت لهم فیقول ملك من الملٰئكة فلان لیس منهم انما جاء هم لحاجة فیقول هم قوم لا یشقی جلیسهم۔

وروی نحوه ابن حبان والترمذی وابو نعیم فی حلیة الاولیاء واحمد وغیرهم (رسائل ص۵۵)

(۳۹) روی ابن ابی شیبة واحمد ومسلم والترمذی والنسائی عن معاویة رضی الله تعالیٰ عنه ان رسول الله صلی الله علیه وعلیٰ اٰله وسلم خرج علی حلقة من اصحابه فقال ما اجلسکم قالوا جلسنا نذکر الله ونحمده علی ما هدانا للاسلام ومن به علینا فقال الله ما اجلسکم الا هذا قالوا الله ما اجلسنا الا ذلك فقال اما انی لم استحلفکم تهمة لکم ولکن اتانی جبرئیل فاخبرنی ان الله عز وجل یباهی بکم الملٰئكة (رسائل ص۵۶)

(۴۰) روی احمد وابو یعلی وابن حبان والبیهقی عن ابی سعید الخدری رضی الله تعالیٰ عنه ان رسول الله صلی الله علیه وعلیٰ اٰله وسلم قال یقول الله یوم القیٰمة سیعلم اهل الجمع الیوم من اهل الکرم الیوم فقیل ومن اهل الکرم یا رسول الله فقال اهل مجالس الذکر (رسائل ص۵۶)

(۴۱) روی احمد عن انس رضی الله تعالیٰ عنه قال کان عبد الله بن رواحة رضی الله تعالیٰ عنه اذا لقی الرجل من اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم قال تعال نؤمن بربنا ساعة فقال ذات یوم لرجل فغضب الرجل وجاء الی رسول الله صلی الله علیه وسلم وقال اتری الی ابن رواحة یرغب عن ایمانك الی ایمان ساعة فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم رحم الله ابن رواحة انه یحب المجالس التی تباهی بها الملٰئكة۔

قال المنذری فی کتاب الترغیب والترهیب اسناده حسن (رسائل ص۵۶)

(۴۲) روی ابو یعلی والبزار والطبرانی عن انس رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وعلیٰ اٰله وسلم ما من قوم اجتمعوا یذکرون الله لا یریدون بذلك الا وجهه الا ناداهم مناد من السماء ان قوموا مغفورا لکم قد بدلت سیاٰتکم حسنات۔

قال المنذری ورواہ احمد برجال یحتج بھم فی الصحیح الامیمون وثقہ جماعۃ وفیہ ضعف (رسائل ۵۶)

(۴۳) روی الطبرانی عن سھل بن الحنظلیۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ اٰلہ وسلم ما جلس قوم مجلسا یذکرون اللہ فیہ فیقومون حتی یقال لھم قوموا قد غفر اللہ لکم (رسائل ص۵۷)

(۴۴) روی البیھقی عن عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ اٰلہ وسلم ما من قوم اجتمعوا یذکرون اللہ الا ناداھم مناد من السماء قوموا مغفورا لکم (رسائل ص۵۷)

(۴۵) روی احمد ومسلم والترمذی وابن ماجۃ وابن ابی شیبۃ والبیھقی عن ابی ھریرۃ وابی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنھما انھما شھدا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ اٰلہ وسلم انہ قال لایقعد قوم یذکرون اللہ الاحفتھم الملٰئکۃ وغشیتھم الرحمۃ ونزلت علیھم السکینۃ وذکرھم اللہ فی ملأ عندہ (رسائل ص۵۷)

(۴۶) روی ابن ابی الدنیا عنھما مرفوعا ان لاھل ذکر اللہ اربعا تنزل علیھم السکینۃ وتغشیھم الرحمۃ وتحف بھم الملٰئکۃ ویذکرھم اللہ فی ملأ عندہ (رسائل ص۵۷)

(۴۷) روی عبد بن حمید فی مسندہ والحاکم عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ اٰلہ وسلم ان للہ سرایا من الملٰئکۃ تحل وتقف علی مجالس الذکر فی الارض (رسائل ص۵۷)

(۴۸) روی احمد والترمذی وحسنہ عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ اٰلہ وسلم اذا مررتم بریاض الجنۃ فارتعوا قالوا یا رسول اللہ وما ریاض الجنۃ قال حلق الذکر۔

قال الجزری فی مفتاح الحصن الحصین اراد بالریاض الذکر وشبہ الخوض فیہ بالرتع (رسائل ص۵۷)

(۴۹) روی ابن النجار عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعا علی ما اوردہ السیوطی فی کتابہ الحبائک فی احوال الملائک ان للہ تعالیٰ سیارۃ من الملٰئکۃ یتبعون

حلق الذکر فاذا مروا قال بعضہم لبعض اقعدوا فاذا دعا القوم امنوا علی دعائہم فاذا صلوا علی النبی صلی اللہ علیہ وعلیٰ اٰلہ وسلم صلوا معہم حتی یفرغوا ثم یقول بعضہم لبعض طوبی لہم لا یرجعون الا مغفورا لہم (رسائل ص۵۷)

(۵۰) روی البزار عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعا ان للہ سیارۃ من الملٰئکۃ یطلبون حلق الذکر فاذا اتوا علیہم حفوا بہم فیقولون ربنا اتینا علی عباد من عبادک یعظمون اٰلاءک ویتلون کتابک ویصلون علی نبیک ویسألونک لاٰخرتہم ودنیاہم فیقول اللہ غشوہم برحمتی فہم الجلساء لا یشقی بہم جلیسہم (رسائل ص۵۸)

(۵۱) روی احمد عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما انہ قال یا رسول اللہ ما غنیمۃ مجالس الذکر قال الجنۃ۔

قال المنذری ورواہ احمد ایضا باسناد حسن (رسائل ص۵۸)

(۵۲) روی ابو یعلی والحاکم وصححہ والبیہقی فی الدعوات عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ اٰلہ وسلم فقال یا ایہا الناس ان للہ سرایا من الملئکۃ تحل وتقف علی مجالس الذکر فارتعوا فی ریاض الجنۃ قالوا وما ریاض الجنۃ قال مجالس الذکر فاغدوا وروحوا فی ذکر اللہ۔

قال المنذری ورواہ ابن ابی الدنیا وغیرہ وفی اسانیدہم کلہا عمر بن عبد اللہ مولی عفرۃ وقد ضعفہ النسائی وابن معین وقال احمد لیس بہ بأس وبقیۃ رواتہ محتج بہم والحدیث حسن (رسائل ص۵۸)

(۵۳) روی الطبرانی فی الصغیر باسناد حسن عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال مر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ اٰلہ وسلم بعبد اللہ بن رواحۃ وھو یذکر مع اصحابہ فقال اما انکم الملأ الذین امرنی اللہ ان اصبر نفسی معکم ثم تلا قولہ تعالیٰ واصبر نفسک مع الذین یدعون ربہم بالغداۃ والعشی الاٰیۃ اما انہ ما جلس معکم الا جلس معہم ملٰئکۃ ان سبحوا اللہ سبحوہ وان حمدوا اللہ حمدوہ ثم یصعدون الی الرب وھو اعلم بہم فیقولون ربنا عبادک یسبحونک فسبحناک ویحمدونک فحمدناک فیقول یا ملٰئکتی اشہدکم انی قد غفرت لہم فیقولون فیہم فلان وفلان فیقول ہم القوم الذین لا یشقی بہم جلیسہم (رسائل ص۵۸)

(۵۴) روی الطبرانی عن عمرو بن عنبسۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم یقول عن یمین الرحمٰن وکلتا یدیہ یمین رجال لیسوا بانبیاء ولا شہداء یغشی بیاض وجوھھم نظر الناظر یغبطھم النبیون والشہداء بمقعدھم وقربھم من اللہ تعالیٰ قیل یارسول اللہ من ھم قال جماع من نوازع القبائل یجتمعون علی ذکر اللہ فینتقون اطائب الکلام کما ینتقی آکل التمر اطائبہ۔

قال المنذری اسنادہ مقارب لا بأس بہ۔ ومعنی قولہ جماع أی بضم الجیم و تشدید المیم اخلاط من قبائل شتّٰی ومواضع مختلفۃ۔ ونوازع جمع نازع وھو الغریب ومعناہ انھم لم یجتمعوا القرابۃ بینھم ولا نسب ولا معرفۃ وانما اجتمعوا لذکر اللہ انتہٰی (رسائل ص۵۸)

(۵۵) روی الطبرانی باسناد حسن المنذری عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم لیبعثن اللہ اقواما یوم القیٰمۃ فی وجوھھم النور علی منابر اللؤلؤ یغبطھم الناس لیسوا بانبیاء ولا شہداء قال ابوالدرداء فجثی اعرابی علی رکبتیہ وقال صف حلیتھم لنا نعرفھم فقال ھم المتحابون فی اللہ من قبائل شتّٰی وبلاد شتّٰی یجتمعون علی ذکر اللہ یذکرونہ (رسائل ص۵۹)

(۵۶) روی بقی بن مخلد عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما مرفوعا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر علی مجلسین احدھما کانوا یدعون اللہ و یرغبون الیہ والآخر یتلون العلم فقال کلا المجلسین خیر واحدھما افضل من الآخر (رسائل ص۵۹)

(۵۷) روی الحاکم عن شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کنا عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقال ارفعوا ایدیکم فقولوا لا الٰہ الا اللہ ففعلنا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللّٰھم انّک بعثتنی بھذہ الکلمۃ وامرتنی بھا ووعدتنی علیھا انّک لا تخلف المیعاد (رسائل ص۶۰)

(۵۸) روی ابن جریر والطبرانی عن عبد الرحمٰن بن سھل رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال نزلت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم الآیۃ

وھو فی بعض ابیاتہ فخرج فوجد قوما یذکرون اللہ فجلس معہم وقال الحمد للہ الذی جعل امری ان اصبر معھم (رسائل ص۶)

(۵۹) روی احمد بن حنبل فی الزھد عن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی عصابۃ یذکرون اللہ فمر بھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکفوا فقال انی رأیت الرحمۃ تنزل علیکم فاحببت ان اشارکم فیھا (رسائل ۶۱)

(۶۰) روی الاصبھانی فی کتاب الترغیب والترھیب عن ابی رزین العقیلی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الا ادلک علی ملاک الامر قال بلیٰ قال علیک مجالس الذکر واذا خلوت فحرک لسانک بذکر اللہ (رسائل ص۷)

(۶۱) روی البیھقی والاصبھانی عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعا لان اجلس مع قوم یذکرون اللہ بعد صلوٰۃ الصبح الی ان تطلع الشمس احب الیّ مما طلعت علیہ الشمس ولان اجلس مع قوم یذکرون بعد العصر الی ان تغیب الشمس احب الیّ من الدنیا وما فیھا۔ (رسائل ص۷)

(۶۲) روی ابوداؤد وابویعلی عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعا لان اقعد مع قوم یذکرون اللہ حتی تطلع الشمس احب الی من ان اعتق اربعۃ من ولد اسمٰعیل ولان اقعد مع قوم یذکرون اللہ من صلوٰۃ العصر احب الی من ان اعتق اربعۃ (رسائل ص۷)

(۶۳) روی البخاری ومسلم عن انس بسندھما عن عمرو بن دینار قال اخبرنی ابومعبد اصدق موالی ابن عباس عن مولاہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما قال ان رفع الصوت بالذکر حین ینصرف الناس من المکتوبۃ کان علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ اٰلہ وسلم وفی روایۃ لھما بسندھما المذکور عنہ قال کنت اعرف انقضاء صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالتکبیر۔

لایقال قد جاء فی سند مسلم ان عمرو بن دینار قال اخبرنی بھذا ابومعبد ثم انکرہ بعد والاصل اذا انکر الروایۃ اوکذب الفرع یسقط الاعتبار بتلک الروایۃ

لانا نقول ھٰذہ مسألۃ معروفۃ عند المحدثین وفیھا تفصیل وھو ان الاصل اما ان یجزم بالتکذیب اولا یجزم واذا جزم فتارۃ یصرح وتارۃ لایصرح

فان لم یجزم بتکذیبہ کان قال لا اذکرہ فاتفقوا علی قبولہ وان جزم وصرح بتکذیبہ فاتفقوا علی ردہ وان جزم ولم یصرح بہ کقول ابی معبد فی ھذہ الروایۃ لم احدثک بھذا ففیہ اختلاف۔

فذھب ابن الصّلاح تبعا للخطیب الی ردہ حیث قال فی مقدمۃ اصول الحدیث اذا روی ثقۃ عن ثقۃ حدیثا ورجع المروی عنہ فالمختار انہ ان کان جازما بنفیہ بان قال ما رویتہ او کذبت علیّ ونحو ذلک وقد تعارض الجزمان والجھل ھو الاصل فوجب رد حدیث فرعہ ثم لا یکون ذلک جرحا لہ ایضا فانہ مکذب لشیخہ ایضا فتعارضا امّا اذا قال المروی عنہ لا اعرفہ اولا اذکرہ ونحو ذلک فذلک لا یکون مسقطا عند جمھور اھل الحدیث والفقھاء والمتکلمین خلافا لقوم من اصحاب ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ فانھم ذھبوا الی اسقاطہ وبنوا علیہ ردھم حدیث سلیمان بن موسیٰ عن الزھری عن عروۃ عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا نکحت المرأۃ بغیر اذن ولیھا فنکاحھا باطل من اجل ان ابن جریج قال لقیت الزھری فسألتہ عنہ فلم یعرفہ والصحیح ما علیہ الجمھور انتھیٰ کلامہ۔

فسوی ابن الصلاح بین ما اذا صرح بتکذیبہ وقال کذبت علی اولم یصرح بہ بان قال ما رویتہ وھو الذی مشی علیہ الحافظ ابن حجر فی شرح النخبۃ لکن قال فی فتح الباری ان الراجح عند المحدثین القبول وتمسک بصنیع مسلم حیث اخرج حدیث عمرو بن دینار المذکور مع قول ابی معبد لہ لم احدثک فانہ دل علی ان مسلما کان یری صحۃ الحدیث۔

وفی شرح مسلم للنووی فی احتجاج مسلم بھذا الحدیث دلیل علی ذھابہ الی صحۃ الحدیث الذی یروی علی ھذا الوجہ مع انکار المحدث لہ اذا حدث ثقۃ وھو مذھب جمھور العلماء من المحدثین والفقھاء والاصولیین فقالوا یحتج بہ اذا کان انکار الشیخ لہ لتشکیکہ اونسیانہ اوقال لا احفظہ وخالفھم الکرخی من اصحاب ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ فقال لا یحتج بہ انتھیٰ۔

فظھر انہ لا قدح فی اعتبار ھذا الحدیث کیف وقد اخرجہ الشیخان

فی صحیحیہما وکفاک بہ عبرۃ ۔

فان قلت ھٰذا الحدیث وان کان یثبت الجہر بالذکر الا انہ غیر معمول عند جمہور الفقہاء الحنفیۃ والشافعیۃ فانہم صرحوا بانہ لا یسن الجہر بالذکر بعد الصلوٰۃ بل بالسر قال فی نصاب الاحتساب اذا کبروا علی اثر الصلوٰۃ جہرا یکرہ وانہ بدعۃ یعنی سوی النحر وایام التشریق انتہیٰ ۔

وقال النووی فی شرح صحیح مسلم ھٰذا الحدیث دلیل لما قالہ بعض السلف انہ یستحب رفع الصوت بالذکر عقیب المکتوبۃ وممن استحبہ ابن حزم الظاہری ونقل ابن بطال وغیرہ ان ارباب المذاہب متفقون علی عدم استحباب رفع الصوت بالذکر وحمل الشافعی ھٰذا الحدیث علی انہ جہر وقتا یسیرا الا انہم جہروا دائما انتہیٰ ۔

قلت عدم کونہ معمولا بہ فی استحباب الجہر بالذکر بعد الصلوٰۃ لا یستلزم عدم جوازہ مطلقا فان الحدیث دل علی مطلق الجواز ولو احیانا ولیس المطلوب الا ھٰذا (رسائل ص۶۱)

(۶۴) روی سعید بن منصور من روایۃ عبید بن عمیر عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و ابو عبید من وجہ اٰخر عنہ والبیہقی ایضا عنہ وعلقہ البخاری انہ کان یکبر فی قبۃ بمنی فیسمعہ اہل المسجد فیکبرون ویکبر اہل الاسواق حتی ترتج منی تکبیرا (رسائل ص۶۳)

(۶۵) ذکر اصحاب السیر کصاحب السیرۃ الشامیۃ والمواہب اللدنیۃ وغیرہما من روایۃ ابن سعد فی قصۃ قتل محمد بن مسلمۃ واصحابہ کعب بن الاشرف من انہم لما قتلوہ ورجعوا وبلغوا بقیع الغرقد کبروا جہرا وقد کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ اٰلہ وسلم قائما یصلی فی تلک اللیلۃ فلما سمع تکبیرہم کبر وعرف انہم قد قتلوہ القصۃ (رسائل ص۶۶)

(۶۶) روی ابونعیم فی حلیۃ الاولیاء عن ابن جابر قال کان ابومسلم الخولانی یکثر ان یرفع صوتہ بالتکبیر حتی مع الصبیان ویقول اذکروا اللہ حتی یری الجاہل انکم من المجانین (رسائل ص۶۶)

(۶۷) روی البزار والطبرانی وابونعیم فی الحلیۃ والبیہقی فی الدلائل وابونعیم فی الدلائل وابن عساکر فی قصۃ اسلام عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ لما جاء عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم وکان مع اصحابہ فی دار الارقم و قال اشہد ان لا الہ الا اللہ وانک رسول اللہ کبر اھل الدار تکبیرۃ سمعھا اھل المسجد (رسائل ص ۶۶)

(۶۸) والظاہر ان مراد من قال الجہر حرام ہو الجہر المفرط بدلیل انہم یستدلون علیہ بقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اربعوا علیٰ انفسکم الحدیث وقد عرفت فی شان ورودہ ان ورودہ انما کان فی الجہر المفرط لا فی الجہر مطلقا مع انہ کیف تثبت الحرمۃ الحقیقیۃ بخبر الآحاد الذی ہو من الادلۃ الظنیۃ۔

ومن قال انہ بدعۃ اراد بہ ان ایقاعہ علی وجہ مخصوص والتزام ملتزم لم یعہد فی الشرع بدلیل انہم انما اطلقوا البدعۃ علیہ فی بحث التکبیر فی طریق صلوٰۃ عید الفطر وقالوا الجہر بہ فی الطریق علی الوجہ المخصوص انما ورد فی عید الاضحیٰ واما فی عید الفطر فہو بدعۃ فتأمل فی ھذا المقام لیظہر لک اصل المرام فکم زلت فیہ الاقدام وتحیرت فیہ الاقوام ولا تعجل فی الرد والقبول فانہ من وظائف العوام۔ (رسائل ص ۶۷)

(۶۹) قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: وفی حاشیۃ الحموی عن الامام الشعرانی: اجمع العلماء سلفا وخلفا علی استحباب ذکر الجماعۃ فی المساجد وغیرھا الا ان یشوش جہرہم علی نائم او مصل او قارئ الخ (رد المحتار ص ۶۶۰ ج ۱)

(۷۰) قال الحموی رحمہ اللہ تعالیٰ: وقد ذکر الشیخ عبد الوہاب الشعرانی فی کتابہ المسمی ببیان ذکر الذاکر للمذکور والشاکر للمشکور ما نصہ: واجمع العلماء سلفا و خلفا علی استحباب ذکر اللہ تعالیٰ جماعۃ فی المساجد وغیرھا من غیر نکیر الا ان یشوش جہرہم بالذکر علی نائم او مصل او قارئ کما ہو مقرر فی کتب الفقہ وقد شبہ الامام الغزالی ذکر الانسان وحدہ وذکر الجماعۃ باذان المنفرد واذان الجماعۃ قال فکما ان اصوات المؤذنین جماعۃ تقطع جرم الہوی اکثر من صوت مؤذن واحد کذلک ذکر الجماعۃ علی قلب واحد اکثر تأثیرا فی رفع الحجب الکثیفۃ من ذکر شخص

واحد (حاشیۃ الحموی علی الاشباہ ص۲۳۴ ج۲)

(۷۱) حدثنا الحسن بن علی المعمری ثنا احمد بن العباس صاحب الشامۃ ثنا الحارث ابن عطیۃ ثنا بعض اصحابنا عن ابن ابی نجیح عن مجاھد عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "اذا مررتم بریاض الجنۃ فارتعوا" قیل یا رسول اللہ وما ریاض الجنۃ؟ قال: "مجالس العلم" (طبرانی ص۹۵ ج۱۱)

(۷۲) قال ابو ھزان: قلت لعطاء رحمہ اللہ تعالیٰ ما مجالس الذکر؟ قال: مجالس الحلال والحرام کیف تصلی کیف تصوم کیف تنکح وتطلق وتبیع وتشتری۔
(البدایۃ والنہایۃ ص۳۰۷ ج۹)

(۷۳) قال العینی رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ نؤمن ساعۃ) لا یمکن حملہ علی اصل الایمان لان معاذا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان مؤمنا وای ایمان فالمراد زیادۃ الایمان ای اجلس حتی نکثر وجوہ دلالات الادلۃ الدالۃ علی ما یجب الایمان بہ۔

وقال النووی: معناہ نتذاکر الخیر واحکام الآخرۃ وامور الدین فان ذلک ایمان۔

وقال ابن المرابط نتذاکر ما یصدق الیقین فی قلوبنا لان الایمان ھو التصدیق بما جاء من عند اللہ تعالیٰ۔ (عمدۃ القاری ص۱۱۵ ج۱)

(۷۴) قال الکرمانی رحمہ اللہ تعالیٰ: (نؤمن ساعۃ) لا یمکن حملہ علی اصل الایمان لان معاذا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان مؤمنا وای مؤمن فالمراد زیادۃ الایمان ای اجلس نذکر وجوہ الدلالات الدالۃ علی ما یجب الایمان بہ۔
النووی: معناہ نتذاکر الخیر واحکام الآخرۃ وامور الدین فان ذلک ایمان۔
(شرح الکرمانی ص۷۴ ج۱)

(۷۵) قال القسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ: (اجلس بنا) بھمزۃ وصل (نؤمن) بالجزم (ساعۃ) ای نزدد ایمانا لان معاذا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان مؤمنا ای مؤمن و قال النووی: معناہ نتذاکر الخیر واحکام الآخرۃ وامور الدین فان ذلک ایمان۔ (ارشاد الساری ص۸۵ ج۱)

(۷۶) قال الساعاتی رحمہ اللہ تعالیٰ: ومعنی الحدیث اذا مررتم بحلق الذکر فادخلوا

فیہا لتنالوا الاجر العظیم والفوز بجنات النعیم، ففیہ الحث علی الذکر ومشارکۃ اھلہ فیہ، واطلاق الذکر ھنا یشمل کل ما یذکر باللہ عزوجل من قراءۃ قرآن و مدارسۃ علم وتسبیح وتھلیل ونحو ذلک، ولاسیما وقد فسرت ریاض الجنۃ فی حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بمجالس العلم رواہ الطبرانی، و فسرت فی حدیث ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بالمساجد رواہ الترمذی، وفسرت فی حدیث الباب بحلق الذکر، ولامانع من ارادۃ الکل وانہ انما ذکر فی کل حدیث بعضا، لانہ خرج جوابا عن سؤال معین، فرأی ان الاولی بحال السائل ھنا حلق الذکر، وثم مجالس العلم وھکذا واللہ اعلم۔ (بلوغ الامانی ص۲۰۲ ج۱۴)

(۷۷) اخراج ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ رافعی اصواتھم فی المساجد وقولہ لھم ما اراکم الا مبتدعین۔

والجواب عنہ بوجوہ:

احدھا ان ھذا الاثر وان ذکرہ جمع من الفقھاء لکن لم یوجد لہ اثر فی کتب الحدیث بل الثابت عنہ خلافہ قال السیوطی فی نتیجۃ الفکر ھذا الاثر عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ یحتاج الی بیان سندہ ومن اخرجہ من الحفاظ فی کتبھم ورأیت ما یقتضی انکار ذلک عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ وھو ما رواہ احمد بن حنبل فی کتاب الزھد حدثنا حسین بن محمد بسندہ عن ابی وائل قال ھؤلاء الذین یزعمون ان عبد اللہ کان ینہی من الذکر ما جالست مجلسا قط الا ذکر اللہ فیہ انتہیٰ کلامہ۔

وثانیھا انہ علی تقدیر ثبوتہ معارض بالاحادیث الصحیحۃ الصریحۃ فی جواز الجھر الغیر المفرط وھی مقدمۃ علیہ عند التعارض۔

وثالثھا ما ذکرہ البزازی فی فتاواہ علی ما مر ذکرہ (رسائل ص۵۳)

(۷۸) وفی تعالیق الانوار حاشیۃ الدر المختار (قولہ ورفع صوت بذکر اہ) لما روی عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ رأی قوما یھللون برفع الصوت فی المسجد فقال ما اراکم الا مبتدعین وامر باخراجھم لکن قال العلامۃ الحفنی فی رسالۃ فضل التسبیح والتھلیل ما نقل عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ غیر ثابت

بدلیل ما فی کتاب الزھد بالسند الی ابی وائل انہ قال ھؤلاء الذین یزعمون ان عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان ینھی من الذکر ما جالستہ مجلسا الاذکراللہ ای جھرا (رسائل ص۲۲)

(۷۹) و فی الفتاوی البزازیۃ فی فتاوی القاضی رفع الصوت بالذکر حرام، وقد صح عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ سمع قوما اجتمعوا فی المسجد یھللون و یصلون علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم جھرا فزجر علیھم فقال ما عھدنا ذلک علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وما اراکم الا مبتدعین فما زال یذکر ذلک حتی اخرجھم من المسجد،

فان قلت المذکور فی الفتاوی ان الذکر بالجھر لو فی المسجد لا یمنع احترازا عن الدخول تحت قولہ تعالیٰ "ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ" وصنع ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بخلافہ۔

قلت الاخراج من المسجد لو نسب الیہ بطریق الحقیقۃ لجاز ان یکون ذلک لاعتقادھم العبادۃ فیہ وتعلیم الناس انہ بدعۃ والفعل الجائز یجوز ان یکون غیر جائز لغرض یلحقہ (رسائل ص۲۲)

(۸۰) حدثنا علی بن عبدالعزیز حدثنا ابونعیم ثنا سفیان عن سلمۃ بن کھیل عن ابی الزعراء، قال جاء المسیب بن نجبۃ الی عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقال انی ترکت قوما بالمسجد یقولون من سبح کذا وکذا فلہ کذا وکذا، قال قم یا علقمۃ، فلما راٰھم قال یا علقمۃ اشغل عنی ابصار القوم، فلما سمعھم وما یقولون، قال انکم لمتمسکون بذنب ضلالۃ او انکم لاھدی من اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم (طبرانی ص۱۳۳ ج ۹)

حدثنا اسحٰق بن ابراھیم الدبری عن عبدالرزاق عن ابن عیینۃ عن بیان عن قیس بن ابی حازم قال ذکر لابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قاص یجلس باللیل ویقول للناس قولوا کذا وقولوا کذا، فقال اذا رأیتموہ فاخبرونی قال فاخبروہ، فجاء عبداللہ متقنعا فقال: من عرفنی فقد عرفنی ومن لم یعرفنی فانا عبداللہ بن مسعود تعلمون انکم لاھدی من محمد صلی اللہ علیہ وسلم

واصحابہ وانکم لمتعلقون بذنب ضلالة (طبرانی ص۱۳۳ ج۹)

(۸۱) حدثنا اسحٰق بن ابراهيم الدبری عن عبد الرزاق عن جعفر بن سليمان انا عطاء بن السائب لا اعلمه الا عن ابی البختری قال بلغ عبد الله ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه ان قوما يقعدون من المغرب الی العشاء يسبحون يقولون قولوا كذا وقولوا كذا قال عبد الله ان قعدوا فآذنونی، فلما جلسوا اتوه، فانطلق فدخل معهم، فجلس وعليه برنس، فاخذوا فی تسبيحهم، فحسر عبد الله عن رأسه البرنس، وقال انا عبد الله بن مسعود، فسكت القوم، فقال: لقد جئتم ببدعة وظلماء، او لقد فضلتم اصحاب محمد صلی الله عليه وسلم علما، فقال رجل من بنی تميم ما جئنا ببدعة ظلماء، ولا فضلنا اصحاب محمد صلی الله عليه وسلم علما، فقال عمرو بن عتبة بن فرقد استغفر الله يا ابن مسعود واتوب اليه، فامرهم ان يتفرقوا، قال ورأی ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه حلقتين فی مسجد الكوفة فقام منهما، فقال ايتكما كانت قبل صاحبتها؟ قالت احداهما نحن، فقال للاخریٰ قوموا اليها فجعلها واحدة (طبرانی ص۱۳۴ ج۹)

(۸۲) حدثنا علی بن عبد العزيز ثنا ابو نعيم ثنا عبد السلام بن حرب عن عطاء بن السائب عن ابی البختری وربما قال عامر دخل المسجد فاذا هو بحلقتين، فقال للغلام انطلق وانظر اهؤلاء جلوسا قبل ام هؤلاء فجاء فقال هؤلاء، فقال انما يكفی المسجد محدث واحد، فانما هلك من كان قبلكم بالتباغی (طبرانی ص۱۳۴ ج۹)

(۸۳) حدثنا عثمان بن عمر الضبی ثنا عبد الله بن رجاء انا زائدة عن عطاء ابن السائب عن ابی البختری قال ذكر لعبد الله رضی الله عنه انّ رجلا يجتمع اليه وذكر حديث ابی نعيم (طبرانی ص۱۳۵ ج۹)

(۸۴) حدثنا ابو مسلم الكشی قال ثنا ابو عمر الضرير انا حماد بن سلمة ان عطاء بن السائب اخبرهم عن ابی عبد الرحمٰن السلمی قال كان عمرو بن عتبة بن فرقد السلمی ومعضد فی اناس من اصحابهما اتخذوا مسجدا

یسبحون فیه بین المغرب والعشاء کذا ویهللون کذا ویحمدون کذا فاخبر بذلك عبد الله بن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه، فقال للذی اخبره اذا جلسوا فآذنی، فلما جلسوا اذنه، فجاء عبد الله علیه برنس حتی دخل علیهم فکشف البرنس عن رأسه ثم قال انا ابن ام عبد والله لقد جئتم ببدعة ظلماء، او قد فضلتم اصحاب محمد صلی الله علیه وسلم علما، فقال معضد وکان رجلا مفوها والله ما جئنا ببدعة ظلماء، ولا فضلنا اصحاب محمد صلی الله علیه وعلیٰ اٰله وسلم، فقال عبد الله لئن اتبعتم القوم، لقد سبقوکم سبقا مبینا، ولئن جرتم یمینا و شمالا لقد ضللتم ضلالا مبینا (طبرانی ص۱۳۵ ج ۹)

(۸۵) حدثنا علی بن عبد العزیز ثنا ابو النعمان عارم ثنا حماد بن زید عن مجالد بن سعید عن عمرو بن سلمة قال کنا قعودا عند باب ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه بین المغرب والعشاء، فاتی ابو موسیٰ، فقال اخرج الیکم ابو عبد الرحمٰن؟ قال فخرج ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه، فقال ابو موسیٰ ما جاء بك هذه الساعة؟ قال لا والله الا انی رأیت امرا ذعرنی، وانه لخیر، ولقد ذعرنی وانه لخیر، قوم جلوس فی المسجد ورجل یقول لهم سبحوا کذا وکذا، احمدوا کذا وکذا، قال فانطلق عبد الله رضی الله تعالیٰ عنه فانطلقنا معه حتی اتاهم، فقال ما اسرع ما ضللتم واصحاب محمد صلی الله علیه وسلم احیاء وازواجه شواب وثیابه و اٰنیته لم تغیر احصوا سیّاٰتکم فانا اضمن علی الله ان یحصی حسناتکم، (طبرانی ص۱۳۶ ج ۹)

الاحکام المستفادۃ

○ ذکر خفی بلاشبہہ افضل ہے (۱ تا ۸، ۲۳، ۲۵)

○ روایات جہر کو حضرت امام مالک و دیگر بعض فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے "ما ورد به الشرع" کے ساتھ مختص قرار دیا ہے، دوسرے حالات میں جہر حرام ہے، (۱ تا ۳، ۵، ۹، ۲۴ تا ۳۲، ۷۷ تا ۷۹)

○ ائمۂ احناف رحمہم اللہ تعالیٰ سے "مواضع معھودہ فی الشرع" کے سوا جہر کی حرمت وجواز دونوں قول ہیں۔ اکثر نے "ما ورد به الشرع" پر قیاس کر کے جواز کا قول فرمایا ہے، معہذا بعض حالات میں حرام اور بعض میں مستحب قرار دیا ہے، یعنی جواز جہر لعینہ ہے اور بعض حالات میں حرمت یا استحباب لغیرہ ہے (۲، ۳، ۵، ۲۳ تا ۳۷، ۶۸ تا ۷۰، ۷۸ تا ۸۵)

عوارض استحباب جہر:

① ذاکر کا "اواہ" ہونا (۳۳ تا ۳۶)

② قلب کا جمود وخمود (۲۳، ۳۷)

③ غلبۂ نوم (۲۳، ۳۷)

④ وساوس وخواطر ردیئہ (۲۳، ۳۷)

○ حلق ذکر:

○ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے "ریاض الجنۃ" کی چار تفاسیر منقول ہیں:

① مساجد ② حلق ذکر ③ مجالس ذکر ④ مجالس علم (۲۷، ۴۸، ۵۲، ۷۱، ۷۶)

○ رئیس المحدثین والفقہاء حضرت عطاء وبعض دیگر فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے حلق ذکر و مجالس ذکر کو بھی "مجالس علم" پر محمول فرمایا ہے، (۲۷، ۷۲)

لفظ "حلق" سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، بصورت حلقہ بیٹھنے کی ضرورت مجالس علم ہی میں ہوتی ہے، تسبیح وتہلیل جیسے اذکار میں اوّلاً تو اجتماع ہی کی ضرورت نہیں ثانیاً اتفاقاً اجتماع ہو بھی گیا تو حلقہ بنانے کی کیا ضرورت؟ اور نفس اجتماع کی "حلقہ" سے تعبیر نہ معقول نہ کتب لغت میں منقول۔

○ اکثر شراح حدیث فرماتے ہیں کہ "حلق ذکر" عام ہے، مجالس علم و مجالس تسبیح وغیرہ سب کو شامل ہے۔

مگر بدون مجلس علم ذکر بصورت حلقہ کا نہ کوئی قول نظر سے گزرا اور نہ ہی نفس اجتماع بدون صورت حلقہ کو "حلقہ" کہنے کی کوئی وجہ۔

○ بدون تداعی اجتماعی ذکر جائز لغیرہ ہے،

○ عوارض مبیحہ وہی ہیں جو "عوارض استحباب جہر" کے تحت لکھے گئے ہیں۔

○ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام عموماً مجالس ذکر میں شرکت نہ فرماتے تھے (۹)

○ حضرات محدثین و فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے جن حضرات نے مجالس ذکر کی روایات نقل فرمائی ہیں انھوں نے اپنے ہاں مجالس ذکر قائم نہیں فرمائیں بلکہ صوفیہ کی مجالس ذکر میں بھی شریک نہیں ہوئے، اس معمول کو صرف صوفیہ کی طرف منسوب فرمایا ہے (۲۳، ۲۵، ۳۲)

○ بقول بعض محدثین مجالس ذکر کی روایات صدر اول کے بعد پیدا ہونے والے لوگوں کے بارے میں ہیں (۳۲)

○ اجتماعی ذکر کے جواز کے لئے بدعات سے اجتناب شرط ہے، کوئی بدعت شامل ہو جائے تو حرام ہے (۲۶، ۲۸، ۶۸، ۸۰ تا ۸۵)

○ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے زمانہ میں مجالس ذکر میں بدعات شامل ہو گئی تھیں، (۲۶)

اس سے دور حاضر کی مجالس ذکر کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

○ **اثر ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ:**

○ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہیئت اجتماعیہ جہراً ذکر کرنے والوں کو مبتدعین قرار دیکر ڈانٹ کر مسجد سے نکال دیا تھا (۷۷ تا ۸۵)

○ مجالس ذکر کے مجوزین نے اس کے تین جوابات دیئے ہیں:

(۱) اس اثر کا کتب حدیث میں کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

(۲) یہ جواز جہر سے متعلقہ احادیث صحیحہ صریحہ کے خلاف ہے۔

(۳) ان لوگوں نے کوئی بدعت شامل کرلی ہوگی، مثلاً: اجتماع بالتداعی، امام و ائتمام، باہم کوئی اور ارتباط، جہر مفرط وغیرہا (۷۷ تا ۷۹)

○ پہلا جواب اسلئے صحیح نہیں کہ طبرانی نے متعدد اسانید سے اسکی تخریج فرمائی ہی (۸۰ تا ۸۵) علاوہ ازیں اکثر فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے "وقد صح عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ" سے اس کی تصحیح و توثیق فرمائی ہے کما فی رقم (۷۹)

○ دوسرے جواب میں ردّ بلا سبب ہے، اس لئے تیسرا جواب ہی متعین ہے۔

○ البدع والحوادث :

① جہر کو مستحب لعینہ سمجھنا ② جہر کو بدون عوارض ذکر خفی سے افضل سمجھنا۔

③ مجالس ذکر کو جائزۃ لعینہا سمجھنا ④ فاعتقادکونہا مستحبۃ بدعۃ بالاولیٰ۔

⑤ باہم امام اور مقتدیوں جیسا تعلق رکھنا، یعنی کوئی شخص مقتدیٰ بن کر ذکر کروائے دوسرے اس کی اقتداء کریں۔

⑥ ذاکرین میں باہم کسی بھی قسم کا ربط ⑦ بذریعہ تداعی دو تین افراد سے زیادہ کو جمع کرنا، نوافل کی جماعت میں دو تین سے زیادہ کا نفس اجتماع ہی بحکم تداعی ہے، مگر حلق ذکر میں یہ صورت بحکم تداعی نہیں۔

قول معاذ وعبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

⑧ فرائض اور واجبات کی طرح التزام، یا اس کے تارک کو ملامت کرنا یا اس کی طرف غفلت کی نسبت کرنا یا اس کو طریق افضل کا تارک سمجھنا۔

⑨ دوسری تقییدات و تخصیصات۔

⑩ یہ اعتقاد کہ مجلس ذکر بدون ترک معاصی اصلاح قلب ونجات کے لئے کافی ہے۔

⑪ حاجات دنیویہ کے لئے اس اعتقاد سے مجالس ذکر منعقد کرنا کہ ارتکاب کبائر کے باوجود اس سے کام بن جائے گا۔

○ قول معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ "اجلس بنا نؤمن ساعۃ" (صحیح بخاری ص۶)

○ اس قسم کے الفاظ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہیں (۴۱) اس سے ذکر کے لئے تداعی پر استدلال صحیح نہیں، اس لئے کہ اس سے مجلس علم مراد ہی (۳۷تا۷۵)

○ اگر مجلس ذکر تسلیم کر لی جائے تو دعوۃ الواحد ہے تداعی نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۴ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ

يايها النبي قل لازواجك وبنتك ونساء
المؤمنين يدنين عليهن من جلابيبهن (القران)

* * *

پردۂ شرعی
قرآن، حدیث، فقہ اور عقلِ سلیم
کی
روشنی میں

کتبہ فاروق

هدایۃ المرتاب
فی
فرضیۃ الحجاب
پردۂ شرعی
مختلف اوقات میں تحریر کردہ چند فتاویٰ کا مجموعہ
اپنے موضوع میں منفرد تحریرات :
قرآن کریم کی آیات بیّنات
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات
حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تشریحات
حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی تصریحات
خوف فتنہ کو پردہ کی علت قرار دینا الحاد ہے
چہرہ کے پردہ کی تحقیق انیق
"زینتِ ظاہرہ" کی تدقیق عمیق
وجوب حجاب کو اُمہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی خصوصیت قرار دینا سراسر جہالت اور قرآن وحدیث کی بغاوت ہے۔
کتبہٗ فاروق

پردہ کی فرضیت

سوال : زید اس امر کا قائل ہے کہ پردہ کا حکم فرض نہیں استحبابی ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لیکر خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ تک پردہ کا اسقدر اہتمام نہ تھا جو آج کل کے علماء کہتے ہیں۔ اس لئے بستیوں میں جو لوگوں کا طریقہ ہے کہ عورتیں کام کاج کے لئے جاتی ہیں اور لوگ ایک دوسرے کے گھروں میں آتے جاتے ہیں یہ سنت کے خلاف نہیں۔

آپ تحریر فرمائیں کہ قرآن و حدیث میں پردہ کی کس قدر اہمیت ہے اور زید کا قول صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا بالبرهان توجروا عند الرحمٰن

الجواب ومنه الصدق والصواب

پردہ کے ثبوت میں اس وقت چند اُمور بالاختصار بیان کئے جاتے ہیں :

① عورت کو بلا ضرورت برقع میں بھی باہر نکلنا حرام ہے۔

② کسی اہم ضرورت کے لئے پردہ میں باہر نکلنا جائز ہے۔ بشرطیکہ برقع وغیرہ مزیّن نہ ہو۔ کسی قسم کی خوشبو نہ لگائی ہو۔ کلام اور چال دلکش نہ ہو۔ فتنہ کا احتمال نہ ہو۔

③ بلا پردہ باہر نکلنا اور غیر محرم کے سامنے چہرہ کھولنا بلا ضرورت شدیدہ حرام ہے۔

اب ان اُمورِ ثلاثہ کے دلائل تحریر کئے جاتے ہیں۔

امر اوّل : بلا ضرورت برقع میں بھی باہر نکلنا حرام ہے۔

① وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى (۳۳-۳۳)

اس آیت میں خطاب اگرچہ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہنّ کو ہے مگر حکم عام ہے۔

عموم پر چند قرائن ہیں :

① آیت کے ماقبل اور مابعد میں مذکورہ احکام یعنی لَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ، قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا، اَقِمْنَ الصَّلٰوةَ، اٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وغیرہ عام ہیں حالانکہ خطاب ان میں بھی خاص ہے۔

② قَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ کی تاکید کے لئے اس کے مقابل یعنی تبرج جاہلیت سے روکا

گیا ہے۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اظہارِ جاہلیت یعنی رسوم کفر و شرک کی اجازت کسی بھی مسلمہ عورت کو نہیں۔ جب لَا تَبَرَّجْنَ کا عموم مسلّم ہے تو اس کے مقابل قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ کا عموم بھی تسلیم کرنا پڑے گا۔

(۳) عورت کو گھر میں بند رکھنے کی حکمت خود قرآن میں مذکور ہے۔ لَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ۔

اس سے ثابت ہوا کہ پردہ کی حکمت احتمال فتنہ ہے۔ اور فتنہ کا احتمال ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی بنسبت دوسری عورتوں میں زیادہ ہے جس کے اسباب یہ ہیں:

(۱) ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن رجالِ اُمت پر محرمات مؤبدہ ہیں۔
قال اللّٰہ تعالیٰ: وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ــــ وَلَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا ؕ
محرمہ مؤبدہ کی طرف طبعًا میلِ نفس نہیں ہوتا۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت بھی رجالِ اُمت کے لئے وقوع فی الفتنہ سے مانع ہے۔

(۳) عورت کی طرف سے بھی میلان موہوم ہو تو فتنہ کا احتمال زیادہ قوی ہوتا ہے۔
قوتِ احتمال کا یہ سبب اُمت کی عورتوں میں موجود ہے۔ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے خیالات پاکیزہ اور نفوس قدسیہ تھے، ان کی تطہیر کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہے:
لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا ۝
غرضیکہ جب حکمتِ پردہ غیر ازواج میں اتم ہے تو ثابت ہوا کہ قرار فی البیوت کا حکم بھی اُمت کی عورتوں کے لئے بطریقِ اولیٰ و آکد ہے، اس زمانہ میں تو وجود فتنہ متیقن ہے۔

(۲) وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ؕ (۳۳-۵۳)
اس آیت میں بھی خطاب خاص اور حکم عام ہے کیونکہ حکمتِ حکم ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ عام ہے۔ بلکہ غیر ازواج میں احتمالِ فتنہ زیادہ ہے کما مر تفصیلہ۔
اس آیت سے معلوم ہوا کہ سوال و جواب کی ضرورت کے باوجود بھی عورت برقع وغیرہ میں لپٹ کر سامنے نہ جائے بلکہ وراءِ حجاب رہ کر ضرورت پوری کی جائے۔

(۳) عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت اومت امرأۃ من وراء ستر بید ھا

كتاب الى رسول الله صلى الله عليه وسلم، رواه ابوداؤد والنسائى -

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی عورتیں بغیر کسی مجبوری کے برقع وغیرہ میں بھی نہ آتی تھیں۔ بلکہ حتی الامکان وراء سترہ کر اپنی حاجات پیش کرتی تھیں۔

(۴) عن انس رضى الله تعالى عنه فى قصة تزوج زينب رضى الله تعالى عنها من الحديث الطويل قال فرجعت فاذا هم قد قاموا فضرب بينى وبينه الستر وانزل اية الحجاب، رواه مسلم-

اگر برقع وغیرہ میں بلا ضرورت سامنے ہونا جائز ہوتا تو ضرب ستر کی ضرورت نہ تھی، بلکہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر لے جاتے اور ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہنّ کو کپڑے سے چہرہ ڈھانکنے کا حکم فرما دیتے۔

(۵) عن ابى سعيد الخدرى رضى الله تعالى عنه فى قصة الفتى حديث العهد بعرس فاذا امرأته بين البابين قائمة فاهوى اليها بالرمح ليطعنها به واصابته غيرة، رواه مسلم-

(۶) واقعہ افک میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہودج سے معلوم ہوا کہ حتی الامکان حجاب اشخاص ضروری ہے، بلا ضرورت برقع وغیرہ میں لپٹ کر ظاہر ہونا بھی جائز نہیں۔ اگر برقع میں ظاہر ہونا معیوب نہیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے ضرورت سفر کے باوجود ہودج پر حجاب کیوں بنایا گیا؟ حالانکہ ہودج پر بلا حجاب صرف برقع وغیرہ میں لپٹ کر بیٹھنا بھی ممکن تھا۔

(۷) عن ام سلمة رضى الله تعالى عنها انها كانت عند رسول الله صلى الله عليه وسلم وميمونة رضى الله تعالى عنها اذ اقبل ابن ام مكتوم رضى الله تعالى عنه فدخل عليه فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم احتجبا منه فقلت يا رسول الله اليس هو اعمى لا يبصرنا فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم افعمياوان انتما الستما تبصرانه، رواه احمد والترمذى وابوداؤد-

برقع وغیرہ میں لپٹ کر باہر نکلنے میں عورت مردوں کو دیکھتی ہے، لہٰذا بلا ضرورت ناجائز ہے۔ حدیث میں ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہنّ کو ایک متقی نابینا صحابی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف دیکھنے سے منع فرمایا گیا ہے، حالانکہ ازواج مطہرات اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی فضیلت ملائکہ کے لئے بھی قابلِ رشک ہے۔ ان ارواحِ قدسیہ کی پاکبازی پر قسم اٹھائی جا سکتی ہے، تو فسق و فجور کے اس دور میں برقع وغیرہ میں لپٹ کر باہر نکلنا بلا ضرورت کیسے جائز ہو سکتا ہے؟

⑧ عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال المرأة عورة فاذا خرجت استشرفها الشیطان، رواہ الترمذی۔

⑨ عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیس للنساء نصیب فی الخروج الا مضطرۃ، الحدیث، رواہ الطبرانی فی الکبیر۔

⑩ عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ کان عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ای شیء خیر للمرأة فسکتوا فلما رجعت قلت لفاطمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ای شیء خیر للنساء قالت لا یرین الرجال ولا یرونہن فذکرت ذلک للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال فاطمۃ بضعۃ منی، رواہ البزار والدارقطنی فی الافراد۔

برقع وغیرہ میں لپٹ کر باہر نکلنے سے عورتیں مردوں کو دیکھتی ہیں۔ لہٰذا بلا ضرورت ناجائز ہے۔

⑪ عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان المرأة تقبل فی صورۃ شیطان وتدبر فی صورۃ شیطان، رواہ مسلم۔

مندرجہ بالا دلائل سے معلوم ہوا کہ بلا ضرورت برقع وغیرہ میں لپٹ کر بھی باہر نکلنا جائز نہیں۔

امر دوم:

بوقتِ ضرورت برقع وغیرہ میں لپٹ کر باہر نکلنا جائز ہے۔

① یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ ؕ (۳۳-۵۹)

② عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت خرجت سودۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بعد ما ضرب الحجاب لحاجتها (الیٰ قولها) فقالت یا رسول اللہ انی خرجت لبعض حاجتی فقال لی عمر کذا وکذا قالت فاوحی اللہ الیہ فقال انہ قد اذن لکن ان تخرجن لحاجتکن، رواہ البخاری۔

③ قالت امرأة یا رسول اللہ احدانا لیس لها جلباب قال لتلبسها صاحبتها

من جلبابها، رواہ الشیخان۔

④ عن ام عطیة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت امرنا ان نخرج الحیض یوم العیدین وذوات الخدور، رواہ الشیخان۔

لفظ ذوات الخدور سے معلوم ہوا کہ صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہن بوقت ضرورت چادر میں لپیٹ کر نکلتی تھیں۔

⑤ عن قیس بن شماس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال جاءت امرأة الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقال لها ام خلاد وھی متنقبة، الحدیث، رواہ ابوداؤد۔

مندرجہ بالا دلائل سے معلوم ہوا کہ معتدبہا ضرورت کے وقت برقع وغیرہ میں لپیٹ کر نکلنا جائز ہے۔

مگر مزین برقع پہننا اور دلکش رفتار و گفتار اختیار کرنا اور خوشبو لگا کر نکلنا جائز نہیں۔

① عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت بینما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جالس فی المسجد اذ دخلت امرأة من مزینة ترفل فی زینة لها فی المسجد فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ایها الناس انهوا نسائکم عن لبس الزینة والتبختر فی المسجد فان بنی اسرائیل لم یلعنوا حتی لبس نسائهم الزینة وتبخترن فی المساجد، رواہ ابن ماجة۔

② عن ابی موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ایما امرأة استعطرت فمرت علی قوم لیجدوا ریحها فهی زانیة وکل عین زانیة، رواہ النسائی وابن خزیمة وابن حبان والحاکم (الترغیب والترهیب)

③ ولیخرجن وهن تفلات، رواہ ابوداؤد۔

امر سوم:

بلا برقع وغیرہ کے باہر نکلنا اور غیر محرم کے سامنے چہرہ کھولنا حرام ہے۔

① وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ (الیٰ قولہ) وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ (۲۴-۳۱)

اِلَّا مَا ظَهَرَ کی تفسیر میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے: الا الثیاب والجلباب (در منثور)

ہدایۃ المرتاب ——————— ۷

حضرات مفسرین و فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تفسیر الا الوجہ والکفین کی تین توجیہات بیان فرمائی ہیں :

① ضرورتِ شدیدہ پر محمول ہے، لئلا یتعارض بالنصوص والروایات الماضیۃ ویدل علیہ سیاق ھذہ الاٰیۃ ایضًا وفی الاٰیۃ الاٰتیۃ دلالۃ واضحۃ علٰی ذٰلک۔

② اس سے مراد ابداء عند الرجال نہیں، بلکہ ابداء فی نفسہ مراد ہے۔

③ اس میں اظہار کی اجازت نہیں بلکہ ضرورت ظہور بلا اختیار کا بیان ہے۔

ترکت تفصیلہ مع کونہ مھمًا مخافۃ الاطناب ومن شاء فلیراجع القاء السکینۃ فی تحقیق ابداء الزینۃ لحکیم الامۃ رحمہ اللہ تعالیٰ

② وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِیْنَةٍ ؕ وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ ؕ (۲۴-۶۰)

اس سے ثابت ہوا کہ شواب کو چہرہ کھولنا جائز نہیں۔

③ عن الحسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرسلاً قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لعن اللہ الناظر والمنظور الیہ، رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

④ عن عقبۃ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایاکم والدخول علی النساء فقال رجل یا رسول اللہ ارأیت الحمو قال الحمو الموت، رواہ الشیخان۔

⑤ عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یخلون رجل بامرأۃ الا کان ثالثھما الشیطان، رواہ الترمذی۔

⑥ عن ام سلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حین ذکر الازار فالمرأۃ یا رسول اللہ قال ترخی شبرا فقالت اذا تنکشف اقدامھن قال فیرخین ذراعا، رواہ ابوداؤد۔

جب پاؤں کھولنا جائز نہیں تو چہرہ کھولنا بطریق اولیٰ حرام ہوگا۔

⑦ عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن نظر الفجاءۃ فامرنی ان اصرف بصری، رواہ مسلم۔

⑧ عن عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رفعہ ثلاثۃ لا یدخلون الجنۃ ابدا الدیوث والرجلۃ من النساء ومدمن الخمر قالوا فما الدیوث قال الذی لا یبالی من

دخل علی اهله، رواه الطبرانی فی الکبیر۔

⑨ عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال نهی النبی صلی اللہ علیه وسلم ان یمشی الرجل بین المرأتین، رواه ابوداؤد۔

⑩ عن ابی هریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فی حدیث طویل الید زناها البطش، رواه مسلم۔

⑪ عن معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لان یطعن فی رأس احدکم بمخیط من حدید خیر له من ان یمس امرأۃ لاتحل له رواه البیهقی والطبرانی۔

جب عورتوں کو باہر نکلنے کی اجازت دی جائے گی تو ظاہر ہے کہ اختلاط مع الرجال اور غیر محارم سے مس ید وغیرہ بھی واقع ہوگا جس پر سخت وعید کا بیان حدیث بالا میں گزرا۔

مذکورہ بالا دلائل سے ثابت ہوا کہ عورت کو غیر محارم کے سامنے چہرہ کھولنا حرام ہے۔ یہ مسئلہ بہت وضاحت کے ساتھ فقہ حنفی کی جملہ کتب میں بھی موجود ہے۔

قال فی شرح التنویر وتمنع الشابة وجوبا عن کشف الوجه بین الرجال لا لانه عورۃ بل لخوف الفتنة۔

عورت کے لئے آزادانہ باہر نکلنے کی اجازت تو درکنار شریعت میں عورت کے بارے میں اس قدر احتیاط کا حکم ہے کہ بعض مواضع میں محرم کے ساتھ خلوت سے بھی منع کیا گیا ہے۔

① عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها فی قصة طویلة فقال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم هولک یا عبد بن زمعة الولد للفراش وللعاهر الحجر ثم قال لسودۃ رضی اللہ تعالیٰ عنها احتجبی منه لما رای من شبهه بعتبة فما راها حتی لقی اللہ، رواه الشیخان۔

حالانکہ یہ شخص شرعی قانون کے مطابق حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا محرم تھا۔ پھر بھی اس سے پردہ کا حکم فرمایا۔

② فی الترغیب عن عقبة بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنه ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال ایاکم والدخول علی النساء فقال رجل من الانصار افرأیت الحمو قال الحمو الموت، رواه البخاری ومسلم والترمذی۔

ثم قال ومعنی کراهة الدخول علی النساء علی نحو ما روی عن النبی صلی اللہ علیه وسلم

قال لا یخلون رجل بامرأۃ الا کان ثالثہما الشیطان۔

الحمو بفتح الحاء المہملۃ وتخفیف المیم واثبات الواو وحذفہا ایضا وبالہمزۃ ہو ابو الزوج ومن ادلی بہ کالاخ والعم وابن العم ونحوہم وہو المراد ھھنا کذا فسرہ اللیث بن سعد وغیرہ (الی قولہ) قال ابو عبید فی معناہ یعنی فلیمت ولا یفعلن ذلک فاذا کان ھذا روایۃ فی اب الزوج وھو محرم فکیف بالقریب۔

③ فقہ حنفی کی جملہ کتب میں یہ جزئیہ موجود ہے :

ویکرہ الخلوۃ بالصہرۃ الشابۃ لفساد الزمان۔

خسر اور خوشدامن حالانکہ محرم ہیں اس کے باوجود ان کے ساتھ خلوت سے منع کیا گیا ہے

قرآن مجید میں صراحت ہے کہ عورت کی آواز اور ناز کا لہجہ حتّٰی کہ پاؤں کے زیور کی آواز کا ظاہر کرنا بھی ممنوع ہے۔

فَلَا تَخۡضَعۡنَ بِالۡقَوۡلِ فَیَطۡمَعَ الَّذِیۡ فِیۡ قَلۡبِہٖ مَرَضٌ وَّقُلۡنَ قَوۡلًا مَّعۡرُوۡفًاۚ

وَلَا یَضۡرِبۡنَ بِاَرۡجُلِہِنَّ لِیُعۡلَمَ مَا یُخۡفِیۡنَ مِنۡ زِیۡنَتِہِنَّ ؕ

اسی طرح عورتوں کا مسجد میں آنا اور جماعت سے نماز پڑھنا جائز نہیں،

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لصلوۃ المرأۃ فی بیتہا افضل من صلوتہا فی حجرتہا وصلوتہا فی مخدعہا افضل من صلوتہا فی بیتہا، رواہ الطبرانی فی الاوسط بسند جید۔

قالت عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا لو ادرک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما احدثت النساء لمنعہن کما منعت نساء بنی اسرائیل، رواہ مسلم۔

ویکرہ لہن حضور الجماعات یعنی الشواب منہن لما فیہ من خوف الفتنۃ ولا بأس للعجوزان تخرج فی الفجر والمغرب والعشاء الخ (ھدایۃ)

حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالٰی فرماتے ہیں کہ غیر محرم کا جوان عورت کو سلام کرنا جائز نہیں۔

سلامک مکروہ علی من ستسمع (الی قولہ) کذا الاجنبیات الفتیات امنع (شرح التنویر)

عورت کو جہریہ نماز میں جہر کرنا جائز نہیں۔

حج میں جہرًا لبیک کہنا جائز نہیں۔

عورت اپنے محرم کی اقتدا میں نماز پڑھ رہی ہو تو سہو امام کی صورت میں عورت کو زبان سے لقمہ دینا جائز نہیں بلکہ ہاتھ پر ہاتھ مار کر امام کو متنبہ کرے۔

پانی یا آئینے میں عورت کا عکس دیکھنا جائز نہیں۔

عورت کا سؤر اجنبی مرد کے لئے اور مرد کا سؤر غیر محرم عورت کے لئے مکروہ ہے۔

عورت کے بالوں اور ناخنوں کو دیکھنا جائز نہیں اگرچہ بدن سے جدا ہو چکے ہوں۔

غیر محرم عورت کو یاد کر کے لذت حاصل کرنا حرام ہے۔

وغیر ذلك من الجزئیات الواردۃ فی کتب الفقہ۔

اجماع ائمہ اربعہ:

مذاہب ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ میں تو شروع ہی سے مطلقاً ہر حالت میں چہرے کا پردہ فرض ہے، حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے متقدمین نے شہوت سے مکمل طور پر امن کی صورت میں گنجائش دی تھی مگر متأخرین نے فساد زمان کی وجہ سے مطلقاً حرمت کا فتویٰ دیا ہے،

قال الامام الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: فان خاف الشھوۃ اوشك امتنع النظر الی وجھھا فحل النظر مقید بعدم الشھوۃ والافحرام وھذا فی زمانھم واما فی زماننا فمنع من الشابۃ قھستانی وغیرہ، الا النظر لا المس لحاجۃ کقاض وشاھد یحکم ویشھد علیھا (ردالمحتار ص ۲۶۱ ج ۵)

متقدمین حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے گنجائش بھی صرف کام کرنے والی عورتوں کے لئے ضرورت کی بنار پر تھی۔ بہرحال اس زمانہ میں دوسرے ائمہ کی طرح احناف کے ہاں بھی کوئی گنجائش نہیں۔

غرضیکہ زید کا یہ کہنا:

"عورتوں کو آزادانہ باہر آنا جانا جائز ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں ایسا ہی تھا پردہ کا اہتمام نہ تھا"

قرآن کی نصوصِ قطعیہ اور احادیثِ متواترۃ المعنی اور تصریحاتِ فقہیہ کے بالکل خلاف ہے، بلکہ اس قول میں نصوصِ قطعیہ کا انکار اور نقض اجماع ہونے کی وجہ سے کفر کا اندیشہ ہے، زید کو لازم ہے کہ توبہ کرے اور اپنی رقبہ سے ربقۂ اسلام نکالنے کی کوشش نہ کرے۔

وما علینا الا البلاغ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵ ربیع الآخر سنہ ۷۳ھ

خوفِ فتنہ کو پردہ کی علت قرار دینا الحاد ہے :

سوال : ایک عالمِ دین فرماتے ہیں کہ عورتوں کے لئے پردہ کا حکم خوفِ فتنہ کی وجہ سے ہے ، جہاں فتنہ کا اندیشہ نہو وہاں پردہ کا حکم نہیں ، کیا ان کا یہ خیال صحیح ہے؟ بیّنوا توجروا ۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ایسا شخص عالمِ دین ہرگز نہیں ہوسکتا ، کوئی عالم قرآن و حدیث کی نصوص صحیحہ وصریحہ کے خلاف ایسا بیہودہ اور ملحدانہ خیال ہرگز ظاہر نہیں کرسکتا ، یہ خیال بوجوہِ ذیل باطل ، مردود اور الحاد ہے :

(۱) قرآن وحدیث کی نصوص میں حکم حجاب مطلق ہے ، جس میں ”خوفِ فتنہ“ کی قید نہیں ۔

نماز میں عورت پر چہرہ ڈھانکنا فرض نہیں ، اس کی توجیہ میں حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ عورت کا چہرہ ستر میں داخل نہیں ، معہذا غیر محرم کے سامنے چہرہ کھولنا خوفِ فتنہ کی وجہ سے حرام ہے ۔ اس توجیہ میں بیان حکمت مقصود ہے نہ کہ بذریعہ تعلیل قرآن وحدیث کی نصوصِ صریحہ میں اپنی طرف سے تقیید و پیوند کاری جیسا الحاد ۔ اعاذنا اللہ تعالیٰ منہ ۔

اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے حرمۃ الجمع بین الاختین کی حکمت ”خوفِ فتنہ“ کو کوئی ملحد علت قرار دے کر عدم خوف کی صورت میں حکم حلت دینے لگے ، ایسا ملحد شرعًا واجب القتل ہے ، حتیٰ کہ گرفتاری کے بعد اس کی توبہ بھی قبول نہیں ۔

(۲) اگر بفرضِ محال ”خوفِ فتنہ“ کو علت تسلیم بھی کرلیا جائے تو قانون یہ ہے کہ جہاں علت کا وجود و عدم مخفی ہو وہاں سبب کو علت کے قائم مقام قرار دیکر اسی کو مدارِ حکم قرار دیدیا جاتا ہے ، مثلاً :

(۱) نوم میں نقضِ وضوء کی اصل علت تو انفلات ریح ہے مگر اس کا علم حاصل کرنا متعسر ہے لہٰذا نفس نوم ہی کو علت قرار دیکر اس پر ناقضِ وضوء ہونے کا حکم لگادیا گیا ۔

(۲) سفر میں قصر و افطار کی اصل علت تو مشقت ہے مگر اس کے خفاء

کی وجہ سے نفس سفر ہی کو علت کے قائم مقام قرار دیکر اس پر احکام مرتب کر دیئے گئے۔

"خوفِ فتنہ" بھی اسی قسم میں داخل ہے، اس کا وجود و عدم مخفی ہے، لہٰذا شریعت نے سبب "کشف الوجہ" کو علت یعنی "خوفِ فتنہ" کے قائم مقام قرار دیکر مطلقاً "کشف الوجہ" پر حکم حرمت لگا دیا، اس زمانہ میں فتنہ یقیناً متحقق ہے۔

(۳) امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے لئے بھی حکم حجاب میں یہی حکمت تھی،

قال تعالیٰ: فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبہ مرض وقلن قولا معروفا ○

وقال: واذا سألتموھن متاعا فسئلوھن من وراء حجاب ذلکم اطہر لقلوبکم وقلوبھن ط

وقال صلی اللہ علیہ وسلم لام سلمۃ ومیمونۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہما لما دخل عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ: احتجبا منہ ..... افعمیا وان انتما الستما تبصرانہ۔

نصوص مذکورہ کے پیش نظر اس دورِ فتن میں کوئی فتنہ سے مامون ہونے کا دعویٰ کس منہ سے کر سکتا ہے؟

(۴) اس قسم کے ملحد لوگ عدم خوف فتنہ کی آڑ میں نفس پرستی کا بازار خوب گرم رکھتے ہیں، یہ اپنے بارے میں عدم خوف فتنہ اور اپنے نفس پر اعتماد کے مدعی ہیں اور حقیقت یہ ہے جو شخص اپنی پاکدامنی اور نفس پر اعتماد کا دعوے کرتا ہے وہ یقیناً گناہ میں مبتلا ہو کر رہتا ہے، جو اس کے عجب و اعتمادِ نفس اور حکم شرع کے استخفاف پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وبال و عذاب ہوتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام تو اعتمادِ نفس کی جڑیں کاٹ رہے ہیں، وما ابرّئ نفسی انّ النّفس لامّارۃ بالسّوء الّا ما رحم ربّی ط اور یہ اعتمادِ نفس کے دعوے کر رہے ہیں اور تقویٰ میں حضرت یوسف علیہ السلام سے بھی اعلیٰ مقام کے مدعی ہیں، کیا ایسے لوگ بھی اس گستاخی کے وبال سے بچ سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں، اللہ تعالیٰ انہیں اس گناہ میں مبتلا کر کے دنیا میں بھی ذلیل کرتے ہیں، ولعذاب الاٰخرۃ اکبر۔

چشم عبرت کے سامنے دنیا میں اس عزیز ذو انتقام کے انتقام کی مثالیں کچھ کم نہیں۔ انّ فی ذٰلک لعبرۃ لاولی الابصار۔

(۵) خوفِ فتنہ نہ ہونے کا بہانہ عموماً اقارب و احباب کے حق میں تراشا جاتا ہے

حالانکہ اجانب کی بنسبت ان سے بہت زیادہ خطرہ ہے، اجانب کو اوّلاً تو تعلقات پیدا کرنے کے مواقع بمشکل ہاتھ آتے ہیں، پھر وہ بدنامی کے خطرہ سے تعلقات بڑھانے سے خود ہی ڈرتے ہیں، پھر دوسری جانب سے ان کی ذرا سی حرکت پر بھی شدید ردّ عمل اور سخت احتساب ہوتا ہے جو انکے ابتلاء سے مانع ہے، اس کے برعکس اقارب واحباب کے لئے کوئی مانع نہیں بلکہ ہر قسم کے محرکات موجود ہیں، بے خطر آمد و رفت، بے حجابانہ اختلاط بلکہ ہنسی مذاق اور اس پر جانبِ مقابل کی طرف سے کسی قسم کے احتساب و ناگواری کی بجائے آفرین و تحسین۔ چنانچہ انہی وجوہ کی بناء پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "الحمو موت" ارشاد فرما کر اقارب سے زیادہ سخت پردہ کی تاکید فرمائی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو اقارب سے زیادہ خطرہ بیان فرما رہے ہیں اور یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح ارشاد کے مقابلہ میں اقارب سے عدم خوف کا دعویٰ کر رہے ہیں، ذرا اپنے ایمان کی خبر لیں، نفس پرستی کا انجام یہی ہوتا ہے کہ انکار و کفر تک نوبت پہنچ جاتی ہے، ثمّ کان عاقبۃ الذین اساؤا السوٓأی ان کذبوا بایٰت اللہ وکانوا بھا یستھزءون۔

(۶) اس ملحدانہ منطق کے تحت ہر فاسق سے فاسق شخص عدم خوف فتنہ کے بہانے سے گھوڑے دوڑا رہا ہے، آپ کسی بھی بڑے سے بڑے فاسق فاجر کو خوف فتنہ کی نصیحت کریں تو وہ اسے قبول کرنے کی بجائے آپ کو بُرا بھلا کہے گا۔

(۷) اگر کوئی مریضِ عجب و اسیرِ کیدِ نفس اپنے اندر عدم خوف فتنہ کا مدعی ہے تو اسے دوسری جانب میں خوف فتنہ نہ ہونے کا علم کیسے ہو سکتا ہے؟

(۸) فتنہ صرف یہی نہیں کہ زنا تک نوبت پہنچ جائے بلکہ نظر یا کلام سے استلذاذ اور شہوۃِ قلب بھی گناہ اور فتنہ ہے، شہوۃ قلب اگرچہ غیر اختیاری ہے مگر اس کا سبب "کشف الوجہ اور اختلاط" اختیاری ہے، لہٰذا اس پر بھی گرفت ہے۔

(۹) عدم خوف فتنہ کی بناء پر پردہ نہ کرنے کا لازمًا یہ اثر ہوگا کہ عوام ایسے لوگوں کے عمل کو دیکھ کر اس قید سے قطع نظر مطلقًا بے پردگی کو جائز سمجھنے لگیں گے اور حجاب کے حکم قطعی کا انکار کر کے کفر تک جا پہنچیں گے جس کا وبال ان لوگوں پر ہوگا جو "خوف فتنہ" سے تعلیل کا فتنۂ اباحیت و الحاد پھیلا رہے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۴؍ رمضان ۱۴۰۸ھ

چہرے کے پردے کی فرضیت قرآن وحدیث سے:

سوال: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا کی تفسیر الوجہ والکفین منقول ہے، اس سے کئی ملحد اور بے دین لوگ استدلال کرکے عورت کے لئے غیر محرم کے سامنے چہرہ کھولنے کو جائز بتاتے ہیں حالانکہ ہر فتنہ اور بدکاری کی جڑ اور بنیاد یہی ہے۔

اس لئے گزارش ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اس تفسیر کے بارے میں مفصّل ومدلّل تحریر زیرِ قلم لاکر اُمّتِ مسلمہ کی رہبری فرمائیں، اُمت کو دُنیا و آخرت دونوں میں رُسوا کن اور مہلک فتنوں کی یورش سے بچانے کی سعی فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ جناب کی سعی کو مشکور فرمائیں۔

الجواب باسم ملهم الصواب

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول تفسیر کی حقیقت تحریر کرنے سے قبل چہرے کے حجاب کی فرضیت پر قرآن وحدیث کی نصوص پیش کی جاتی ہیں تاکہ اس تفسیر کی تصحیح نقل یا تعیین مفہوم میں اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ناقابلِ تأویل قطعی احکام کی مخالفت کا عذاب پیشِ نظر رہے۔

(۱) ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن (الی) او الطفل الذین لم یظھروا علیٰ عورات النساء (۲۴-۳۱)

(۲) ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن (۲۴-۳۱)

جب پاؤں کے زیور کی آواز کو غیر محرم پر ظاہر کرنا حرام ہے تو چہرے کا اظہار بطریق اولیٰ حرام ہوا، اس لئے کہ اس میں زیور کی آواز سننے سے بدرجہا زیادہ فتنے ہیں۔

(۳) والقواعد من النساء التی لا یرجون نکاحا فلیس علیھن جناح ان یضعن ثیابھن غیر متبرجات بزینۃ وان یستعففن خیر لھن، واللہ سمیع علیم (۲۴-۶۰)

ظاہر ہے کہ یہاں ثیاب سے ثیاب البدن مراد نہیں اس لئے کہ بوڑھی عورتوں کو بھی ثیاب البدن اُتار کر بالکل برہنہ باہر نکلنا جائز نہیں، لہٰذا ثیاب سے برقع یا چادر وغیرہ مراد ہے جس میں پورا جسم چھپ جائے۔

مطلب یہ کہ اتنی بوڑھی عورت جس کی طرف رغبت کا کوئی احتمال نہ رہے بلا برقع وغیرہ باہر نکل سکتی ہے، یعنی غیر محرم کے سامنے چہرہ کھول سکتی ہے، مگر اس کے لئے بھی بہتر یہی کہ چہرہ نہ کھولے۔

④ فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبہ مرض وقلن قولاً معروفا۔ (۳۳-۳۲)

یہاں اُمور ذیل خصوصی توجہ کے طالب ہیں:

① حضرات ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے بارے میں یہ خیال نہیں کیا جا سکتا کہ وہ عمدًا آواز میں لچک اور نرمی پیدا کرتی ہونگی یا اس قسم کا ان سے کوئی احتمال تھا جس سے منع کیا جا رہا ہے، لہٰذا مطلب یہ ہے کہ عورت کی آواز میں طبعی طور پر جو نرمی اور نزاکت ہے غیر محرم سے بضرورت بات کرتے وقت اسے تبکلف خشونت وسختی سے تبدیل کریں

② یہ حکم ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے لئے ہے جن کی تطہیر کا خود اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اعلان فرمایا ہے:

انّما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔ (۳۳-۳۳)

③ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن اُمت کی مائیں ہیں، قال اللہ تعالیٰ وازواجہ امھاتھم (۳۳-۶)

④ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن اُمت پر محرمات مؤبدہ ہیں، قال اللہ تعالیٰ: ولا تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدا (۳۳-۵۳) اور محرمہ مؤبدہ کی طرف طبعًا بُری رغبت نہیں ہوتی۔

⑤ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن سے بضرورت بات کرنے والے کون تھے؟ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ جن کا تقدس ملائکہ کے لئے باعثِ رشک ہے، جن کے مقبول ومغفورہم ہونے کی اللہ تعالیٰ نے بشارت دی ہے، وکلاً وعد اللہ الحسنیٰ (۴-۹۵) رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ (۹-۱۰۰)

⑥ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت بھی فتنہ سے مانع تھی۔

جس کے دماغ میں ذرا سی بھی عقل ہو اور جس کے دل میں ذرہ برابر بھی فکر آخرت ہو اسے اُمورِ مذکورہ کے پیش نظر اس فیصلہ میں کوئی ادنیٰ سا بھی تأمل نہیں ہو سکتا کہ جب ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بضرورت بات

کرتے وقت زنانہ آواز کی طبعی نرمی کو بتکلف خشونت سے بدلنے کا حکم دیا جا رہا ہے تو:

(۱) بوقتِ ضرورت گفتگو میں بھی طبعی نرمی جائز نہیں۔

(۲) بلا ضرورت بات کرنا بطریق اولیٰ ناجائز۔

(۳) چہرہ کھولنا اس سے بھی بڑھ کر ممنوع۔ اس لئے کہ چہرہ کا فتنہ آواز کے فتنہ سے بہت زیادہ ہے۔

(۴) غیر ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کا غیر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے سامنے چہرہ کھولنا ان سب سے بڑا گناہ اور حرام ہے۔

(۵) وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولیٰ (۳۳-۳۳)

بلا ضرورت گھر سے نکلنا جائز نہیں تو غیر محرم کے سامنے چہرہ کھولنا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟

ملحدین کہتے ہیں کہ یہ حکم ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی عظمت کی وجہ سے ان کے ساتھ مخصوص ہے۔ ان کا یہ خیال بوجوہِ ذیل سراسر باطل، صریح الحاد اور قرآن کریم میں کھلی تحریف ہے:

(۱) اوپر آیت نمبر ۲ کے تحت متعدد وجوہ سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ حکم حجاب ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی بنسبت دوسری عورتوں کے لئے بدرجہا زیادہ مؤکد ہے۔

(۲) آیت نمبر ۲ میں خود اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ فرما دیا ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے لئے حکم حجاب بوجہ عظمت نہیں بلکہ بوجہ خوف فتنہ ہے۔

(۳) آیندہ آیت نمبر ۶ میں بھی اس کی تصریح ہے۔

(۴) نمبر ۱۳ میں حدیث ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

(۵) حکم حجاب کا عموم قرآن و حدیث کی دوسری نصوص صریحہ سے ثابت ہے۔

(۶) خود آیت زیر بحث کے سباق و سیاق میں خطاب خاص ہونے کے باوجود حکم عام ہے:

(۱) لا تخضعن بالقول۔

(۲) قلن قولا معروفا۔

(۳) لا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولیٰ۔

(۴) اقمن الصلوٰۃ۔

۵ أتین الزکوٰۃ ۔

۶ اطعن اللہ ورسولہ ۔

۶ واذا سألتموھنّ متاعًا فسئلوھن من وراء حجاب ذٰلکم اطھر لقلوبکم وقلوبھنّ (۳۳۔۵۳)

۷ لاجناح علیھن فی اٰبآئھن (الی) ولا ما ملکت ایمانھنّ (۳۳۔۵۳)

اس آیت میں غیر محارم سے پردے کا حکم ہے مگر اس کی تفصیل نہیں کہ کتنا پردہ ہے، لہٰذا اسے سورۂ نور میں مذکور تفصیل کے مطابق سمجھا جائے گا، یعنی غیر محارم کے سامنے ابداءِ زینت حرام ہے، اور چہرے سے بڑھ کر کوئی زینت نہیں ۔

۸ یاایّھا النّبیّ قل لازواجک وبنٰتک ونساء المؤمنین یدنین علیھنّ من جلابیبھنّ ط (۳۳۔۵۹)

یہ نص صریح ہے کہ حجاب الوجہ کا حکم سب عورتوں کے لئے عام ہے ۔

۹ عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا قالت اومت امرأۃ من وراء ستر بیدھا کتاب الی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، رواہ ابوداؤد والنسائی ۔

اس سے ثابت ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنھنّ ایسا پردہ کرتی تھیں کہ بلا ضرورت چہرہ پر نقاب ڈال کر بھی سامنے نہ آتی تھیں، بلکہ پسِ پردہ رہ کر بات کرتی تھیں ۔ حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تقویٰ میں سب سے بلند مقام رکھنے کے علاوہ اُمت کے لئے بمنزلۂ والد بھی ہیں ۔

۱۰ عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی قصۃ تزوج زینب رضی اللہ تعالیٰ عنھا من الحدیث الطویل قال فرجعت فاذا ھم قد قاموا فضرب بینی وبینہ الستر وانزل اٰیۃ الحجاب، رواہ مسلم ۔

اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ بلا ضرورت نقاب کے ساتھ بھی غیر محرم کے سامنے آنا جائز نہیں ۔ ورنہ درمیان میں پردہ لٹکانے کی ضرورت نہ تھی ۔

۱۱ عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی قصۃ الفتی حدیث العھد بعرس فاذا امرأتہ بین البابین قائمۃ فاھوی الیھا بالرمح لیطعنھا بہ واصابتہ غیرۃ ۔ رواہ مسلم ۔

(۱۲) عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فی حدیث الافک واقبل الرھط الذین کانوا یرحلون بی فاحتملوا ھودجی فرحلوہ علی بعیری الذی کنت ارکب علیہ وھم یحسبون انی فیہ وکان النساء اذذاک خفافا لم یھبلن ولم یغشھن اللحم انما یأکلن العلقۃ من الطعام فلم یستنکر القوم خفۃ الھودج حین رفعوہ وحملوہ وما کنت جاریۃ حدیثۃ السن (الی) وکان صفوان بن المعطل السلمی ثم الذکوانی من وراء الجیش فاصبح عند منزلی فرأی سواد انسان نائم فعرفنی حین رأنی وکان رأنی قبل الحجاب فاستیقظت باسترجاعہ حین عرفنی فخمرت وجھی بجلبابی وواللہ ما تکلمنا بکلمۃ ولا سمعت منہ کلمۃ غیر استرجاعہ، رواہ البخاری ومسلم۔

اس قصّہ سے ثابت ہوا کہ ضرورت سفر میں بھی حتی الامکان حجاب الاشخاص کا اہتمام کیا جاتا تھا، جب اسکا کوئی امکان نہ رہا تو حجاب الوجہ اختیار کیا گیا اور ایسی ہولناک حالت میں بھی کلام سے احتراز کیا گیا۔

(۱۳) عن ام سلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا انہا کانت عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومیمونۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اذ اقبل ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فدخل علیہ فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم احتجبا منہ فقلت یا رسول اللہ الیس ھو اعمیٰ لا یبصرنا فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم افعمیا وان انتما الستما تبصرانہ، رواہ احمد و ابوداؤد والترمذی۔

(۱۴) عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال المرأۃ عورۃ فاذا خرجت استشرفہا الشیطان، رواہ الترمذی۔

(۱۵) عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لیس للنساء نصیب فی الخروج الا مضطرۃ، رواہ الطبرانی فی الکبیر۔

(۱۶) عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ کان عند النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال ای شیء خیر للمرأۃ فسکتوا فلما رجعت قلت لفاطمۃ ای شیء خیر للنساء قالت لا یرین الرجال ولا یرونھن فذکرت ذلک للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال فاطمۃ بضعۃ منی، رواہ البزار والدارقطنی فی الافراد۔

(۱۷) عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان

المرأة تقبل فی صورة شیطان وتدبر فی صورة شیطان، رواہ مسلم۔

(۱۸) عن عائشة رضی اللہ تعالٰی عنہا قالت خرجت سودة بعد ما ضرب الحجاب لحاجتہا (الٰی قولہا) فقالت یا رسول اللہ انی خرجت لبعض حاجتی فقال لی عمر کذا وکذا قالت فاوحی اللہ الیہ فقال انہ قد اذن لکن ان تخرجن لحاجتکن، رواہ البخاری۔

(۱۹) قالت امرأة یا رسول اللہ احدانا لیس لہا جلباب قال لتلبسہا صاحبتہا من جلبابہا، رواہ البخاری ومسلم۔

(۲۰) عن ام عطیة رضی اللہ تعالٰی عنہا قالت امرنا ان نخرج الحیض یوم العیدین وذوات الخدور، رواہ البخاری ومسلم۔

(۲۱) عن قیس بن شماس رضی اللہ تعالٰی عنہ قال جاءت امرأة الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقال لہا ام خلاد وہی متنقبة، رواہ ابوداؤد۔

(۲۲) عن عائشة رضی اللہ تعالٰی عنہا قالت بینما رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جالس فی المسجد اذ دخلت امرأة من مزینة ترفل فی زینة لہا فی المسجد فقال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایہا الناس انہوا نساءکم عن لبس الزینة والتبختر فی المسجد فان بنی اسرائیل لم یلعنوا حتّٰی لبس نساءہم الزینة وتبختروا فی المساجد، رواہ ابن ماجة۔

چہرے کی زینت لباس کی زینت سے بدرجہا زیادہ خطرناک ہے۔

(۲۳) عن ابی موسٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایما امرأة استعطرت فمرت علی قوم لیجدوا ریحہا فہی زانیة وکل عین زانیة، رواہ النسائی وابن خزیمة وابن حبان والحاکم (ترغیب ترہیب)

عطر کی خوشبو سے چہرے کی جھلک میں کئی گنا زیادہ کشش ہے۔

(۲۴) عن ابی ہریرة رضی اللہ تعالٰی عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ ولکن لیخرجن وہن تفلات، رواہ ابوداؤد والترمذی۔

نماز کے لئے مسجد میں حاضری کے وقت بھی صاف ستھرا لباس پہن کر نکلنے سے ممانعت ہے تو چہرہ کھولنا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟

(۲۵) عن الحسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرسلا قال ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال لعن اللہ الناظر والمنظور الیہ، رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

(۲۶) عن عقبۃ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایاکم والدخول علی النساء فقال رجل یا رسول اللہ أرأیت الحمو قال الحمو الموت، رواہ البخاری ومسلم۔

(۲۷) عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال لایخلون رجل بامرأۃ الاکان ثالثھما الشیطان، رواہ الترمذی۔

(۲۸) عن ام سلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حین ذکر الازار فالمرأۃ یا رسول اللہ قال ترخی شبرا فقالت اذا تنکشف اقدامھن قال فیرخین ذراعا، رواہ ابوداؤد۔

پاؤں ظاہر کرنا جائز نہیں تو چہرہ کے ستر کا حکم کس قدر مؤکد ہوگا۔

(۲۹) عن عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رفعہ ثلاثۃ لایدخلون الجنۃ ابدا الدیوث والرجلۃ من النساء ومدمن الخمر قالوا فما الدیوث قال الذی لایبالی من دخل علی اھلہ، رواہ الطبرانی فی الکبیر۔

(۳۰) عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال نھی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان یمشی الرجل بین المرأتین، رواہ ابوداؤد۔

(۳۱) عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فی قصۃ طویلۃ فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ھولک یا عبد بن زمعۃ الولد للفراش وللعاھر الحجر ثم قال لسودۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا احتجبی منہ لما رأی من شبھہ بعتبۃ فما رأھا حتی لقی اللہ، رواہ البخاری ومسلم۔

یہ شخص قانون شرع کے مطابق حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا محرم تھا، اسکے باوجود اس سے پردہ کا حکم فرمایا۔

(۳۲) عن ام سلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا کان لاحداکن مکاتب وکان عندہ ما یؤدی فلتحتجب منہ، رواہ الخمسۃ الا النسائی وصححہ الترمذی۔

(۳۳) عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا تنتقب المرأۃ المحرمۃ ولا تلبس القفازین، رواہ البخاری۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عورتیں عام حالات میں چہرہ پر نقاب ڈالکر نکلتی تھیں، احرام میں نقاب سے منع فرمایا گیا تو سر سے چادر لٹکا کر غیر محارم سے چہرہ چھپاتی تھیں، کما فی الاحادیث الآتیۃ۔

(۳۴) عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت کان الرکبان یمرون بنا ونحن محرمات مع الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فاذا جاؤونا سدلت احدانا جلبابہا علی وجہہا من رأسہا، فاذا جاوزنا کشفناہ، رواہ احمد وابو داؤد وابن ماجۃ۔

(۳۵) عن اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قالت کنا نغطی وجوہنا من الرجال وکنا نمتشط قبل ذٰلک فی الاحرام، ھذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاہ، رواہ الحاکم۔

اس سے ثابت ہوا کہ ضرورت احرام سے بھی غیر محرم کے سامنے چہرہ کھولنا جائز نہیں۔

(۳۶) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ کتب علی ابن آدم حظہ من الزنا ادرک ذٰلک لامحالۃ فزنا العین النظر، الحدیث، رواہ البخاری ومسلم۔

جب دیکھنا حرام ہے تو چہرہ کھولنا بھی حرام ہوا، لان المفضی الی الحرام حرام۔

(۳۷) عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن نظر الفجاءۃ فامرنی ان اصرف بصری، رواہ مسلم۔

(۳۸) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کنت عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاتاہ رجل فاخبرہ انہ تزوج امرأۃ من الانصار فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انظرت الیہا قال لا قال فاذھب فانظر الیہا فان فی اعین الانصار شیئا، رواہ مسلم

قال الحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ قال الجمہور لا بأس ان ینظر الخاطب الی المخطوبۃ قالوا ولا ینظر الی غیر وجہہا وکفیہا (فتح الباری ص ۱۵۷ ج ۹)

اس سے ثابت ہوا کہ غیر خاطب کے لئے چہرہ اور ہتھیلی دیکھنا جائز نہیں۔

قرآن و حدیث کی نصوص مذکورہ کے باوجود جس شخص کو وجوب حجاب میں ادنیٰ سا بھی تأمل ہو اس کے قلب میں ذرّہ برابر بھی فکرِ آخرت نہیں ہوسکتی۔

دلائل ملحدین :

دلیل اوّل :

اخرج الامام البیھقی رحمہ اللہ تعالیٰ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما قال ولا یبدین زینتھنّ الاما ظھر منھا قال ما فی الکف والوجہ (السنن الکبریٰ ص ۲۲۵ ج ۲، ص ۹۴ ج ۷)

جواب :

یہ تفسیر حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے علاوہ حضرت ابن عمر، حضرت انس، حضرت عائشہ اور حضرت مسور ابن مخرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی مروی ہے۔ اس تفسیر کا ظاہر قرآن و حدیث کی نصوص صریحہ کے خلاف ہونے کے علاوہ خلافِ عقل بھی ہے کیونکہ سب سے بڑی زینت اور سب سے زیادہ جاذبِ نظر و محل فتنہ چہرہ ہی ہے۔ اس لئے اس تفسیر کے مختلف محمل بیان کئے گئے ہیں :

محمل اوّل :

اس تفسیر کی تعبیر تین طرح منقول ہے :

(۱) اس کا تعلق لا یبدین زینتھنّ سے ہونا مصرح ہے۔ یعنی یہاں اس زینت کی تفسیر مقصود ہے جس کا ابداء جائز نہیں۔

(۲) لا یبدین زینتھنّ الاما ظھر منھا کے بعد یہ تفسیر ذکر کی گئی ہے، اس کا تعلق لا یبدین سے بھی ہوسکتا ہے اور ما ظھر سے بھی، لہٰذا اس میں دونوں احتمال ہیں کہ وہ زینت مراد ہے جس کا ابداء ناجائز ہے یا وہ جس کا اظہار جائز ہے۔

(۳) زینت ظاہرہ سے تعلق کی تصریح۔

ان اقسام ثلاثہ سے متعلق روایات یہ ہیں :

روایت قسم اوّل :

حدثنا زیاد بن الربیع عن صالح الدھان عن جابر بن زید عن ابن

عباس رضی اللہ تعالی عنہما ولا یبدین زینتہن، قال الکف ورقعۃ الوجہ (مصنف ابن ابی شیبۃ ص ۲۸۳ ج ۴)

روایات قسم ثانی:

(۱) حفص عن عبداللہ بن مسلم عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما ولا یبدین زینتہن الا ما ظہر منہا، قال: وجہہا وکفہا (مصنف ابن ابی شیبۃ ص ۲۸۴ ج ۴)

(۲) حدثنا ابوکریب قال ثنا مروان قال ثنا مسلم الملائی عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما ولا یبدین زینتہن الا ما ظہر منہا قال الکحل والخاتم (جامع البیان ص ۹۳ ج ۱۸)

(۳) قال الاعمش عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما ولا یبدین زینتہن الا ما ظہر منہا، قال وجہہا وکفیہا والخاتم (تفسیر ابن کثیر ص ۲۸۳ ج ۳)

(۴) وروی عن ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما نحو ذلک (تفسیر ابن کثیر ص ۲۸۳ ج ۳)

(۵) اخبرنا ابوعبداللہ الحافظ وابوسعید بن ابی عمرو قالا ثنا ابوالعباس محمد بن یعقوب ثنا احمد بن عبدالجبار ثنا حفص بن غیاث عن عبداللہ ابن مسلم بن ہرمز عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما قال ولا یبدین زینتہن الا ما ظہر منہا قال ما فی الکف والوجہ، (البیہقی ص ۲۲۵ ج ۲)

(۶) اخبرنا ابوعبداللہ وابوسعید قال ثنا ابوالعباس محمد بن یعقوب ثنا محمد بن اسحاق انبأنا جعفر بن عون انبأنا مسلم الملائی عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما فی قولہ ولا یبدین زینتہن الآیۃ قال الکحل والخاتم (البیہقی ص ۲۲۵ ج ۲)

(۷) اخبرنا ابوطاہر الفقیہ انبأنا ابوبکر القطان ثنا ابوالازہر ثنا روح ثنا حاتم ہو ابن ابی صغیرۃ انبأنا خصیف عن عکرمۃ عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما فی قولہ ولا یبدین زینتہن الا ما ظہر منہا قال الکحل والخاتم (البیہقی ص ۲۲۵ ج ۲)

(۸) وروینا عن انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ مثل ہذا (البیہقی ص ۲۲۵ ج ۲)

(۹) اخبرنا ابو زکریا بن ابی اسحاق انبأنا ابو عبداللہ محمد بن یعقوب ثنا ابو احمد محمد بن عبد الوہاب انبأنا جعفر بن عون انبأنا مسلم الملائی عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ولا یبدین زینتہن الا ما ظہر منہا قال الکحل والخاتم (البیہقی ص ۸۵ ج ۷)

(۱۰) اخرج ابن المنذر عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی قولہ ولا یبدین زینتہن الا ما ظہر منہا قال الکحل والخاتم (الدر المنثور ص ۴۱ ج ۵)

روایات قسم ثالث:

(۱) حدثنا ابن حمید قال ثنا ھٰرون عن ابی عبد اللہ نہشل عن الضحاک عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال الظاہر منہا الکحل والخدان (جامع البیان ص ۹۳ ج ۱۸)

(۲) حدثنی علی قال ثنا عبد اللہ قال ثنا معاویۃ عن علی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قولہ ولا یبدین زینتہن الا ما ظہر منہا قال والزینۃ الظاہرۃ الوجہ وکحل العین وخضاب الکف والخاتم فہذہ تظہر فی بیتہا لمن دخل من الناس علیہا (جامع البیان ص ۹۳ ج ۱۸)

(۳) اخبرنا ابو زکریا یحیی بن ابراھیم بن محمد بن یحییٰ المزکی انبأنا ابوالحسن احمد بن محمد بن عبدوس ثنا عثمان بن سعید الدارمی ثنا عبد اللہ بن صالح عن معاویۃ بن صالح عن علی بن ابی طلحۃ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فی قولہ جل ثناؤہ (ولا یبدین زینتہن الا ما ظہر منہا) والزینۃ الظاہرۃ الوجہ وکحل العین وخضاب الکف والخاتم فہذا تظہر فی بیتہا لمن دخل علیہا (البیہقی ص ۹۴ ج ۷)

(۴) شبابۃ بن سوار قال نا ہشام بن الغاز قال نا نافع قال ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما الزینۃ الظاہرۃ الوجہ والکفان (مصنف ابن ابی شیبۃ ص ۲۸۴ ج ۴)

(۵) اخبرنا ابو عبد اللہ انبأنا عبد الرحمن بن الحسن القاضی ثنا ابراھیم بن الحسین ثنا آدم بن ابی ایاس ثنا عقبۃ بن الاصم عن عطاء بن ابی رباح عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت ما ظہر منہا الوجہ والکفان (البیہقی ص ۲۲۶ ج ۲)

(۶) حدثنا الحسن قال اخبرنا عبد الرزاق قال اخبرنا معمر عن الزہری

عن رجل عن المسور بن مخرمة رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی قولہ الا ما ظہر منہا قال القلبین والخاتم والکحل (جامع البیان ص ۹۳ ج ۱۸)

قرآن و حدیث کی نصوص اور دلائل عقلیہ سے ثابت ہوتا ہے کہ قسم اوّل کی روایت اصل ہے اور قسم ثانی و ثالث کی روایات تصرفِ رواۃ ہے، قال الامام ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ وقال الاعمش عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما (ولا یبدین زینتہن الا ما ظہر منہا) قال وجہہا وکفیہا والخاتم، وروی عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما وعطاء وعکرمۃ وسعید بن جبیر وابی الشعثاء والضحاک وابراھیم النخعی وغیرھم رحمہم اللہ تعالیٰ نحو ذلک، وھذا یحتمل ان یکون تفسیرًا للزینۃ التی نہین عن ابدائہا کما قال ابو اسحٰق السبیعی عن ابی الاحوص عن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال (ولا یبدین زینتہنّ) الزینۃ القرط والدملوج والخلخال والقلادۃ، وفی روایۃ عنہ بھذا الاسناد قال الزینۃ زینتان فزینۃ لا یراھا الا الزوج الخاتم والسوار وزینۃ یراھا الاجانب وھی الظاھر من الثیاب، وقال الزھری لا یبدو لھٰؤلاء الذین سمی اللہ ممن لا تحل لہ الا الاسورۃ والاخمرۃ والاقرطۃ من غیر حسر واما عامۃ الناس فلا یبدو منہا الا الخواتم، وقال مالک عن الزھری (الا ما ظہر منہا) الخاتم والخلخال (تفسیر ابن کثیر ص ۲۸۳ ج ۳)

امام ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحقیق مذکور میں قسم ثالث کی روایت کو بھی قسم اول پر محمول فرمایا ہے حالانکہ اس میں ما ظہر منہا کی تصریح ہے، تو قسم ثانی جس میں عدم ابداء اور ظہور دونوں مذکور ہیں بطریق اولیٰ قسم اول پر محمول ہوگی۔ یعنی اس تفسیر کا ما ظہر منہا کے ساتھ جوڑ لگانا تصرف رواۃ ہے جو غلط فہمی پر مبنی ہے، اختلاط رواۃ کی چند واضح مثالیں ملاحظہ ہوں:

① قال الامام السیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ اخرج سعید بن منصور وابن جریر وعبد ابن حمید وابن المنذر والبیہقی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ولا یبدین زینتہن الا ما ظہر منہا قال الکحل والخاتم والقرط والقلادۃ (الدر المنثور ص ۴۱ ج ۵)

اس میں القرط والقلادۃ کو بھی ولا یبدین زینتہن الا ما ظہر منہا کی تفسیر

میں ذکر کر دیا ہے حالانکہ ابن جریر و بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے قرط وقلادۃ کو ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن الآیۃ کی تفسیر میں نقل فرمایا ہے۔

(۲) وقال رحمہ اللہ تعالیٰ اخرج ابن شیبۃ وعبد بن حمید وابن ابی حاتم عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فی قولہ تعالیٰ الا ما ظھر منھا قال وجھھا وکفاھا والخاتم (الدر المنثور ص ۴۱ ج ۵)

اس میں قسم ثالث کے الفاظ ہیں، حالانکہ مصنف ابن شیبہ میں اس روایت میں قسم ثانی کے الفاظ مذکور ہیں۔ روایات قسم ثانی کے تحت نمبر۱ ملاحظہ ہو۔

(۳) وقال رحمہ اللہ تعالیٰ اخرج ابن ابی شیبۃ وعبد بن حمید وابن ابی حاتم عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فی قولہ تعالیٰ الا ما ظھر منھا قال رقعۃ الوجہ و باطن الکف (الدر المنثور ص ۴۱ ج ۵)

اس میں بھی قسم ثالث کے الفاظ ہیں۔ جبکہ مصنف ابن ابی شیبہ میں اس روایت میں قسم اول کے الفاظ منقول ہیں۔ روایت قسم اول کے تحت مصنف ابن ابی شیبہ کی پوری روایت لکھی جا چکی۔

ان تینوں روایات میں جن کتابوں کا حوالہ دیا گیا ہے ان میں سے مصنف ابن ابی شیبہ تفسیر ابن جریر اور بیہقی کے مراجعہ سے اختلاط منکشف ہوا، بقیہ کتابیں موجود نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمل ثانی:

اس تفسیر میں اباحتِ اظہار کا بیان نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ ظہور بلا اظہار پر مؤاخذہ نہیں، یعنی کسی وقت بلا قصد ظہور ہو گیا تو گناہ نہیں۔ یہ مطلب خود حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ثابت ہے، چنانچہ روایات قسم ثالث کے نمبر۲ اور نمبر۳ میں یہ وضاحت ہے فھذا تظھرہ فی بیتھا لمن دخل علیھا۔ اور گھر سے باہر نکلنے کے بارے میں آپ کا ارشاد ہے کہ راستہ دیکھنے کی ضرورت سے صرف ایک آنکھ کھولنے کی اجازت ہے، وستأتی ھذہ الروایۃ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

لفظ تظھر سے اگرچہ بظاہر اظہار بالقصد کی اجازت معلوم ہوتی ہے مگر غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ اس سے ظہور بلا قصد مراد ہے، اس لئے کہ گھر اور باہر میں سوائے

اس کے اور کوئی فرق معقول نہیں کہ گھر میں کام کاج کی ضرورت ہوتی ہے، اس حالت میں ظہور بلا قصد سے احتراز بہت مشکل ہے۔ اس لئے اس کی اجازت دیدی۔ اس حقیقت کے پیش نظر تظہر کے معنی یہ ہوئے کہ اہتمام اخفاء میں بہت زیادہ کاوش نہ کرے۔

تقریر مذکور کے سوا گھر اور باہر میں فرق کی کوئی اور توجیہ ہو ہی نہیں سکتی، بلکہ شرعًا، عقلاً، تجربۃً ہر لحاظ سے باہر کی بنسبت گھر میں آنے والوں سے زیادہ پردہ ہونا چاہئے، اس لئے کہ قرب، اختلاط اور نظر کے ادامہ وتکرار میں سہولت کی وجہ سے ان سے زیادہ خطرہ ہے۔

محمل ثالث:

یہ تفسیر قبل نزول الحجاب ہے، قاله الامام ابن تیمیۃ رحمه الله تعالیٰ ولکن یأباه ما فی اٰخر هٰذه الاٰیة من قوله تعالیٰ ولا یضربن بارجلهن لیعلم ما یخفین من زینتهن۔

محمل رابع:

اس سے یہ مقصد نہیں کہ غیر کے سامنے چہرہ کھولنا جائز ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ نظرِ غیر سے قطع نظر فی نفسہ چہرے اور ہاتھوں کے سوا عورت کا پورا بدن ستر میں داخل ہے، اسی لئے نماز میں چہرے اور ہاتھوں کے سوا پورا بدن ڈھانکنا فرض ہے۔

ابطالِ زعم ملحدین:

تفسیر زیر بحث کے بارے میں ملحدین کا خیال بوجوہِ ذیل باطل ہے:

(۱) نصوصِ قرآن و حدیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تفسیر کے خلاف ہے، آپ کی تفسیر متعدد اسانید قویہ سے مروی ہے جو درج ذیل ہیں:

(۱) اخبرنی عبد الله بن محمد الصیدلانی ثنا اسمٰعیل بن قتیبة ثنا ابوبکر ابن ابی شیبة ثنا شریك عن ابی اسحٰق عن ابی الاحوص عن عبد الله رضی الله تعالیٰ عنه ولا یبدین زینتهن قال لا خلخال ولا شنف ولا قرط ولا قلادة، الا ما ظهر منها، قال الثیاب۔ هذا حدیث صحیح علیٰ شرط مسلم ولم

یخرجاہ (المستدرک مع التلخیص ص ۳۹۷ ج ۲)

(۲) حدثنا وکیع عن سفیان عن ابی اسحٰق عن ابی الاحوص عن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا، قال الثیاب (مصنف ابن ابی شیبۃ ص ۲۸۳ ج ۴)

(۳) ابوخالد الاحمر عن حجاج عن ابی اسحٰق عن ابی الاحوص عن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال الزینۃ زینتان زینۃ ظاھرۃ و زینۃ باطنۃ لا یراھا الا الزوج، فامّا الزینۃ الظاھرۃ فالثیاب واما الزینۃ الباطنۃ فالکحل والسوار والخاتم۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ ص ۲۸۴ ج ۴)

(۴) حدثنا ابن حمید قال ثنا ھارون بن المغیرۃ عن الحجاج عن ابی اسحٰق عن ابی الاحوص عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال الزینۃ زینتان فالظاھرۃ منھا الثیاب وما خفی الخلخالان والقرطان والسواران (جامع البیان ص ۹۲ ج ۱۸)

(۵) اخرج السیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ مثلہ عن ابن المنذر ایضاً (الدر المنثور ص ۴۱ ج ۵)

(۶) حدثنی یونس قال اخبرنا ابن وھب قال اخبرنی الثوری عن ابی اسحٰق الھمدانی عن ابی الاحوص عن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا قال ھی الثیاب (جامع البیان ص ۹۲ ج ۱۸)

(۷) حدثنا ابن المثنی قال ثنا محمد بن جعفر قال ثنا شعبۃ عن ابی اسحٰق عن ابی الاحوص عن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا قال الثیاب (جامع البیان ص ۹۲ ج ۱۸)

(۸) حدثنا ابن بشار قال ثنا عبد الرحمٰن قال ثنا سفیان عن ابی اسحٰق عن ابی الاحوص عن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مثلہ (جامع البیان ص ۹۲ ج ۱۸)

(۹) حدثنا سفیان عن الاعمش عن مالک بن الحارث عن عبد الرحمٰن بن زید عن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مثلہ (جامع البیان ص ۹۲ ج ۱۸)

(۱۰) حدثنا الحسن قال اخبرنا عبد الرزاق قال اخبرنا معمر عن ابی اسحٰق عن ابی الاحوص عن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ الا ما ظھر منھا قال الثیاب

قال ابو اسحٰق الا ترى انه قال خذوا زينتكم عند كل مسجد (جامع البیان ص ۹۳ ج ۱۸)

(۱۱) حدثنا القاسم قال ثنا الحسين قال ثنا حجاج قال ثنا محمد بن الفضل عن الاعمش عن مالك بن الحارث عن عبد الرحمٰن بن زيد عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ الا ما ظهر منها قال هو الرداء (جامع البیان ص ۹۳ ج ۱۸)

(۱۲) اخرج عبد الرزاق والفریابی وسعید بن منصور وابن ابی شیبۃ وعبد بن حمید وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم والطبرانی والحاکم وصححه وابن مردویه عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی قوله تعالیٰ ولا يبدين زينتهن قال الزينة السوار والدملج والخلخال والقرط والقلادة، الا ما ظهر منها قال الثياب والجلباب (الدر المنثور ص ۴۱ ج ۵)

(۳) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تفسیر کے خلاف ہے، جس کی متعدد اسانید قویہ درج ذیل ہیں:

(۱) وكيع عن حماد بن سلمة عن ام شبيب عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها قالت القلب والفتخة (مصنف ابن ابی شیبۃ ص ۲۸۳ ج ۴)

(۲) حدثنا القاسم قال ثنا الحسين قال ثنى حجاج عن ابن جريج قال ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما قوله ولا يبدين زينتهن الا ما ظهر منها قال الخاتم والمسكة، قال ابن جريج وقالت عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها القلب والفتخة (جامع البیان ص ۹۳ ج ۱۸)

(۳) اخرج السيوطی رحمہ اللہ تعالیٰ مثله عن ابن سنيد ايضاً (الدر المنثور ص ۴۲ ج ۵)

(۴) اخبرنا ابو طاهر الفقيه انبأنا ابو بكر القطان انبأنا ابو الازهر ثنا روح ثنا حماد حدثتنا ام شبيب قالت سألت عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها عن الزينة الظاهرة فقالت القلب والفتخة وضمت طرف كمها (البیہقی ص ۸۶ ج ۷)

(۵) اخرج السيوطی رحمہ اللہ تعالیٰ مثله عن عبد بن حميد وابن المنذر ايضا (الدر المنثور ص ۴۱ ج ۵)

(۴) خود حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اس تفسیر کے خلاف ہے جو سورۂ احزاب کی آیت يايها النبی قل لازواجك وبنٰتك ونساء المؤمنين يدنين

علیہن من جلابیبہن کے تحت مندرجۂ ذیل متعدد اسانید سے مروی ہے :

① حدثنی علی قال ثنا ابوصالح قال ثنی معاویۃ عن علی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما قولہ یاایہا النبی قل لازواجک وبنٰتک ونساء المؤمنین یدنین علیہن من جلابیبہن امر اللہ نساء المؤمنین اذا خرجن من بیوتہن ان یغطین وجوھہن من فوق رؤوسہن بالجلابیب ویبدین عینا واحدۃ (جامع البیان ص ۳۳ ج ۲۲)

② اخرج السیوطی رحمہ اللہ تعالٰی مثلہ عن ابن ابی حاتم وابن مردویہ ایضا (الدر المنثور ص ۲۲۱ ج ۵)

⑤ اسی آیت زیر بحث ولا یبدین زینتہن الا ما ظہر منہا کے تحت خود حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کی ایک تفسیر کے خلاف ہے جو مندرجہ ذیل متعدد اسانید سے مروی ہے :

① حدثنا القاسم قال ثنا الحسین قال ثنی حجاج عن ابن جریج قال قال ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما قولہ ولا یبدین زینتہن الا ما ظہر منہا قال الخاتم والمسکۃ (جامع البیان ص ۹۳ ج ۱۸)

② وفی روایۃ اخری عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما وعطاء باطن الکف (البیہقی ص ۸۵ ج ۷)

③ اخرج عبد الرزاق وعبد بن حمید عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما فی قولہ الا ما ظہر منہا قال ھو خضاب الکف والخاتم (الدر المنثور ص ۴۱ ج ۵)

دلیل ثانی :

عن عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا ان اسماء بنت ابی بکر دخلت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعلیہا ثیاب رقاق فاعرض عنہا وقال یا اسماء ان المرأۃ اذا بلغت سن المحیض لم یصلح ان یری منہا الا ھذا وھذا واشار الی وجہہ وکفیہ ۔ رواہ ابو داؤد ۔

جوابات :

① یہ حدیث منقطع ہے ، کما قال ابو داؤد نفسہ ھذا مرسل خالد بن دریک

لم یدرك عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا (ابوداؤد ص ۲۱۵ ج ۲)
وقال الامام ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ قال ابوداؤد وابوحاتم الرازی ھو مرسل خالد بن دریك لم یسمع من عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا (تفسیر ابن کثیر ص ۲۸۳ ج ۳)
وقال الحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ انہ لم یدرك عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا (تھذیب التھذیب ص ۸۷ ج ۳)

(۲) اس کی سند میں سعید بن بشیر ہے جو بہت ضعیف اور منکر الحدیث ہے۔ راجع میزان الاعتدال والکامل لابن عدی و دیوان الضعفاء والمتروکین للامام الذھبی وکتاب الضعفاء للعقیلی وکتاب الضعفاء لابن الجوزی وکتاب المجروحین لابن حبان وکتاب الضعفاء للنسائی والتاریخ الکبیر للامام البخاری والجرح والتعدیل لابن ابی حاتم الرازی وغیرھا من کتب الرجال۔

(۳) اس کی سند میں اضطراب ہے، وذکر الحافظ ابوبکر احمد الجرجانی ھذا الحدیث وقال لا اعلم رواہ عن قتادة غیر سعید بن بشیر وقال مرة فیہ عن خالد بن دریك عن ام سلمة بدل عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا (عون المعبود ص ۱۶۲ ج ۱۱)

(۴) معلول ہونے کی وجہ سے قابل قبول نہیں، اس لئے کہ بوقت ہجرت حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر ستائیس سال تھی، اس عمر میں ان کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایسے باریک لباس میں آنا کہ چہرے کے علاوہ دوسرے اعضاء بھی نظر آرہے ہوں کسی طرح بھی معقول نہیں۔

(۵) اسے قبل الحجاب پر محمول کیا جاسکتا ہے۔

دلیل ثالث:

قالت عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا دخلت علی ابنة اخی لامی عبد اللہ بن الطفیل مزینة فدخل النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاعرض عنہا فقالت عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا یا رسول اللہ انہا ابنة اخی وجاریة فقال اذا عرکت المرأة لم یحل لہا ان تظہر الا وجہہا والا ما دون ھذا وقبض علی ذراع نفسہ فترك بین قبضتہ وبین الکف مثل قبضة اخری (تفسیر ابن جریر ص ۹۳ ج ۱۸)

جوابات :

① منقطع ہے، کیونکہ عبدالملک بن جریج نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا زمانہ نہیں پایا۔ (تہذیب التہذیب، وجامع التحصیل)

② عبدالملک بن جریج مدلس ہے، تدلیس بھی ایسی کرتا ہے جو تدلیس کی سب اقسام سے بدترین ہے، قال الامام الدارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ تجنب تدلیس ابن جریج فانہ قبیح التدلیس لایدلس الافیما سمعہ من مجروح (تہذیب التہذیب)

③ اس حدیث کی سند میں الحسین بن داؤد ضعیف ہے (تقریب التہذیب، میزان الاعتدال)

④ حجاج بن محمد الاعور بھی ضعیف ہے (تقریب التہذیب، میزان الاعتدال)

⑤ قبل الحجاب پر محمول کیا جا سکتا ہے۔

دلیل رابع :

عن عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال کان الفضل ردیف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فجاءت امرأۃ من خثعم فجعل الفضل ینظر الیہا وتنظر الیہ فجعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصرف وجہ الفضل الی الشق الآخر الحدیث، رواہ البخاری ومسلم۔

جوابات :

① حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت فضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زبان سے منع کرنے کی بجائے ہاتھ سے چہرے کو دوسری جانب پھیرنا وجوب حجاب الوجہ پر واضح دلیل ہے اس قدر شدت فرمانے سے ثابت ہوتا ہے کہ اس عورت کو بھی حجاب الوجہ کا حکم فرمایا ہوگا، عدم نقل الامر عدم الامر کو مستلزم نہیں۔

بالفرض مستقلاً عدم الامر تسلیم بھی کر لیا جائے تو صرف وجہ الفضل میں ضمناً امر حجاب الوجہ کی اسقدر تاکید ثابت ہو رہی ہے کہ اس کے بعد مستقلاً امر کی حاجت نہیں رہتی۔ فالحدیث دلیل علی الملحدین لالھم، وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔

② بعض نے جواب دیا ہے کہ یہ عورت محرمہ تھی۔

یہ اس لئے صحیح نہیں کہ محرمہ کے لئے بھی غیر محرم کے سامنے چہرہ کھولنا جائز نہیں، کما قدمنا من الاحادیث الصحیحۃ الصریحۃ۔

③ بعض کا خیال ہے کہ یہ نظر الخاطب کے قبیل سے ہے، لروایۃ اخرجہ الحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ عن الفضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال کنت ردف النبی صلی اللہ علیہ وسلم واعرابی معہ بنت لہ حسناء فجعل الاعرابی یعرضہا لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجاء ان یتزوجہا وجعلت التفت الیہا ویأخذ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم برأسی فیلویہ فکان یلبی حتی رمی جمرۃ العقبۃ فعلی ھذا فقولہ لشابۃ ان ابی لعلہا ارادت بہ جدھا لان اباھا کان معہا وکأنہ امرھا ان تسأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیسمع کلامہا و یراھا رجاء ان یتزوجہا (فتح الباری ص ۵۸ ج ۴)

یہ جواب بوجوہ ذیل صحیح نہیں:

① خاطب کے لئے نظر اس صورت میں جائز ہے کہ جانبین خطبہ کی طرف مائل ہو چکے ہوں، یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا میلان نہیں تھا۔

② صرف خاطب کے سامنے چہرہ کھولنا جائز ہے، حضرت فضل رضی اللہ عنہ خاطب نہ تھے۔

دلیل خامس:

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال شہدت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی یوم العید فبدأ بالصلوٰۃ قبل الخطبۃ (الی ان قال) ثم مضی الی النساء ومعہ بلال فامرھن بتقوی اللہ تعالیٰ و حمد اللہ واثنی علیہ وحثھن علی طاعتہ ثم قال صلی اللہ علیہ وسلم تصدقن فان اکثرکن حطب جھنم فقالت امرأۃ من سفلۃ النساء سفعاء الخدین لم یا رسول اللہ، الحدیث، رواہ مسلم والنسائی واحمد والدارمی وابن ابی شیبۃ وفی روایۃ لابن ابی شیبۃ لیست من علیۃ الناس۔ سفعاء الخدین سے کشف الوجہ پر استدلال کیا جاتا ہے۔

جوابات:

① سفعاء الخدین سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ عورت القواعد من النساء میں سے تھی جن کے لئے کشف الوجہ جائز ہے، قال الامام ابن الاثیر رحمہ اللہ تعالیٰ السفعۃ نوع من السواد لیس بالکثیر وقیل ھو سواد مع لون اٰخر اراد انہا بذلت نفسہا وترکت الزینۃ والترفہ حتی شحب لونہا واسوادّ اقامۃً علی ولدھا بعد وفاۃ زوجہا (نہایۃ ص ۳۷۴ ج ۲)

② ممکن ہے کہ یہ عورت لونڈی ہو جیسا کہ من سفلۃ النساء سے معلوم ہوتا ہے۔

③ قبل الحجاب پر محمول کیا جاسکتا ہے۔

بعض حضرات نے ادلۃ الملحدین کے جواب میں مندرجۂ ذیل کلیات بھی بیان فرمائے ہیں۔

① ادلۃ المنع قوی ہیں، ادلۃ الجواز ان کا مقابلہ نہیں کرسکتیں۔

② بوقت تعارض محرم کو ترجیح ہوتی ہے۔

③ ادلۃ الجواز اصل کے مطابق ہیں اور ادلۃ المنع اصل کے خلاف ہیں، اصولاً خلاف اصل کو ترجیح ہے۔ لکونہ مبنیا علی العلم بخلاف الاوّل۔

حقیقت:

یہ کلیات ترجیح اس صورت میں استعمال کئے جاتے ہیں جب ادلۂ جانبین میں بظاہر تعارض نظر آرہا ہو، مسئلہ زیر بحث میں ملحدین کے پاس کوئی ایک دلیل بھی ایسی نہیں جو نصوص قرآن و حدیث کے مقابلہ میں کوئی وزن رکھتی ہو، لہٰذا یہاں رفع تعارض کے کلیات بیان کرنے کا کوئی جواز نہیں۔ واللہ الہادی الیٰ سبیل الرشاد۔

۲۷؍ذوالحجہ سنہ ۱۴۰۸ ہجری
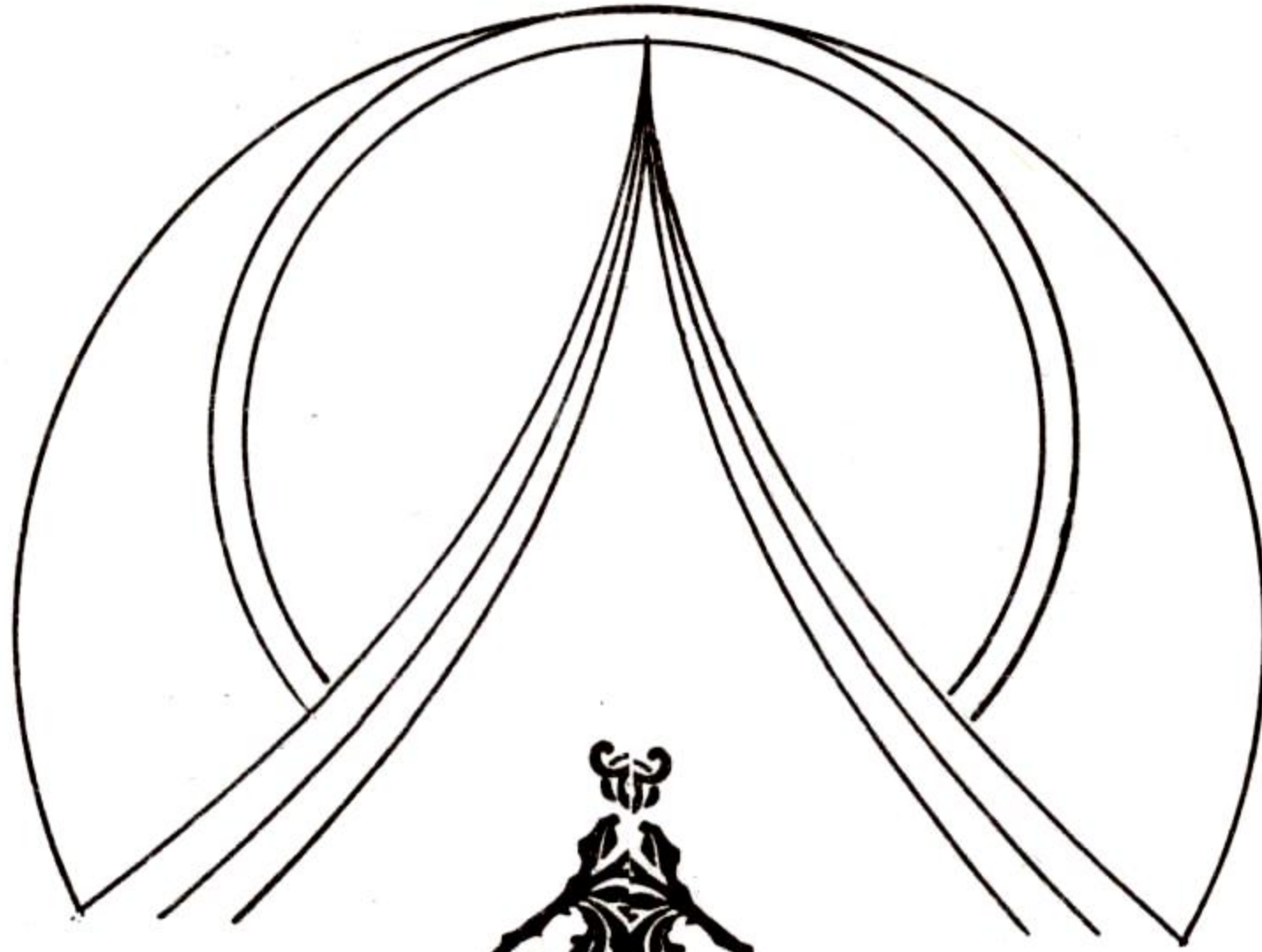
بسم اللہ الرحمن الرحیم
وقرن فی بیوتکن
ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولی
واقمن الصلوٰۃ واٰتین الزکوٰۃ واطعن اللہ ورسولہ
(الاحزاب ۳۳)
اور تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیم زمانۂ جاہلیت کے دستور کے موافق مت پھرو
اور تم نمازوں کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ اور اس کے رسُول کا کہنا مانو۔

المقالة البيضاء

فی

العمامة السوداء

سیاہ عمامہ باندھنے کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عمل کی تحقیق۔

اور

حضرات محدثین وفقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی توجیہات وتحقیقات کی تفصیل اور اقوال مختلفہ میں ترجیح وتطبیق۔

فاروق

المقالة البیضاء
فی
العمامة السوداء
احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم۔
آثار الصحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم
توجیہات المحدثین رحمہم اللہ تعالیٰ۔
اقوال الفقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ۔
اقوال مختلفہ میں صورت ترجیح وتطبیق۔
فاروقی

حکم العمامۃ السوداء

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ عمامۂ سوداء باندھنا سنت ہے، کیا ان کا یہ خیال صحیح ہے؟ اگر سنت ہے تو اس زمانے کے علماء ومشایخ اور صلحاء نے اس سنت کو بالکلیہ کیوں ترک کردیا ہے؟ جواب محقق عنایت فرمائیں۔

الجواب باسم ملهم الصواب

احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم:

① عن عمرو بن حریث عن ابیہ رضی اللہ تعالی عنہما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خطب الناس وعلیہ عمامۃ سوداء (صحیح مسلم ص۴۳۹ ج۱، شمائل الترمذی ص۸، ابن ماجہ ص۲۰۲ مصنف ابن ابی شیبۃ ص۴۲۱ ج۸، مسند ابی یعلی ص۴۲۳ ج۳)

② عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالی عنہما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم دخل یوم فتح مکۃ وعلیہ عمامۃ سوداء (صحیح مسلم ص۴۳۱ ج۱، شمائل الترمذی ص۸، ابن ماجہ ص۲۰۲ مصنف ابن ابی شیبۃ ص۴۲۲ ج۸، شعب الایمان ص۱۷۳ ج۵)

③ عن مساور الوراق قال حدثنی وفی حدیث الحلوانی سمعت جعفر بن عمرو بن حریث عن ابیہ رضی اللہ تعالی عنہما قال کأنی انظر الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی المنبر وعلیہ عمامۃ سوداء قد ارخی طرفیھا بین کتفیہ ولم یقل ابوبکر علی المنبر۔
(صحیح مسلم ص۴۴۰ ج۱، شعب الایمان ص۱۷۳ ج۵)

④ عن عمرو بن حریث قال رأیت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمامۃ سوداء۔
(شمائل الترمذی ص۸)

⑤ عن سفیان بن ابی الفضل عن الحسن رضی اللہ تعالی عنہ قال کانت عمامۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم سوداء (مصنف ابن ابی شیبۃ ص۴۲۲ ج۸)
وکذا اخرجہ ابن سعد (الحاوی للفتاوی ص۷۷ ج۱)

⑥ عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالی عنہما قال کانت عمامۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم سوداء یوم ثنیۃ الحنظل وذلک یوم الخندق (شعب الایمان ص۱۷۳ ج ۸)

⑦ عن مساور الوراق رضی اللہ تعالی عنہ قال وکأنی انظر الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعلیہ عمامۃ سوداء قد ارخی طرفیھا بین کتفیہ (ایضا)

⑧ رواہ ابو معمر الھذلی عن ابی اسامۃ رضی اللہ تعالی عنہ فقال وعلیہ عمامۃ سوداء حرقانیۃ قد ارخی علیہ طرفیھا بین کتفیہ وقال یوم فتح مکۃ (ایضا)

⑨ قال ابن وھب اخبرنی عثمان بن عطاء الخراسانی عن ابیہ ان رجلا اتی ابن عمر رضی اللہ تعالی عنھما وھو فی مسجد منی فسألہ عن ارخاء طرف العمامۃ فقال لہ عبد اللہ رضی اللہ تعالی عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعث سریۃ وامر علیھا عبد الرحمن ابن عوف رضی اللہ تعالی عنہ وعقد لواء فذکر الحدیث الی ان قال: وعلی عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالی عنہ عمامۃ من کرابیس مصبوغۃ بالسواد فدعاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فحل عمامتہ ثم عممہ بیدہ وافضل عمامتہ موضع اربع اصابع او نحو ذلک فقال ھکذا فاعتم فانہ احسن واجمل (شعب الایمان ص۱۷۴ ج ۵)

⑩ عن عبد اللہ بن بسر رضی اللہ تعالی عنہ قال بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ الی خیبر فعممہ بعمامۃ سوداء ثم ارسلھا من ورائہ او قال علی کتفہ الیسری، رواہ الطبرانی۔ (مجمع الزوائد ص۲۶ ج ۵)

⑪ عن سفیان عمن سمع الحسن رضی اللہ تعالی عنہ یقول کانت رأیۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوداء تسمی العقاب وعمامتہ سوداء، رواہ ابن سعد (الحاوی للفتاوی ص۷۷ ج۱)

⑫ عن جابر رضی اللہ تعالی عنہ قال کان للنبی صلی اللہ علیہ وسلم عمامۃ سوداء یلبسھا فی العیدین ویرخیھا خلفہ، رواہ ابن عدی (ایضا)

⑬ عن انس رضی اللہ تعالی عنہ انہ رأی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعتم بعمامۃ سوداء، رواہ ابن عدی (ایضا)

⑭ عن ابی موسی رضی اللہ تعالی عنہ ان جبریل علیہ السلام نزل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعلیہ عمامۃ سوداء قد ارخی ذوابتہ من ورائہ، رواہ الطبرانی (ایضا)

آثار الصحابۃ رضی اللہ تعالی عنھم:

① عن ابی جعفر الانصاری قال رأیت علی علی رضی اللہ تعالی عنہ عمامۃ سوداء

یوم قتل عثمان رضی اللہ تعالی عنہ (مصنف ابن ابی شیبۃ ص۴۲۲ ج ۸)

(۲) عن عمرو بن مروان عن ابیہ قال رأیت علی علی رضی اللہ تعالی عنہ عمامۃ سوداء قدارخی طرفھا من خلفہ (ایضا)

(۳) عن سلمۃ بن وردان قال رأیت علی انس رضی اللہ تعالی عنہ عمامۃ سوداء علی غیر قلنسوۃ وقد ارخاھا من خلفہ نحوا من ذراع (ایضا ص۴۲۳)

(۴) عن عثمان بن ابی ھند قال رأیت علی ابی عبید رضی اللہ تعالی عنہ عمامۃ سوداء (ایضا)

(۵) عن طحان بن ثروان قال رأیت علی عمار رضی اللہ تعالی عنہ عمامۃ سوداء (ایضا)

(۶) عن دینار بن عمرو قال رأیت علی الحسن رضی اللہ تعالی عنہ عمامۃ سوداء (ایضا)

(۷) عن جابر قال اخبرنی من رأی علیا رضی اللہ تعالی عنہ قد اعتم بعمامۃ سوداء قد ارخاھا من بین یدیہ ومن خلفہ (ایضا)

(۸) عن ابی صخرۃ قال رأیت علی عبدالرحمن رضی اللہ تعالی عنہ عمامۃ سوداء (ایضا ص۴۲۴)

(۹) عن عبدالواحد بن ایمن قال رأیت علی ابن الحنفیۃ رضی اللہ تعالی عنہ عمامۃ سوداء (ایضا)

(۱۰) عن سالم قال رأیت علی ابی الدرداء رضی اللہ تعالی عنہ عمامۃ سوداء (ایضا)

(۱۱) عن اسماعیل بن ابی خالد قال رأیت علی الاسود رضی اللہ تعالی عنہ عمامۃ سوداء (ایضا)

(۱۲) عن حرب الخثعمی قال رأیت علی البراء رضی اللہ تعالی عنہ عمامۃ سوداء . (ایضا ص۴۲۵)

(۱۳) عن عطاء قال رأیت علی عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالی عنہ عمامۃ سوداء (ایضا)

(۱۴) عن حسین بن یونس قال رأیت علی عبدالرحمن بن عوف عمامۃ سوداء (ایضا)

(۱۵) عن حسین بن یونس قال رأیت علی واثلۃ رضی اللہ تعالی عنہ عمامۃ سوداء (ایضا)

(۱۶) عن ابی رزین قال خطبنا الحسین بن علی رضی اللہ تعالی عنھما یوم الجمعۃ وعلیہ عمامۃ سوداء (ایضا)

(۱۷) عن سلیمان بن المغیرۃ قال رأیت ابانضرۃ رضی اللہ تعالی عنہ وعلیہ عمامۃ سوداء (ایضا)

(۱۸) عن ابی لؤلؤۃ قال رأیت علی ابن عمر رضی اللہ تعالی عنھما عمامۃ سوداء، رواہ البیھقی۔ (الحاوی للفتاوی ص۷۸ ج ۱)

(۱۹) عن عثیم بن نسطاس قال رأیت سعید بن المسیب رحمہ اللہ تعالی یلبس فی الفطر

والاضحی عمامة سوداء ویلبس علیهما برنساء، رواه ابن سعد (ایضا)

توجیهات المحدثین رحمهم الله تعالی:

قال العلامة النووی رحمه الله تعالی: (قوله وعلیه عمامة سوداء) فیه جواز لباس الثیاب السود وفی الروایة الاخری خطب الناس وعلیه عمامة سوداء فیه جواز لباس الاسود فی الخطبة وان کان الابیض افضل منه کما ثبت فی الحدیث الصحیح خیر ثیابکم البیض واما لباس الخطباء السواد فی حال الخطبة فجائز ولکن الافضل البیاض کما ذکرنا وانما لبس العمامة السوداء فی هذ الحدیث بیاناللجواز والله اعلم (شرح النووی علی صحیح مسلم ص۴۳۹ ج ۱)

قال العلامة العینی رحمه الله تعالی: (قوله بعصابة دسمة) وفی روایة "دسماء" ذکرها فی اللباس وذکر صاحب المطالع دسمة بکسر السین وقال الدسماء السوداء وقیل لونه لون الدسم کالزیت وشبهه من غیران یخالطها شیء من الدسم وقیل متغیرة اللون من الطیب والغالیة وزعم الداؤدی انها علی ظاهرها من عرقه صلی الله علیه وسلم فی المرض وقال ابن درید، الدسمة غبرة فیها سواد۔ (عمدة القاری ص۲۲۸ ج ۶)

قال العلامة الزرقانی رحمه الله تعالی: (وروی الترمذی) وبقیة اصحاب السنن ومسلم کلهم (عن جابر رضی الله تعالی عنه قال دخل النبی صلی الله علیه وسلم مکة یوم الفتح وعلیه عمامة سوداء) بغیر احرام قال الحافظ العراقی اختلفت الفاظ حدیث جابر رضی الله تعالی عنه هذا فی المکان والزمان الذی لبس فیه العمامة السوداء فالمشهور انه یوم الفتح وفی روایة البیهقی یوم ثنیة الحنظل وذلک یوم الحدیبیة ویجاب بأن هذا لیس اضطرابا بل لبسها فی الحدیبیة وفی الفتح معا اذ لامانع من ذلک الا ان الاسناد واحد انتهی وزعم بعضهم ان سوادها لم یکن اصلیا بل لحکایة ما تحتها من المغفر وهو اسود اوکانت متسخة متلوثة ویؤیده ما فی بعض طرق الحدیث الأتی خطب وعلیه عصابة دسماء ورد بأنه خلاف الظاهر بلا دلیل ولا معنی یعضده بل هو منابذ لما ابدوه من حکمة لبسه السواد فی ذلک الیوم (شرح الزرقانی ص۱۰ ج ۵)

قال الملا علی القاری رحمه الله تعالی تحت حدیث عمرو بن حریث: قال ابن حجر وما ذکره الشارح فی السواد اخذه من قول الماوردی فی الاحکام السلطانیة ینبغی للامام ان یلبس السواد لخبر مسلم هذا لکن ضعفه النووی بأن الذی واظب علیه النبی صلی الله علیه وسلم والخلفاء الراشدون انما هو البیاض ثم قال الصحیح انه یلبس البیاض دون السواد

الا ان یغلب علی ظنہ ترتب مفسدۃ علیہ لذلک من جھۃ السلطان او غیرہ و فی الاحیاء فی موضع تبعا لقوت ابی طالب المکی یکرہ لبس السواد وافتی ابن عبدالسلام بأن المواظبۃ علی لبس السواد بدعۃ واول من احدث لبسہ فی الجمع والاعیاد بنوا العباس فی خلافتہم محتجین بأن الرأیۃ التی عقدت لجدھم العباس یوم الفتح والحنین کانت سوداء، قال ابن ھبیرۃ ولأنہ ابعد الالوان من الزینۃ واقربہا الی الزھد فی الدنیا ولھذا یلبسہا العباد والنساک (المرقاۃ ص۲۶۹ ج۳)

وقال ایضا فی شرح الشمائل تحت حدیث جابر رضی اللہ تعالی عنہ: قال میرک وفی روایۃ مسلم بغیر احرام واستدل بعض العلماء بھذا الحدیث علی جواز لبس السواد وان کان البیاض افضل لما سبق من ان خیر ثیابکم البیض وقال الجزری وفیہ اشارۃ الی ان ھذا الدین لا یتغیر کالسواد بخلاف سائر الالوان و فی شرح الزیلعی من علمائنا الحنفیۃ انہ یسن لبس السواد لحدیث فیہ (جمع الوسائل ص۱۶۵ ج۱)

وقال المحدث عبدالرؤف المناوی رحمہ اللہ تعالی تحت حدیث جابر رضی اللہ تعالی عنہ: قال شارح ولم یکن سوادھا اصلیا بل لحکایتھا ما تحتھا من المغفر وھو اسود اوکانت متسخۃ متلونۃ وایدہ البعض بما سیجیئ من قولہ و علیہ عمامۃ دسماء اھ وانت تعلم انہ لا بد فی المصیر لما ذھب الیہ من شاھد اذ ھو خلاف الظاھر مع ان ما رواہ أنفا من بیان وجہ الحکمۃ فی ایثارہ الاسود فی ذلک الیوم واختیارہ علی الابیض وغیرہ متکفل بدفع ما زعمہ ھذا الشارح وقد لبس السواد جمع منھم علی یوم قتل عثمان وغیرہ والحسن فقد کان یخطب فی ثیاب سود وعمامۃ سوداء وابن الزبیر کان یخطب بعمامۃ سوداء وانس وعبداللہ بن جریر وعمار وغیرھم رضی اللہ تعالی عنہم والخلفاء العباسیون باقون علی لبس السواد وکثیر من الخطباء علی المنابر ومستندھم ما سبق من دخول المصطفی صلی اللہ علیہ وسلم مکۃ بعمامۃ سوداء ارخی طرفیھا بین کتفیہ وخطب بھا فتفاءل الناس لذلک فانہ نصر وعز وزعم بعض بنی المعتصم ان تلک العمامۃ التی دخل بھا مکۃ وھبھا صلی اللہ علیہ وسلم لعمہ العباس وبقیت بین الخلفاء یتداولونھا ویجعلونھا علی رأس من تقرر للخلافۃ وسأل الرشید الاوزاعی عن لبس السواد فکرھہ لانہ لا یجلی فیہ العروس ولا یلبی فیہ محرم ولا یکفن فیہ میت والظاھر ان مرادہ غیر العمامۃ قال القرطبی وفی ھذا الحدیث دلیل للمسودۃ غیر انہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن ذلک منہ دائما ولا فی کل لباسہ بل فی العمامۃ خاصۃ لکن اذا امر امام بلبس ذلک وجب و فی شرح الزیلعی یسن لبسہ لخبر فیہ وکیف

ماکان الافضل فی لبسها البیاض وصحۃ لبس المصطفی صلی اللہ علیہ وسلم للسواد ونزول الملائکۃ یوم بدر بعمائم صفر لا یعارضہ لانہ لمقاصد ومصالح اقتضاھا خصوص ذلک المقام کما بینہ بعض العلماء الاعلام فلا ینافی عموم الخبر الصحیح الامر بلبس الابیض وانہ خیر الالوان فی الحیاۃ والممات (شرح المناوی بھامش جمع الوسائل ص۱۶۵ ج ۱)

اقوال فقہاء رحمہم اللہ تعالی:

قال العلامۃ محمد علاء الدین الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: ویستحب الابیض وکذا الاسود لانہ شعار بنی العباس ودخل علیہ الصلوۃ والسلام مکۃ وعلی رأسہ عمامۃ سوداء ولبس الاخضر سنۃ کما فی الشرعۃ (الدر المنتقی بھامش مجمع الانہر ص۵۳۲ ج ۲)

وقال العلامۃ شیخ زادہ رحمہ اللہ تعالی: ویستحب الثوب الابیض والاسود لقولہ علیہ الصلوۃ والسلام ان اللہ یحب الثیاب البیض وانہ خلق الجنۃ بیضاء وقد روی انہ علیہ السلام لبس الجبۃ السوداء والعمامۃ السوداء یوم فتح مکۃ ولا بأس بالازرق وفی الشرعۃ ولبس الاخضر سنۃ۔ (مجمع الانہر ص۵۳۲ ج ۲)

وقال العلامۃ الطحطاوی رحمہ اللہ تعالی: (قولہ وندب لبس السواد) جبۃ او عمامۃ او رداء لحدیث یدل علیہ ذکرہ فی السیر الکبیر والتقیید بالسواد للاحتراز عن لبس الاحمر فانہ مکروہ عند الامام رحمہ اللہ تعالی علی الاصح حموی وتقدم الکلام علیہ فی الحظر واختلف فی لبس الاخضر فقیل لا یلبس لانہ من لباس الشیطان وقال بعضھم یلبس لما روی انس رضی اللہ تعالی عنہ کان احب الالوان الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخضرۃ وثیاب اھل الجنۃ خضر ولبس صلی اللہ علیہ وسلم البرد الاخضر وما قیل انہ من لباس الشیطان لم یصح۔
(حاشیۃ الطحطاوی ص۳۶۲ ج ۴)

وقال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: ولا بأس بسائر الالوان وفی المجتبی والقہستانی وشرح النقایۃ لابی المکارم لا بأس بلبس الثوب الاحمر اھ ومفادہ ان الکراھۃ تنزیھیۃ لکن صرح فی التحفۃ بالحرمۃ فافاد انھا تحریمیۃ وھی المحمل عند الاطلاق قالہ المصنف قلت وللشرنبلالی فیہ رسالۃ نقل فیھا ثمانیۃ اقوال منھا انہا مستحب۔

وقال العلامۃ الرافعی رحمہ اللہ تعالی: (قول المصنف ولا بأس بسائر الالوان) قال الحموی من احکام یوم الجمعۃ فی جامع المضمرات والمشکلات عن فتاوی الحجۃ ویکرہ للرجال

لبس الثیاب الخضر واحب الثیاب الی اللہ تعالی الثیاب البیض اھ۔ (التحریر المختار صـ۳۰ ج ۲)

عمامہ سوداء سے متعلقہ روایات و آثار مذکورہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس بارے میں حضرات محدثین و فقہاء رحمہم اللہ تعالی کے اقوال مختلف ہیں:

(۱) بدعت ہے، یعنی اس کو سنت سمجھنا یا اس پر مداومت کرنا بدعت ہے۔

(۲) بلا تسنن و بدون مواظبت مکروہ ہے، اسی لئے اس کو شادی اور احرام اور کفن میں استعمال نہیں کیا جاتا۔

ان حضرات نے روایات سواد کی مندرجہ ذیل توجیہات فرمائی ہیں:

(۱) غزوات میں عمامہ کی سواد اصلی نہ تھی بلکہ اثر خود تھا، نیچے سے خود کا رنگ نظر آ رہا تھا یا اوپر سے خود کا زنگ۔

(۲) سفر اور غزوات میں گرد و غبار اور پسینے کے اثر سے سیاہی نظر آ رہی تھی۔

(۳) عام حالات میں خوشبو، تیل اور پسینے کی دسومت کو بعض ناظرین نے سواد سے تعبیر کیا۔

(۴) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوات میں سواد کو تفاؤلاً اختیار فرمایا، اس لئے کہ اس پر کوئی دوسرا رنگ غالب نہیں آسکتا۔

(۵) سفر و غزوات میں اختیار سواد کی وجہ یہ تھی کہ گرد و غبار اور پسینے سے عمامہ زیادہ میلا نہ نظر آئے۔

(۳) بلا تسنن و بدون مواظبت بلا کراہت جائز ہے۔

ان حضرات نے روایات سواد کی مذکورہ توجیہاتِ خمسہ کے علاوہ دو توجیہات مزید کی ہیں:

(۶) فعلہ صلی اللہ علیہ وسلم احیانا لبیان الجواز۔

(۷) چونکہ سیاہ رنگ سب الوان سے گھٹیا شمار ہوتا ہے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کبھار تواضعاً استعمال فرمایا ہے۔

(۴) مستحب ہے، اس میں تفصیل ذیل ہے:

(۱) یہ استحباب صرف عمامہ، جبہ اور چادر کے ساتھ مختص ہے، عام لباس میں استحباب سواد کا کوئی ثبوت نہیں، الا ان یقاس علی العمامۃ والجبۃ والرداء۔

(۲) یہ استحباب بیاض کے سوا دوسرے الوان کی بنسبت ہے، بیاض بالاتفاق سواد سے افضل ہے۔

(۳) یہ استحباب شرعی نہیں، بلکہ طبعی تھا اور استحباب بیاض شرعی ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی فضیلت و ترغیب نصاً مروی ہے۔

اخرج الامام الترمذی رحمہ اللہ تعالی عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما قال قال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیکم بالبیاض من الثیاب لیلبسہما احیاؤکم وکفنوا فیہا موتاکم فانہا من خیار ثیابکم۔

وعن سمرۃ بن جندب رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم البسوا البیاض فانہا اطہر واطیب وکفنوا فیہا موتاکم۔

(شمائل الترمذی ص۵)

④ سواد کے استحباب طبعی میں دو احتمال ہیں: لعینہ او للعوارض المذکورۃ، بظاہر یہی راجح معلوم ہوتا ہے۔

الحاصل:

عمامۂ سوداء سنت شرعیہ یا مستحب شرعی نہیں، اس کو مستحب شرعی سمجھنا بدعت ہے، بیاض مستحب شرعی ہے اور بالاتفاق سب الوان سے افضل، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمامۂ سوداء کبھی کبھار مخصوص حالات میں استعمال فرمایا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ استحباب طبعی بوجہ عوارض مذکورہ تھا، وھو الظاہر من اختیار الفحول التوجیہات المذکورۃ۔

وھو محمل ماروی عن بعض الصحابۃ رضی اللہ تعالی عنہم۔

واما تعامل الخلفاء العباسیین لاحتجاجہم بسواد رأیۃ جدہم رضی اللہ تعالی عنہ اولزعمہم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھبہ عمامتہ السوداء التی لبسہا یوم فتح مکۃ فحجتہم داحضۃ عند ربہم وباطل ما کانوا یعملون وتسننہم بذلک بدعۃ احدثوھا فی الدین کما مر عن المرقاۃ۔

قول ثانی میں کراہت سے کراہت تنزیہیہ مراد ہے، اگر اس کو غیر عمامہ وجبہ ورداء پر محمول کیا جائے تو بھی خلاف راجح معلوم ہوتا ہے، ولعلہم ارادوا الکراھۃ الطبعیۃ اوالعرفیۃ وھی تختلف باختلاف الاشخاص والازمان والامکنۃ والاوطان۔

بقیہ ثلاثہ میں سے ہر ایک کا موقع ومحل الگ ہے، لہٰذا ان میں کوئی تعارض نہیں، صورت تطبیق کی تفصیل اس طرح ہوگی:

① تسنن یا مواظبت ہو تو بدعت۔

② بدون تسنن ومواظبت جائز۔

③ اختیار سواد کا کوئی داعیہ ہو تو مستحب۔

داعیہ طبعیہ ہو تو مستحب طبعی، پھر داعیہ طبعیہ رغبت طبع ہو تو مستحب طبعی لعینہ اور عارضی خارجی

ہو تو مستحب طبعی لغیرہ۔
اگر کبھی کوئی داعیہ شرعیہ پیش آجائے تو مستحب شرعی لغیرہ۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔
۳ ربیع الاول ۱۴۱۶ھ

دار الافتاء والارشاد
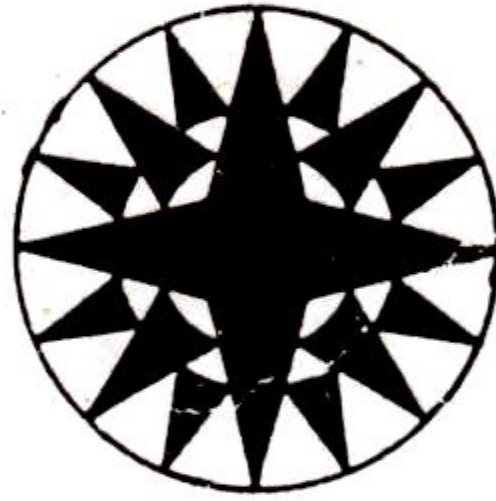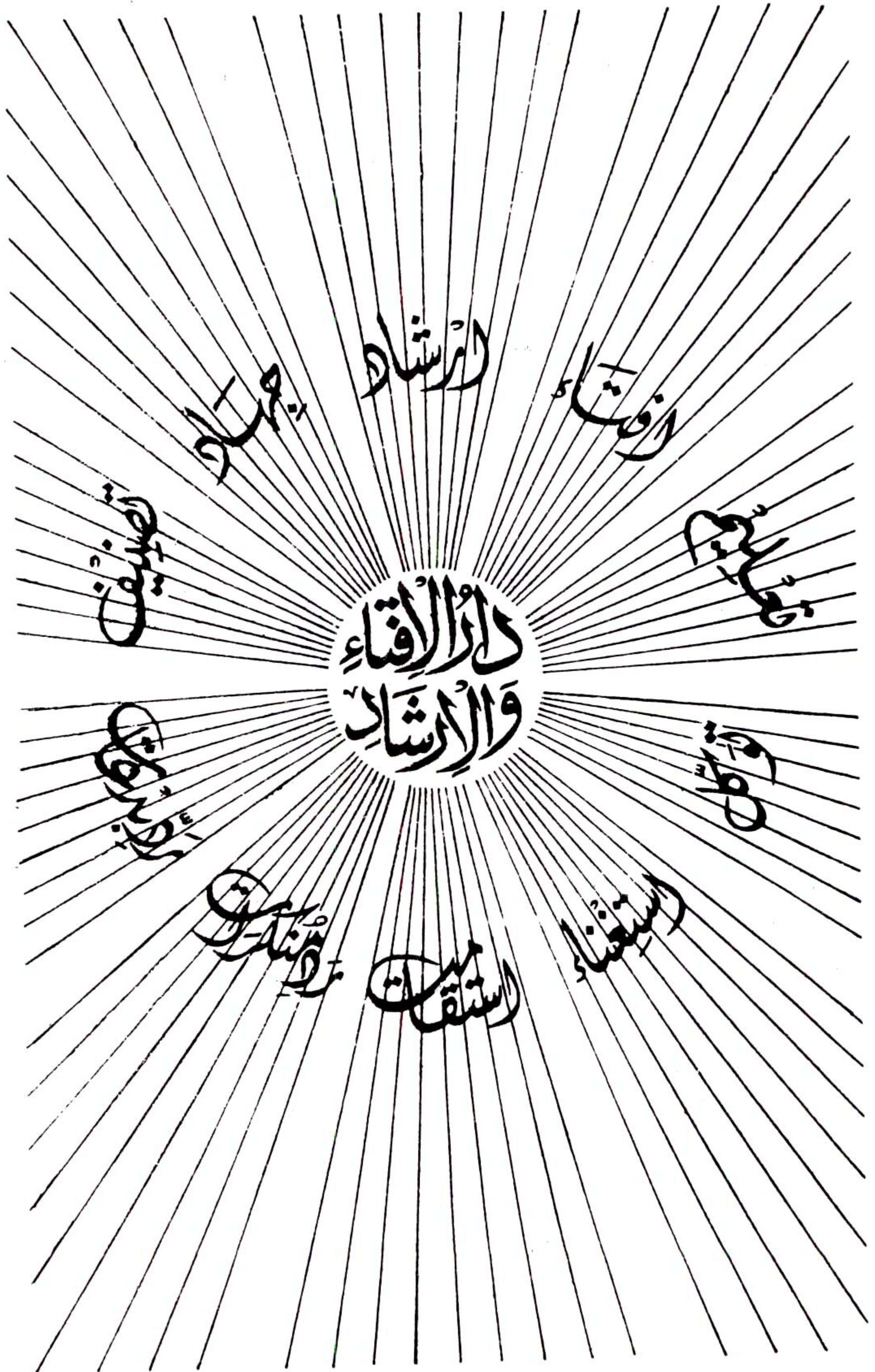
کتاب الوصیۃ والفرائض

منکوحہ بلا خلوۃ صحیحہ وارث ہوگی:

سوال: ایک عورت سے کسی نے نکاح کیا مگر خلوۃ صحیحہ سے پہلے فوت ہوگیا تو یہ عورت اس کی وارث ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

وراثت کے لئے خلوۃ صحیحہ شرط نہیں، لہٰذا یہ عورت وارث ہوگی۔

قال العلامۃ التمرتاشی رحمہ اللہ تعالیٰ: ویستحق الارث برحم ونکاح صحیح وولاء

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ ونکاح صحیح) بلا وطء ولا خلوۃ اجماعاً در منتقی (رد المحتار ص۴۸۶ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۰ ذی الحجہ ۱۳۷۱ھ

منکوحہ بنکاحِ فاسد وارث نہ ہوگی:

سوال: ایک شخص نے معتدۃ الغیر سے نکاح کیا اور فوت ہوگیا تو زوجہ اس زوجِ ثانی سے حصۂ ترکہ لے سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب ومنہ الصدق والصواب

نکاح معتدۃ الغیر فاسد ہے اور نکاح فاسد و باطل میں ارث نہیں، لہٰذا یہ عورت وارث نہ ہوگی۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: ویستحق الارث برحم ونکاح صحیح فلاتوارث بفاسد ولا باطل اجماعاً (رد المحتار ص۴۸۶ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۵ ربیع الآخر ۱۳۷۵ھ

اسقاطِ وارث سے اس کا حق ساقط نہیں ہوتا :

سوال : عباراتِ ذیل میں تعارض ہے، رفع کرنے کی کیا صورت ہوگی ؟

فی الشامیۃ : اوصی لرجل بثلث مالہ ومات الموصی فصالح الوارث الموصی لہ من الثلث بالسدس جاز الصلح وذکر الامام المعروف بخواھرزادہ ان حق الموصی لہ وحق الوارث قبل القسمۃ غیر متأکد یحتمل السقوط بالاسقاط اھ فقد علم ان حق الغانم قبل القسمۃ وحق حبس الرھن وحق المسیل المجرد وحق الموصی لہ بالسکنی وحق الموصی لہ بالثلث قبل القسمۃ وحق الوارث قبل القسمۃ یسقط بالاسقاط وتمامہ فی الاشباہ فیما یقبل الاسقاط ومالا یقبل، کذا فی الھامش۔

(رد المحتار کتاب الصلح فصل فی التخارج جلد ۴)

وفی الاشباہ والنظائر : ولو قال الوارث ترکت حقی لم یبطل حقہ اذ الملک لا یبطل بالترک ۔

وفی شرحہ للحموی : اعلم ان للاعراض عن الملک ضابطۃ انہ ان کان ملکا لازما لم یبطل بذلک کما لو مات عن ابنین فقال احدھما ترکت نصیبی عن المیراث لم یبطل لانہ لازم لا یترک بالترک بل ان کان عینا فلابد من التملیک وان کان دینا فلابد من الابراء

بظاہر ان دونوں عبارتوں میں تعارض ہے اور تعجب یہ کہ شامیہ نے بھی اشباہ کا حوالہ دیا ہے، حالانکہ اشباہ میں اس کے خلاف ہے۔ تطبیق کی کیا صورت ہوگی ؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

مندرجہ سوال جزئیات میں تطبیق وترجیح دونوں صورتیں اختیار کی جاسکتی ہیں ۔

صورتِ تطبیق حضرت حکیم الامۃ قدس اللہ تعالیٰ سرہ نے امداد الفتاویٰ میں بایں الفاظ بیان فرمائی ہے :

” لم یبطل الخ اس صورت میں ہے جبکہ بالکلیہ دست بردار ہوجائے، جیسے ہندی بہنیں اپنا حق بھائیوں سے نہیں لیتیں اور یحتمل السقوط اس صورت میں ہے کہ جب اپنے حق سے کم پر صلح کرے، چنانچہ جاز الصلح کی دلیل میں بیان کرنا اس کا قرینہ ہے

اور حاجت بیان یہ ہے کہ اپنے حق سے کم پر صلح کرنے کا جواز مخصوص معلوم ہوتا ہے دین کے ساتھ اور یہاں یہ صلح عن العین ہے، پس محتمل تھا عدمِ جواز کو، اس لئے تصریح کر دی۔ اب تدافع نہ رہا۔"

(امداد الفتاوی کتاب الہبۃ ج ۳)

صورۃ الترجیح:

قال الرافعی رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ جاز الصلح) ھٰذا غیر المشہور فی کتب المذھب وان عزاہ فی الاشباہ للاسعاف (التحریر المختار ص۲۴ ج ۲)

قلت لم أر فی کتب المذھب روایۃ تخالفہ علی ان الصلح لہ حکم المبایعۃ وھو یقتضی الجواز مطلقًا فالتوفیق راجح من الترجیح۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۳ / جمادی الاولیٰ ۸۳ھ

سوال مثلِ بالا:

سوال: آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ وارث کا حق ساقط نہیں ہوتا، حالانکہ امداد المفتین حصہ ششم میں تحت عنوان "اقامۃ العرف فی مقام الثبوت فی سقوط بعض الحق بالسکوت" لکھا ہے کہ حقِ وارث ساقط ہو جاتا ہے۔ آنجناب اس مضمون کا مطالعہ فرما کر اپنی رائے عالی سے مطلع فرمائیں۔ بیّنوا توجروا

الجواب ومنہ الصدق والصواب

ترکِ حصہ کے بارے میں تحقیق یہ ہے کہ اگر حق دین میں ہے جس میں مہر بھی داخل ہے تو ابراء صراحۃً یا دلالۃً سے حق ساقط ہو جاتا ہے اور اگر حق عین میں ہے تو ابراء صحیح نہیں بلکہ ہبہ ضروری ہے، لہٰذا اس میں ہبہ کی شرائط کا وجود ضروری ہے۔

رسالہ "اقامۃ العرف مقام الثبوت" میں مہر سے متعلق تحقیق صحیح ہے، مگر حصۂ اخوات وابن الابن سے متعلق تحقیق اصول کے خلاف ہے۔ ان دونوں مسائل پر جو دلائل رسالہ مذکورہ میں تحریر کئے گئے ہیں ان پر بالاختصار معروضات درج ذیل ہیں:

① حصۂ اخوات سے متعلق ص۱۴۲ س۱۲ یحتمل السقوط بالاسقاط۔

اقول: قدمنا جوابہ بصورۃ التطبیق والترجیح۔

② ص۱۴۲ س۱۶ محمول بر رضا بالعوض الخ

اقول: فھو بیع بثمن مجھول وھو فاسد۔

الجواب باسم مُلهمِ الصواب

اگر قرض شہادتِ شرعیہ یا سب ورثہ کے اقرار سے ثابت ہو تو وصی اور وارث کو کل ترکہ سے وصول کرنے کا حق ہے، ورنہ صرف ان ورثہ کے حصہ سے وصول کیا جائے گا جو قرض کا اقرار کرتے ہوں۔

قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: وکذا الوصی اذا اشتری کسوۃ للصغیر او اشتری ماینفق علیہ من مال نفسہ (الی قولہ) اوقضی دین المیّت الثابت شرعًا اوکفنہ اوادّی خراج الیتیم اوعشرہ من مال نفسہ او اشتری الوارث الکبیر طعامًا اوکسوۃ للصغیر اوکفن الوارث المیّت اوقضی دینہ من مال نفسہ فانہ یرجع ولایکون متطوعًا۔

وقال العلامۃ الطحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ اوقضی دینہ من مال نفسہ) لیس علی اطلاقہ ولاعلی ظاہرہ لان البعض لیس لہ ولایۃ علی البعض والدین لم یبین کونہ ثابتًا بالاقرار اوالحجۃ وھومفترق لما فی العمادیۃ فان ثبت الدین بالبیّنۃ وقضی بہ فادّی احد الورثۃ من مال نفسہ لہ ان یأخذ من الترکۃ ولو دفع من الترکۃ ———— من غیر قضاء القاضی کان للغائب ان لایجیز ویسترد بقدر حصتہ ولودفع من مال نفسہ لایرجع علی الغائب لانہ لم تثبت الدین بحجّۃ شرعیۃ وکذا الوصی لایؤدی ودیعۃ لمدعیھا ولادینا علی المیت الا ان یثبت عند الحاکم (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر ص۳۴۴ ج۴)

وقال العلّامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ اوقضی دین المیّت) قال فی ادب الاوصیاء وفی الخانیۃ اشتراط الاشھاد اذا قضاہ بلا امر الوارث ولم یشترطہ فی النوازل وقال وھو المختار فانہ ذکر ان الوصی اذا انفذ الوصیۃ من مال نفسہ یرجع فی مال المیت وھو المختار فتکون الروایۃ فی الوصیۃ روایۃ فی الدین لانہ مقدم علیھا ووجوب قضائہ أکد من لزوم انفاذھا اھ وھو الموافق لما مرّ عن المنح والدرر من قولہ فکان کقضاء الدین۔

(رد المحتار ص۴۵۸ ج ۵)

وقال ایضًا: (قولہ اوقضی دینہ) ای الثابت شرعًا والا فلا یرجع علی الغائب وان دفع من الترکۃ فللغائب ان یسترد قدر حصتہ لانہ لم یثبت شرعًا وکذا الوصی فی الدین والودیعۃ (رد المحتار ص۴۵۹ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ ۱۴ محرم ۱۴۱۹ھ

③ حصۃ ابن الابن سے متعلق ص۴۴۱ س۱۴ پس جواب این است الخ

اقول ان ھٰذہ القاعدۃ فی الطفل الصغیر لا الکبیر علی انہ لا تصح ھبۃ المجھول، فالصواب فی الجواب ان یقال انھا وصیۃ من المورث فتلاحظ بشرائطھا

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۵ رجب ۴۳ھ

بہن کا بھائیوں سے حصۂ میراث نہ لینا:

سوال: اگر بہن اپنا حصۂ میراث معاف کر دے یا بھائیوں کو ہبہ کر دے تو بھائی بری الذمہ ہوں گے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

عفو وابراء دین سے ہوتا ہے، عین سے عفو وابراء صحیح نہیں، البتہ اگر بھائیوں نے ترکہ میں کوئی ایسا تصرف کر لیا جس سے بہن کا حق عین سے منتقل ہو کر بھائیوں کے ذمہ دین بن گیا تو عفو وابراء صحیح ہے، بہن کے معاف کرنے سے معاف ہو جائے گا۔

ورثہ کے تصرف سے قبل اگر بہن ہبہ کر دے تو یہ ھبۃ المشاع ہونے کی وجہ سے صحیح نہیں، البتہ اگر بہن کا حق قبل التصرف علیحدہ کر دیا جائے، اس کے بعد وہ کسی قسم کی مروت یا دباؤ کے بغیر مکمل رضا اور شرح صدر وطیبِ خاطر سے بھائیوں میں اس طرح تقسیم کرے کہ ہر بھائی کا حصہ الگ کر کے اسے ہبہ کر دے تو صحیح ہے۔ جہاں بھائیوں سے حصہ نہ لینے کا دستور ہو وہاں طیبِ خاطر کا یقین نہ ہونے کی وجہ سے جائز نہیں، بلکہ طیبِ خاطر کا یقین ہونے کی صورت میں بھی چونکہ اس سے رسم جاہلیت اور ظلم عظیم کی تأیید ہوتی ہے اس لئے جائز نہیں، دین سے ابراء کا بھی یہی حکم ہے کہ وجہ مذکور کی وجہ سے جائز نہیں۔

قال الامام الزیلعی رحمہ اللہ تعالیٰ: وان اخرجت الورثۃ احدھم عن عرض او عقار بمال او عن ذھب بفضۃ او بالعکس ای عن فضۃ بذھب صح قل او کثر یعنی قل ما اعطوہ او کثر لانہ یحمل علی المبادلۃ لانہ صلح عن عین، ولا یمکن حملہ علی الابراء اذ لا دین علیھم ولا یتصور الابراء عن العین۔

(تبیین الحقائق ص۵۰ ج۵)

وقال العلامۃ الشلبی رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ ولا یتصور الابراء) ای

لان الابراء عن الاعیان غیر المضمونة لا یصح (حاشیة الشلبی بہامش التبیین ص۵ ج ۵)

وقال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ : لا تتم بالقبض فیما یقسم ولو وهبه لشریکه اولاجنبی لعدم تصور القبض الکامل کما فی عامة الکتب فکان هو المذهب وفی الصیرفیة عن العتابی وقیل یجوز لشریکه وهو المختار.

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ : (قوله فی عامة الکتب) و صرح به الزیلعی وصاحب البحر منح (قوله وهو المذهب) راجع لمسألة الشریك، کما فی المنح (قوله وهو المختار) قال الرملی وجد بخط المؤلف یعنی صاحب المنح بازاء هذا ما صورته ولا یخفی علیك انه خلاف المشهور

(رد المحتار ص۵۱۱ ج ۴)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۰ ربیع الثانی ۹۷ھ

عوض لے کر حصۂ میراث چھوڑنا :

سوال : زید کا انتقال ہوگیا، اس کے ورثہ میں تین بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں، ترکہ میں کچھ نقدی ہے اور کچھ دوسرا سامان ، بھائی چاہتے ہیں کہ بہنیں کچھ عوض لے کر اپنے حصۂ میراث سے دست بردار ہوجائیں۔ کیا شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں ایسا کرنا جائز ہے؟ اور ایسا کرنے سے بہنوں کا حق ساقط ہوجائے گا؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز ہے ، لیکن اگر بھائی بہنوں کو نقدی کی صورت میں عوض دینا چاہتے ہیں تو جتنا حصہ بہنوں کا میّت کی نقدی میں بنتا ہے عوض اس سے زائد ہونا چاہئے تاکہ نقدی میں حصۂ میراث کی بقدر عوض اس کے مقابلے میں آجائے اور زائد دوسرے سامان کے مقابلے میں۔ نیز نقدی میں حصۂ میراث کی بقدر عوض پر مجلس عقد میں قبضہ ضروری ہے، اس لئے کہ یہ بیع صرف ہے جس میں تساوی اور تقابض فی المجلس ضروری ہے، عوض دوسرے اموالِ ربویہ کی صورت میں ہو تو تعیین فی المجلس ضروری ہے۔

اور اگر عوض ایسے سامان کی صورت میں ہو جو اموالِ ربویہ میں سے نہ ہو تو تساوی و تقابض و تعیین فی المجلس کچھ بھی ضروری نہیں۔

تنبیہ : جہاں بھائیوں سے حصہ نہ لینے کا دستور ہو وہاں طیب خاطر کا یقین نہ ہونے کی وجہ سے عوض دے کر حصۂ میراث روکنا جائز نہیں، بلکہ طیبِ خاطر کا یقین ہونے کی صورت میں بھی چونکہ اس سے رسمِ جاہلیت اور ظلم عظیم کی تائید ہوتی ہے اس لئے جائز نہیں۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ : اخرجت الورثۃ احدھم عن الترکۃ وھی عرض اوھی عقار بمال اعطوہ لہ اواخرجوہ عن ترکۃ ھی ذھب بفضۃ دفعوھا لہ اوعلی العکس اوعن نقدین بھما صح فی الکل صرفا للجنس بخلاف جنسہ قل ما اعطوہ او کثر لکن بشرط التقابض فیما ھو صرف وفی اخراجہ عن نقدین وغیرھما باحد النقدین لایصح الا ان یکون ما اعطی لہ اکثر من حصتہ من ذلک الجنس تحرزا عن الربا ولابد من حضور النقدین عند الصلح وعلمہ بقدر نصیبہ شرنبلالیۃ وجلالیۃ ولو بعرض جاز مطلقا لعدم الربا (رد المحتار ص۴۸۱ ج ۴)

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ : (قولہ والمعتبر تعیین الربوی فی غیر الصرف) لان غیر الصرف یتعین بالتعیین ویتمکن من التصرف فیہ فلا یشترط قبضہ کالثیاب ای اذ ابیع ثوب بثوب بخلاف الصرف لان القبض شرط فیہ للتعیین فانہ لایتعین بدون القبض کذا فی الاختیار وحاصلہ ان الصرف وھو ماوقع علی جنس الاثمان ذھبا وفضۃ بجنسہ اوبخلافہ لایحصل فیہ التعیین الا بالقبض فان الاثمان لا تتعین مملوکۃ الابہ ولذا کان لکل من العاقدین تبدیلہا اما غیر الصرف فانہ یتعین بمجرد التعیین قبل القبض (رد المحتار ص۱۸۲ ج ۴)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۶ ربیع الاول سنہ ۱۴۱۹ھ

پاک و ہند کے مسلمانوں کے درمیان توارث ہوگا :

سوال : مودودی صاحب نے لکھا ہے کہ پاکستان اور ہندوستان کے مسلمان ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوسکتے۔ اس سے متعلق آپ کی تحقیق کیا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب ومنہ الصدق والصواب

مودودی صاحب کا یہ خیال باطل، مذاہب اربعہ کے خلاف ہے۔ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا اس پر اتفاق ہے کہ مسلمان تباینِ دارین کے باوجود ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں۔

مودودی صاحب نے اس آیت سے استدلال کیا ہے: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا، اس سے عدمِ توارث پر استدلال غلط ہے، اس آیت کی تفسیر میں مفسرین رحمہم اللہ تعالیٰ کے دو گروہ ہیں، بعض نے ولایت کی تفسیر موالاۃ سے کی ہے، ولایت بمعنی وراثت نہیں لیا۔ ان مفسرین کے نزدیک اس آیت کا میراث وغیرہ سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ اس میں موالاۃ اور ترکِ موالاۃ کا بیان ہے، جس میں کافر محارب وغیر محارب، مستأمن وغیر مستأمن کا فرق ہوگا۔ اس مسئلہ کی تفصیل سورہ ممتحنہ میں لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ کے تحت بیان کی گئی ہے۔ مذکورہ آیات کی تفسیر اور دارالاسلام اور دارالکفر کی رعایا کے باہمی تعلقات اور بین الاقوامی معاملات پر شرح السیر الکبیر للامام محمد بن الحسن الشیبانی رحمہ اللہ تعالیٰ میں نہایت عمدہ بحث ہے، جس کا مطالعہ ضروری ہے، مبسوط میں بھی ایسے مباحث ہیں۔

غرضیکہ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا الخ میں مسئلہ موالاۃ کا بیان ہے اور یہ اس وقت کا حکم ہے جبکہ ہجرت فرض تھی اور قبولِ اسلام کے لئے شرط تھی اور حدیث انا بری من کل مسلم بین ظہرانی المشرکین بھی اسی وقت سے متعلق ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما و دیگر مفسرین نے ولایت کی تفسیر وراثت سے کی ہے مگر اس کے ساتھ اس آیت کو اس وقت کے ساتھ مقید کر دیا ہے جبکہ مہاجرین اور انصار اخوتِ اسلامیہ کی وجہ سے ایک دوسرے کے وارث ہوا کرتے تھے جس کا ذکر اس آیت کے ساتھ ہی بایں الفاظ ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ۔ بعد میں جب مہاجرین و انصار کے باہمی توارث کو وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ الخ نے ختم کر دیا تو یہ حکم بھی باقی نہ رہا کہ مسلم مہاجر مسلم غیر مہاجر کا وارث نہ ہو، بلکہ آیت مواریث کے عموم کے مطابق توارث ہونے لگا۔

حاصل یہ کہ بعض مفسرین نے تو آیتِ مذکورہ سے مراد صرف موالاۃ لی ہے اور میراث کو اس میں داخل ہی نہیں کیا اور بعض نے میراث کو داخل تو کیا ہے مگر سورۂ انفال کی آیت: وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ سے منسوخ کہا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بھی یہی قول ہے۔

مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ اختلافِ دارین سے ولایت منقطع ہو جاتی ہے، انہیں یہ معلوم نہیں کہ وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَاسْأَلُوا مَا أَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْأَلُوا مَا أَنْفَقُوا کے نزول تک کافر عورتیں مسلمین کے نکاح میں تھیں۔ آیت کے نزول کے بعد حضرت عمر و دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے طلاق دی، یہ عورتیں مکہ میں تھیں جو دار الحرب تھا اور وہاں کے رہنے والے سب حربی تھے، اگر اختلافِ دارین سے ولایت منقطع ہو جاتی تو مدینہ کے رہنے والے اصحاب کا نکاح مکہ میں بسنے والی کافر عورتوں سے کیسے باقی رہا؟ نکاح بھی تو ولایت کا ایک فرد ہے، کافر عورتوں سے ابتداءً نکاح تو آیتِ بقرہ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ ـ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا سے بہت پہلے ممنوع ہو چکا تھا، البتہ بقاءِ نکاح جائز تھا، جس کی ممانعت وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ سے کی گئی۔

غرضیکہ وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ کے نزول تک جب کافرہ کے ساتھ مسلم کا تعلق باوجود اختلافِ دارین کے باقی رہا تو مسلم کی ولایت علی المسلم کے لئے اختلافِ دارین کیوں قاطع ہوگا۔

مودودی صاحب کو براہ راست قرآن کریم سے استنباطِ مسائل کا شوق ہے، حالانکہ اس کے لئے چودہ علوم میں مہارت شرط ہے جن سے مودودی صاحب واقف نہیں، لہٰذا ان کے لئے قرآن کریم سے استنباطِ مسائل جائز نہیں، اگر انہیں یہ کام کرنا ہی ہے تو ہم یہ مشورہ ضرور دیں گے کہ استنباط من القرآن کے ساتھ فقہاءِ امت رحمہم اللہ تعالیٰ کے اقوال بھی ضرور ملاحظہ کر لئے جائیں تاکہ خلافِ اجماع سے محفوظ رہ سکیں۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۹ شعبان ۷۳ھ

ایک شخص کی موت کے چھ ماہ بعد اس کی والدہ کو بچہ پیدا ہوا جو ڈیڑھ سال سے مطلقہ رجعیہ تھی تو یہ بچہ وارث ہوگا:

سوال: ایک شخص فوت ہوا، سات آٹھ ماہ کا عرصہ گزرنے پر اس کا بھائی پیدا ہوا حالانکہ ان کے باپ نے ان کی والدہ کو تقریباً ڈیڑھ سال سے طلاق رجعیہ دی ہوئی ہے، یہ بھائی شرعاً وارث ہوگا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اگر ان کی والدہ نے عدت گزرنے کا اقرار نہیں کیا تو یہی سمجھا جائے گا کہ اس ولد کا علوق موت

مورث کے وقت موجود تھا، کیونکہ وقتِ موت سے دو برس کے عرصہ تک بچہ پیدا ہونے سے ظاہر یہی ہے کہ زوج نے رجوع نہیں کیا اور یہ علوق قبل از طلاق ہے، لہٰذا یہ بھائی وارث ہوگا۔

قال الامام المرغینانی رحمہ اللہ تعالیٰ: بخلاف ما اذا اعتقت المعتدۃ عن موت او طلاق فجاءت بولد لاقل من سنتین من وقت الموت او الطلاق حیث یکون الولد مولی لموالی الام وان اعتق الاب لتعذر اضافۃ العلوق الی ما بعد الموت والطلاق البائن لحرمۃ الوطء وبعد الطلاق الرجعی لما انہ یصیر مراجعاً بالشک فاستند الی حالۃ النکاح فکان الولد موجودا عند الاعتاق فعتق مقصودا (ھدایہ کتاب الولاء ص۳۴۲ ج ۳)

وفی بحث الحمل من الشامیۃ: وان کان من غیرہ فانما یرث لو ولد لستۃ اشھر او اقل الا اذا کانت معتدۃ ولم تقر بانقضائھا الخ

اور اگر ان کی والدہ نے عدت گزرنے کا اقرار کیا ہو تو یہ بھائی اس شرط سے وارث ہوگا کہ وقت اقرار سے چھ ماہ کے اندر پیدا ہو، والا فلا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۲ رجب ۷۵ھ

حمل غیر مورث کی وراثت کے لئے موت مورث سے چھ ماہ کے اندر پیدا ہونا شرط ہے:

سوال: حمل غیر مورث کا ہو تو اس کے وارث ہونے کی شرط ولادت لاقل من ستۃ اشھر ہے یا کہ لتمام ستۃ اشھر؟ شامیہ میں "لستۃ اشھر او اقل"، اور بحر میں صرف "لاقل من ستۃ اشھر" لکھا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

شامی نے سراجیہ کی موافقت کی ہے اور بحر میں مبسوط کی موافقت ہے لیکن مبسوط میں دیگر بعض مسائل میں ستۃ اشھر کو اقل کے ساتھ لاحق کیا ہے اور طحطاوی میں اسی مسئلہ میں ستۃ اشھر کا اکثر کے ساتھ لاحق ہونا مصرح ہے۔

وان جاءت بہ لستۃ اشھر او اکثر فانہ لا یرث اھ

بظاہر یہی راجح معلوم ہوتا ہے۔ خود شامیہ میں مسئلہ ذیل میں ستۃ اشھر کو اکثر کے ساتھ لاحق کیا ہے۔

والمتوفی عنھا اذا ادعت انقضاءھا ثم جاءت بولد لتمام ستۃ اشھر لا یثبت نسبہ، ولاقل یثبت اھ (ردالمحتار ص۶۲۳ ج ۲) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۳ رجب ۷۵ھ

حمل غیر مورث موتِ مورث سے چھ ماہ کے بعد پیدا ہوا مگر ورثہ بوقتِ موت وجودِ حمل کے مقر ہیں تو یہ حمل وارث ہوگا:

سوال: شامیہ بحث الحمل میں ہے: وان کان من غیرہ فانما یرث لو ولد لستۃ اشھر او اقل الا اذا کانت معتدۃ ولم تقر بانقضائہا او اقر الورثۃ بوجودہ۔ اس میں کل ورثہ کا اقرار ضروری ہے یا کہ بعض کا کافی ہے؟ بینوا توجروا

الجواب ومنہ الصدق والصواب

چونکہ اقرار حجتِ قاصرہ ہے اس لئے صرف مقرین کے حق میں ان کا اقرار معتبر ہوگا، البتہ اگر موتِ مورث کے وقت ظہورِ حمل عام طور پر معلوم ہو یا اس کے ظہور پر شاہد موجود ہوں تو جملہ وارثوں کے حق میں اس کا ارث جاری ہوگا۔ ظہورِ حمل کا اعتبار جزئیہ ذیل سے ثابت ہے:

یثبت نسب ولد المعتدۃ بموت او طلاق ان جحدت ولادتہا بحجۃ تامۃ او حمل ظاھر الخ (رد المحتار ص ۶۲۶ ج ۲)

حمل کی ولادت سے قبل اس کے لئے سہم موقوف رکھنا بھی ظہورِ حمل کے اعتبار کی دلیل ہے۔
واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۴ رجب ۷۵ھ

ترکہ سے ایک وارث منافع لیتا رہا:

سوال: ایک شخص کے فوت ہونے کے بعد ترکہ پر صرف ایک وارث متصرف رہا، اس نے اس سے مدتِ دراز تک منافع لئے اور کافی جائداد بنالی، اب دوسرے ورثہ تقسیم ترکہ کا مطالبہ کرتے ہیں تو اس حالت میں محض اصل ترکہ تقسیم ہوگا یا اس سے حاصل کردہ منافع اور اس سے خرید کردہ جائداد بھی تقسیم ہوگی؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

صرف اصل ترکہ تقسیم ہوگا اور منافع کا مالک وہی ہے جو متصرف رہا، مگر اس کا تصرف اگر بلا رضائے دیگر ورثہ ہے تو یہ ارباح فاسدہ ہیں جن کا حکم یہ ہے کہ مالک پر رد کئے جائیں، اگر مالک کا علم نہ ہو سکے تو تصدق علی الفقراء کیا جائے، حاصل یہ کہ دیانۃً جمیع ورثہ کو دینا واجب ہوگا قضاءً نہیں، البتہ اگر ورثہ میں کوئی نابالغ ہے اور کسی وارث کا تصرف کسی ایسی چیز پر رہا جو پیداوار دینے والی ہے مثلاً زرعی زمین تو ایسی حالت میں قضاءً بھی نابالغ کو منافع دلائے جائیں گے۔

قال فی الغیاثیۃ: لو تصرّف احد الورثۃ فی الترکۃ المشترکۃ وربح فالربح للمتصرّف وحده۔

وفی الذخیرۃ: رجل مات وترک الورثۃ فتصرّف احد الورثۃ فی المال بالتجارۃ فتزاید المال فالقاضی یقسم اصل المال علی فرائض اللہ تعالیٰ لافرعہ۔

وفی التتارخانیۃ: مات رجل وترک اولاداً اصغاراً وکباراً فحرث الکبار وزرعوا فی ارض مشترکۃ او فی ارض الغیر فان زرعوا من بذر انفسہم او بذر مشترک بلا اذن فالغلّۃ للمزارعین[عہ]

وفی تنقیح الحامدیۃ: ونقل المؤلف عن الفتاوی الرحیمیۃ سئل عن مال مشترک بین ایتام وام واستربحہ الوصی للایتام ہل تستحق الام ربح نصیبہا اولا اجاب لاتستحق الام شیئاً مما استربحہ الوصی بوجہ شرعی لغیرہا کاحد الشریکین اذا استربح من مال مشترک لنفسہ فقط ویکون ربح نصیبہا کسباً خبیثاً ومثلہ سبیلہ التصدق علی الفقراء اھ اقول ایضاً ویظہر من ھٰذا ومما قبلہ حکم مالو کان المباشر للعمل والسعی بعض الورثۃ بلا وصیۃ او وکالۃ من الباقین (تنقیح الحامدیۃ ص۹۳ ج۱)

وفی الخیریۃ: سئل فی دار معدّۃ للاستغلال بین بالغ ویتیم وامرأۃ سکنہا الشریک البالغ بلا استیجار حصۃ الیتیم سنۃ ہل یلزم البالغ اجرۃ مثل حصۃ الیتیم ام لا، اجاب قد افتی کثیر من المتأخرین بوجوب اجرۃ المثل فی ذلک صیانۃ لمال الیتیم، واللہ اعلم۔ (الفتاوی الخیریۃ ص۱۱۱ ج۱)

قال الامام المرغینانی رحمہ اللہ تعالیٰ: فیکون سبیلہ التصدق فی روایۃ ویردہ علیہ فی روایۃ لان الخبث لحقہ وھٰذا اصح۔ (ہدایہ کتاب الکفالۃ ص۱۲۳ ج۳)

قال الحافظ العینی رحمہ اللہ تعالیٰ: یردّہ علیہ ای علی الاصیل فی روایۃ اخری عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ، فان ردّہ علی الاصیل فان کان الاصیل فقیرًا طاب لہ وان کان غنیاً ففیہ روایتان فی کتاب الغصب، قال فخر الاسلام فی شرح الجامع الصغیر والاشبہ ان یطیب لہ، لانہ انما یردّہ علیہ علی انہ حقہ لان الخبث لحقہ

عہ سیجیء عن الخیریۃ وجوب رد الغلۃ علی الصغار فی ھٰذہ الصورۃ ۱۲ منہ

ای لحق الاصیل لا لحق الشرع وھٰذا اصح ای الرد لان یرد علی المکفول عنہ اصح من القول بالتصدق لکنہ استحباب ای لکن الرد علیہ مستحب، لان الملك للکفیل لاجبر لان الحق لہ ای لایجبر علی دفعہ الا انہ لما تمکن الخبث یستحب الدفع الیہ بخلاف الربح فی الغصب حیث یجبر الغاصب علی الدفع لانہ لاحق للغاصب فی الربح.

(البنایہ ص۵۸۸ ج۷)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۰/ ذی القعدہ ۷۶ھ

عرصہ دراز گزرجانے سے حقِ وراثت ساقط نہیں ہوتا:

سوال: ایک شخص کا انتقال ہوگیا، چند دن بعد اس کی ایک لڑکی پیدا ہوئی، میت کے چچازاد بھائی نے زمین پر قبضہ کرلیا، لڑکی کو کچھ نہیں دیا، حتی کہ لڑکی کی شادی ہوگئی، اس کی اولاد جوان ہوئی تو انہوں نے اصرار کرکے اس سے کچھ زمین لے لی لیکن وہ بہت کم تھی جس پر لڑکی راضی نہیں تھی۔ کچھ عرصہ بعد میت کے نواسوں نے پھر اپنی والدہ کا حق وصول کرنے کی کوشش کی تو چچازاد کے ایک لڑکے نے کہا کہ اس وقت والد صاحب بیمار ہیں، ہوسکتا ہے کہ زمین تمہیں دینے کی وجہ سے ان کی بیماری شدت اختیار کرجائے، اس نے قسم کھاکر کہا کہ میں والد صاحب کے انتقال کے بعد فلاں زمین آپ کے حوالے کردوں گا، کچھ عرصہ بعد اس کے والد کا انتقال ہوگیا، اب وہ زمین دینے سے انکار کررہا ہے۔ اب پوچھنا یہ ہے:

① میت کی بیٹی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے حصہ کا مطالبہ کرے یا نہیں؟

② کیا شریعت میں اس کی کوئی تحدید ہے کہ اتنے سال تک حق کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے اس کے بعد نہیں؟

③ بیٹی کو کتنا حصہ ملے گا جبکہ میت کی بیوی بھی وفات پاچکی ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

چچازاد بھائی کا میت کی بیٹی کے حصہ پر قبضہ کرنا ناجائز اور حرام تھا، بیٹی اپنے حصہ کا مطالبہ کرنے میں حق بجانب ہے خواہ کتنا ہی عرصہ گزر گیا ہو۔

میت کے چچازاد بھائی کی اولاد پر فرض ہے کہ میت یعنی والد اور والدہ کی کل جائداد کا نصف لڑکی کو دیں، اس جائداد میں سے لڑکی کے حصہ کی اگر آمدن ہوتی رہی ہے تو وہ بھی لڑکی کو دیں۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت قولہ باع عقارًا : وفی جامع الفتاوی وقال المتأخرون من اھل الفتوی لاتسمع الدعوی بعد ست و ثلاثین سنۃ الا ان یکون المدعی غائبًا او صبیًا او مجنونًا لیس لھما ولی او المدعی علیہ امیرا جائرًا یخاف منہ، کذا فی الفتاوی العتابیۃ اھ والظاھر ان عدم سماعھا بعد ھذہ المدۃ اعم من کونہ مع الاطلاع علی التصرف او بدونہ لان عدم سماعھا مع الاطلاع علی التصرف لم یقیدوہ ھنا بمدۃ فلامنافاۃ بین کلامھم تأمل۔ ثم اعلم ان عدم سماعھا لیس مبنیًا علی بطلان الحق حتی یرد ان ھذا قول مھجور لانہ لیس ذلک حکم ببطلان الحق وانما ھو امتناع من القضاۃ عن سماعھا خوفًا من التزویر ولدلالۃ الحال کما دلّ علیہ التعلیل والافقد قالوا ان الحق لا یسقط بالتقادم کما فی قضاء الاشباہ فلا تسمع الدعوی فی ھذہ المسائل مع بقاء الحق للاٰخرۃ ولذا لو اقرّ بہ الخصم یلزمہ کما فی مسألۃ عدم سماع الدعوی بعد مضی خمس عشرۃ سنۃ اذا نھی السلطان عن سماعھا کما تقدم قبیل باب التحکیم فاغتنم ھذا التحریر المفرد (رد المحتار ص۴۷۳ ج ۵)

وقال الحافظ العینی رحمہ اللہ تعالیٰ فی کتاب الکفالۃ تحت قولہ فیکون سبیلہ التصدق فی روایۃ ویردہ علیہ فی روایۃ لان الخبث لحقہ وھذا اصح : بخلاف الربح فی الغصب حیث یجبر الغاصب علی الدفع (ای الدفع الی المالک) لانہ لاحق للغاصب فی الربح (البنایۃ ص۵۸۹ ج ۷) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۶ محرم سنہ ۱۴۱۹ھ

بیٹی کی موجودگی میں خیفی بہن محروم ہے :

سوال : جب ورثہ میں میت کی لڑکی اور خیفی بہن دونوں موجود ہوں تو خیفی بہن محروم ہوگی یا حصہ پائے گی ؟

مجموعۃ الفتاوی میں اس صورت میں خیفی بہن کو سدس دیا گیا ہے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

خیفی بہن بیٹی کی وجہ سے محروم ہوجاتی ہے۔ مجموعۃ الفتاوی میں تسامح ہوگیا ہے۔

قال فی التنویر : ویسقط بنوا الاخیاف بالولد وولد الابن (رد المحتار ص۴۹۹ ج ۵)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سلخ ذی القعدہ سنہ ۷۶ھ

مرتد کے لئے وصیت باطل ہے :

سوال : ایک شخص کی جائداد ہندوستان میں ہے، اس کی بہن بھی اس جائیداد میں اس کی شریک ہے، یہ جائیداد ان کو اپنے والد کے ترکہ میں ملی تھی، ابھی تک انہوں نے اسے تقسیم نہیں کیا تھا کہ بہن مرتدہ ہوگئی یعنی اس نے شیعہ مذہب اختیار کرلیا اور کچھ عرصہ بعد اسی حالت میں اس کا انتقال ہوگیا جب بھائی کے انتقال کا وقت آیا تو اس نے اپنی اولاد کو یہ وصیت کی کہ تم اس جائیداد سے اپنی پھوپھی زاد اولاد کو بھی حصہ دینا ورنہ آخرت میں مؤاخذہ ہوگا، اب اس کی اولاد اپنے والد کی وصیت نافذ کرسکتی ہے یا نہیں؟ عدم تعمیل کی صورت میں کیا اولاد سے اس کا مؤاخذہ ہوگا؟ جبکہ جن کے حق میں وصیت کی ہے وہ سب شیعہ مرتد ہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

مرتدہ بہن حالتِ ارتداد میں نہ کسی کی وارث ہوگی اور نہ اس کے کسب ارتداد کا کوئی وارث ہوگا البتہ کسب اسلام کے وارث اس کے مسلم ورثہ ہوں گے، غیر مسلم وارث کا اس میں کوئی حصہ نہیں، لہٰذا ان کو حصہ دینے کی وصیت باطل ہے۔

عدم تعمیلِ وصیت پر اولاد ماخوذ نہ ہوگی۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ : (قولہ والارث) فلا یرث احدًا ولا یرثہ احد مما اکتسبہ فی ردّتہ بخلاف کسب اسلامہ فانہ یرثہ ورثتہ کما مرّ لاستنادہ الی ما قبلہا فھو ارث مسلم من مثلہ والکلام فی ارث المرتد فافھم (رد المحتار ص۳۰۱ ج ۳)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۳ / صفر سنہ ۸۸ھ

سہم الدور ساقط کا مطلب :

سوال : تعلیم المتعلم فصل فی بدایۃ السبق وقدرہ وترتیبہ میں ہے : "وسہم الدور ساقط" اس کا کیا مطلب ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی فروع الھبۃ تحت باب الرجوع فی الھبۃ : ورأیت فی مجموعۃ منلا علی الصغیرۃ بخطہ عن جواہر الفتاوی کان ابو حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ حاجا فوقعت مسألۃ الدور بالکوفۃ فتکلم کل فریق بنوع فذکروا لہ ذلک حین استقبلوہ

فقال من غیر فکر ولا رویۃ اسقطوا السھم الدائر تصح المسألۃ مثالہ مریض وھب عبدًا لہ من مریض وسلّمہ الیہ ثم وھبہ من الواھب الاول وسلّمہ الیہ ثم ماتا جمیعا ولا مال لھما غیرہ فانہ وقع فیہ الدور حتی (اذا)[عہ] رجع الیہ شیء منہ زاد فی مالہ واذا زاد فی مالہ زاد فی ثلثہ واذا زاد فی ثلثہ زاد فیما یرجع الیہ واذا زاد فیما یرجع الیہ زاد فی ثلثہ ثم لا یزال کذلک فاحتیج الی تصحیح الحساب وطریقہ ان تطلب حسابا لہ ثلث (وللثلث ثلث)[عہ] واقلہ تسعۃ ثم تقول صحت الھبۃ فی ثلاثۃ منھا ویرجع من الثلاثۃ سھم الی الواھب الاول فھذا السھم ھو سھم الدور فاسقطہ من الاصل بقی ثمانیۃ ومنھا تصح وھذا معنی قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ اسقطوا السھم الدائر وتصح الھبۃ فی ثلاثۃ من ثمانیۃ والھبۃ الثانیۃ فی سھم فیحصل للواھب الاول ستۃ ضعف ماصححناہ فی ھبتہ وصححنا الھبۃ الثانیۃ فی ثلث ما اعطینا (الاولی)[عہ] فثبت ان تصحیحہ باسقاط سھم الدور وقیل دع الدور یدور فی الھواء اھ ملخصا وفیہ حکایۃ عن محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فلتراجع (رد المحتار ص۵۱۶ ج ۴) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۱ رجمادی الاولیٰ ۸۴ھ

حکم الوصیّۃ بالسکنیٰ:

سوال: اگر کوئی شخص کسی مسکین کے لئے تاحیات وصیت بالسکنیٰ کر جائے تو وہ وصیت نافذ ہوگی یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملھم الصّواب

وصیت بالسکنیٰ صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ موصی لہ معیّن ہو، اگر مطلقاً سکنیٰ کی وصیت کی اور موصی لہ کی تعیین نہیں کی تو وصیت صحیح نہ ہوگی، البتہ ان لوگوں کے قول پر قیاس کرتے ہوئے جو وقف کو غیر معین کے لئے جائز قرار دیتے ہیں جواز کا قول کیا جاسکتا ہے، مگر ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے قیل سے تعبیر کر کے اس کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے، اور عدم صحت کے قول کو مدلّل اور راجح قرار دیا ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: صحت الوصیۃ بخدمۃ عبدہ وسکنی دارہ مدۃ معلومۃ وابدا ویکون محبوسًا علی ملک المیت فی حق المنفعۃ کما فی الوقف.

عہ الکلمات التی بین القوسین لابد منھا لتصحیح المعنی ولعلھا کانت فی الاصل وترکت من الناسخین خطأً ۱۲ منہ

قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قوله صحت الوصية بخدمة عبده وسكنى داره) اى لمعين قال المقدسى ولو اوصى بغلة داره اوعبده فى المساكين جاز وبسكنى والخدمة لايجوز الالمعلوم لان الغلة عين مال يتصدق به و الخدمة والسكنى لايتصدق بها بل تعار العين لاجلها والاعارة لاتكون الالمعلوم وقيل ينبغى أن يجوز على قياس من يجيز الوقف وتمام الفرق فى البدائع اھ سائحانى (قوله مدة معلومة و ابدا) وان اطلق فعلى الابد وان اوصى بسنين فعلى ثلث وكذا الوصية بغلة العبد والدار اھ مسكين (رد المحتار ص ۴۴۲ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۳ ذی القعدہ س۸۸ھ

قضاء نماز، روزہ کے فدیہ کی وصیت:

سوال: اگر کسی کے ذمہ کچھ نمازوں یا روزوں کی قضاء باقی ہو لیکن ان کی صحیح مقدار معلوم نہ ہو تو ایسی صورت میں اس پر مرتے وقت ان کے فدیہ کی وصیت کرنا واجب ہے یا نہیں؟ وصی پر اس وصیت کا ثلث مال میں جاری کرنا واجب ہے؟ اس کا صحیح مصرف کیا ہے؟ کیا ہاشمی اور مالدار کو دینا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

وصیت کرنا واجب ہے مگر ظن غالب سے نمازوں کی تعداد معین کر کے وصیت کرے اگر بغیر تعیین کے وصیت کی تو ورثہ ظنِ غالب سے تعداد معین کر کے حساب لگائیں، اگر ثلثِ مال مقدارِ فدیہ کے مساوی یا کم ہو تو وصیت نافذ کرنا واجب ہے اگر زیادہ ہو تو وصیت باطل ہے۔

اس کا مصرف وہی ہے جو زکوٰۃ کا ہے، ہاشمی اور صاحبِ نصاب کو دینا جائز نہیں۔

قال العلامة الحصكفى رحمه الله تعالیٰ: ولو مات وعليه صلوات فائتة و اوصى بالكفارة يعطى لكل صلوٰة نصف صاع من برّ كالفطرة وكذا حكم الوتر والصوم و انما يعطى من ثلث ماله۔

قال ابن عابدين رحمه الله تعالیٰ: (قوله و انما يعطى من ثلث ماله) اى فلو زادت الوصية على الثلث لايلزم الولى اخراج الزائد الا باجازة الورثة (وبعد سطر) اوصى بصلوات عمره وعمره لايدرى فالوصية باطلة ثم رمز ان كان الثلث لا يفى بالصلوات جاز وان كان اكثر منها لم يجز اھ والظاهر ان المراد لايفى بغلبة

الظن لان المفروض ان عمره لا یدری و ذلک کأن یفی الثلث بنحو عشر سنین مثلا وعمره نحو الثلاثین ووجه هٰذا القول الثانی ظاهر لان الثلث اذا کان لا یفی بصلوات عمره تکون الوصیة بجمیع الثلث یقینا و یلغو الزائد علیه بخلاف ما اذا کان یفی بها و یزید علیها فان الوصیة تبطل لجهالة قدرها بسبب جهالة قدر الصلوات فتدبّر ۔

(رد المحتار ص ۲۹۲ ج ۱)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم ۔
۴ محرم ۹۵ھ

وصیت میں ترکہ کی تہائی کا اعتبار ہے :

سوال : ایک صاحب جو کافی معمر تھے انہوں نے یہ خیال کر کے کہ میرے مرنے کے بعد وارث گڑبڑ نہ کریں اپنی زندگی ہی میں میراث تقسیم کر دی اور حسب حصص شرعیہ سب وارثوں کو دے دیا اور ایک تہائی جس میں ان کو وصیت کا حق تھا الگ کر کے رکھ دیا اور کہا کہ یہ رقم میرے نماز روزوں کے فدیہ کی ہے، اب ان کا انتقال ہوگیا اور وہ رقم فدیہ میں دینے کے لئے رکھی ہوئی ہے، اب سوال یہ ہے کہ یہ سب رقم فدیہ میں دی جائے گی یا اس کے دو تہائی ورثہ کو اور ایک تہائی میں وصیت جاری ہوگی؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر وارثوں نے مورث کی زندگی میں اپنے حصوں پر قبضہ کر لیا ہو تو وہ زندگی ہی میں مورث کی ملک سے نکل گئے، کل ترکہ وہی ثلث رہا جو اس نے وصیت کے لئے رکھا تھا لہٰذا اس سے دو ثلث وارثوں میں بقدر حصص تقسیم ہوں گے اور ایک ثلث میں وصیت جاری ہوگی، البتہ اگر سب وارث عاقل بالغ ہوں اور وہ سب محفوظ داشتہ بطیب خاطر وصیت پر خرچ کرنے پر راضی ہوں تو کل رقم وصیت کے مطابق خرچ کی جا سکتی ہے ۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم ۔

۲۸ جمادی الآخرۃ ۹۵ھ

اقارب کے لئے وصیت :

اگر کوئی شخص اپنے اقارب کے لئے وصیت کرے تو اس میں کون کون داخل ہوں گے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اس میں وہ ذی محرم محرم داخل ہوں گے جو بوقت موت موصی وارث نہ ہوں ۔

قال العلامۃ التمرتاشی رحمہ اللہ تعالیٰ : وان اوصی لاقاربہ او لذی قرابتہ اولارحامہ اولانسابہ فھی للاقرب فالاقرب من کل ذی رحم محرم منہ ولایدخل الوالدان والولد والوارث ویکون للاثنین فصاعدًا (ردالمحتار ص۴۳۹ ج ۵)

وقال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ فی بیان شرائط صحۃ الوصیۃ : وکونہ غیر وارث وقت الموت۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ : (قولہ وقت الموت) ای لاوقت الوصیۃ حتی لو اوصی لاخیہ وھو وارث ثم ولد لہ ابن صحت الوصیۃ للاخ ولو اوصی لاخیہ ولہ ابن ثم مات الابن قبل موت الموصی بطلت الوصیۃ۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔
ردالمحتار ص۴۱۶ ج ۵

۴ ذی الحجہ ۹۵ھ

وصیت ایک ثلث تک ہوسکتی ہے :

سوال : ایک خاتون کا انتقال ہوا جو لاولد تھیں، اس کے ورثہ میں اس کا شوہر اور اس کا ایک بھائی ہے، مرنے سے پہلے اس نے پندرہ ہزار روپے ایک شخص کے پاس امانت رکھ دیئے کہ میری موت کے بعد ان کو کسی کارِ خیر میں لگا دینا، اس کے پاس اس رقم کے علاوہ اور بھی اثاثہ ہے تو کیا اس امانت کی وصیت شرعًا درست ہوگی؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم مُلھم الصواب

اگر یہ رقم کل ترکہ کے ایک ثلث سے زائد نہیں تو اس کی وصیت صحیح ہے ورنہ ایک تہائی تک وصیت کے مطابق خرچ کیا جائے اور باقی وارثوں میں تقسیم کیا جائے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۵ صفر ۹۶ھ

یکے بعد دیگرے دو وصی مقرر کیے تو دونوں اتفاق رائے سے کام کریں گے :

سوال : ایک شخص نے اپنے مال کی حفاظت و تقسیم کے لئے ایک شخص کو وصی مقرر کیا، کچھ عرصہ بعد پہلے کو معزول کیے بغیر دوسرے شخص کو وصی بنایا، دریافت طلب یہ ہے کہ پہلا وصی معزول سمجھا جائے گا یا یہ دونوں شخص وصی ہوں گے؟ اگر دونوں وصی ہوں تو دونوں میں سے ہر ایک انفرادًا تصرف کرنے کا مجاز ہوگا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

دونوں شخص وصی سمجھے جائیں گے، البتہ ہر ایک انفراداً تصرف کرنے کا مجاز نہیں ہوگا، دونوں مل کر تصرف کریں گے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: (وبطل فعل احد الوصیین کالمتولیین) فانہما فی الحکم کالوصیین اشباہ ووقف القنیۃ ومفادہ انہ لو أجر احدھما ارض الوقف لم تجز بلا رأی الآخر وقد صادت واقعۃ الفتوی (ولو) وصلیۃ (کان ایصاؤہ لکل منہما علی الانفراد) وقیل ینفرد قال ابو اللیث وھو الاصح وبہ نأخذ لکن الاول صححہ فی المبسوط وجزم بہ فی الدرر، وفی القھستانی انہ اقرب الی الصواب۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ وقیل ینفرد) قائلہ ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کما سیصرح بہ الشارح والاول قولہما ثم قیل الخلاف فیما لو اوصی الیہما متعاقبا فلو معا بعقد واحد لا ینفرد احدھما بالتصرف بالاجماع وقیل الخلاف فی العقد الواحد اما فی العقدین فینفرد احدھما بالاجماع، قال ابو اللیث وھو الاصح وبہ نأخذ وقیل الخلاف فی الفصلین جمیعا، قال فی المبسوط وھو الاصح وبہ جزم منلا خسرو ومنح ملخصا وذکر مثلہ الزیلعی وغیرہ (قولہ لکن الاول صححہ فی المبسوط الخ) اقول یوھم انہ صحح القول بالانفراد مع انک علمت ان الکلام فی محل الخلاف وان الذی صححہ فی المبسوط ان الخلاف فی الموضعین، ولیس فیہ تصحیح القول بالانفراد ولا لعدمہ نعم ما صححہ ابو اللیث یتضمن تصحیح الانفراد ولو بعقدین لانہ ادعی فیہ الاجماع فتنبہ۔ ویمکن ان یقال ان ما فی المبسوط متضمن ایضا لتصحیح عدم الانفراد فانہ لما صحح ان الخلاف فی الفصلین اثبت ان قول ابی حنیفۃ ومحمد رحمہما اللہ تعالیٰ عدم الانفراد فیہما والعمل فی الغالب علی قول الامام وھو ظاھر اطلاق المتون وصریح عبارۃ المصنف تأمل۔

وقولہ انہ اقرب الی الصواب) لان وجوب الوصیۃ عند الموت فثبت لہما معا بخلاف الوکالۃ المتعاقبۃ فاذن ثبت ان الخلاف فیہما ز یلعی ای فی صورتی الایصاء لہما معا او متعاقبا۔ (رد المحتار ص ۴۴۹ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۵ شوال سنہ ۹۸ھ

وارث کے لئے وصیت جائز نہیں:

سوال: ایک شخص نے اپنی حیات میں ایک وصیت نامہ لکھا، جس میں اس نے اپنے دو بھائیوں کو اپنے ترکہ کی حفاظت اور تقسیم کے لئے وصی لکھا، پھر چند ماہ بعد ایک اور وصیت نامہ لکھا، جس میں اس نے اپنی بیوی اور بیٹی کو وصی لکھا، بھائیوں کے بارے میں کچھ نہیں لکھا، نیز اس نے پہلے وصیت نامہ میں اپنے ایک بھتیجے مسمی خداداد کے لئے لکھا کہ یہ میرے بھائیوں کے ساتھ حصہ میں برابر ہے، لیکن دوسرے وصیت نامہ میں اس کے لئے کچھ نہیں لکھا، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ دوسرا وصیت نامہ پہلے کے لئے ناسخ شمار ہوگا یا نہیں؟ ترکہ کے وصی کون کون ہیں؟ یعنی دو بھائی، بیوی اور بیٹی سب وصی ہیں یا صرف بیوی اور بیٹی؟ نیز خداداد کو کچھ ملے گا یا نہیں؟ اگر ملے گا تو کتنا؟ اور تقسیم کا کیا طریقہ ہوگا؟

الجواب باسم ملهم الصواب

دوسرے وصیت نامہ میں پہلے وصیت نامہ کو منسوخ کرنے کا ذکر نہیں، اس لئے دونوں وصیت نامے معتبر ہوں گے اور دونوں کی تحریر کے مطابق دو بھائی، بیوی اور بیٹی چاروں وصی ہوں گے۔

اگر موصی کی وفات تک کوئی بھائی زندہ رہا تو بھتیجے کو بھائی کے برابر حصہ ملے گا بشرطیکہ کل ترکہ کے ایک ثلث سے زائد نہ ہو، اگر ثلث سے زائد ہو تو بقدر ثلث دیا جائے گا باقی ورثہ میں تقسیم ہوگا۔

اور اگر دونوں بھائی موصی سے پہلے فوت ہوگئے تو اس صورت میں چونکہ بھتیجا وارث ہے اور وارث کے لئے وصیت جائز نہیں، اس لئے اسے بطورِ وصیت کچھ نہ ملے گا۔

بطورِ وصیت بھتیجے کو حصہ ملنے کی صورت میں تقسیم کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ پہلے صرف ورثہ کے حصص کی تخریج کی جائے، پھر ایک بھائی کے حصہ کے برابر موصی لہ بھتیجے کا حصہ لگایا جائے۔ اس عمل سے رأس المال حصص سے کم ہو جائے گا۔ اس لئے بطریق عول ہر وارث کا حصہ بلحاظ تناسب کم کیا جائیگا۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی فی بیان شرائط صحۃ الوصیۃ: وکونہ غیر وارث وقت الموت۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی (قولہ وقت الموت) ای لا وقت الوصیۃ حتی لو اوصی لاخیہ وھو وارث ثم ولد لہ ابن صحت الوصیۃ للاخ ولو اوصی لاخیہ ولہ ابن ثم مات الابن قبل موت الموصی بطلت الوصیۃ زیلعی (رد المحتار ص۴۱۶ ج۵)

واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۲۵ شوال ۹۸ھ

وصیت سے رجوع جائز ہے :

سوال : زید نے حالتِ مرض میں اپنا مکان مسجد کو دے دیا اور سرکاری کاغذات میں لکھوا بھی دیا کہ میں مسجد کو دے چکا ہوں لیکن ابھی مسجد کا قبضہ نہیں ہوا تو کیا زید شرعاً اس وصیت کو باطل کر سکتا ہے یا نہیں، باطل کرنے سے کوئی گناہ تو نہیں ہوگا؟

الجواب باسم ملہم الصواب

وصیت سے رجوع جائز ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ : ولہ ای للموصی الرجوع عنھا بقول صریح او فعل یقطع حق المالک عن الغصب بأن یزیل اسمہ واعظم منافعہ کما عرف فی الغصب۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت قولہ (ولہ الرجوع عنھا) واعلم ان الرجوع فی الوصیۃ علی انواع مایحتمل الفسخ بالقول والفعل کالوصیۃ بعین ومالا یحتملہ الا بالقول کالوصیۃ بالثلث اوالربع فانہ لو باع او وھب لم تبطل وتنفذ الوصیۃ من ثلث الباقی ومالا یحتملہ الا بالفعل کالتدبیر المقید فلو باع صح لکن لو اشتراہ عاد لحالہ الاول ومالا یحتملہ بھما کالتدبیر المطلق اھ ملخصاً من الاتقانی والقھستانی (قولہ اوفعل الخ) ھذا رجوع دلالۃ والاول صریح وقد یثبت ضرورۃ بأن یتغیر الموصی بہ ویتغیر اسمہ (ردالمحتار ص ۴۲۲ ج ۵)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۵ رجب سنہ ۹۹ ھ

صحتِ وصیت کے لئے ورثہ کا بلوغ شرط نہیں :

سوال : ایک عورت کا انتقال ہو گیا اس کے ترکہ میں چھ تولہ سونا ہے۔ ورثہ میں باپ شوہر اور تین بچے ہیں۔ مرتے وقت اس نے یہ وصیت کی کہ میرے ترکہ سے میری قضاء نمازوں کا فدیہ کسی عالم سے پوچھ کر ادا کر دینا، اس کے ذمہ تقریباً ۲۲ نمازیں ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ اس کے ورثہ میں نابالغ بچے بھی شامل ہیں تو کیا اس کے زیور کو بیچ کر تمام نمازوں کا فدیہ اس سے ادا کیا جائے یا بعض کا؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

کل ترکہ کی ایک تہائی سے فدیہ ادا کرنا واجب ہے، اگر اس میں اتنی گنجائش نہ ہو تو زائد

فدیہ ادا کرنا واجب نہیں، بالغ وارث چاہیں تو اپنے حصہ سے دے سکتے ہیں، نابالغ کے حصہ سے دینا جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۳ رذی الحجہ ۹۹ھ

کرایہ کی وصیت:

سوال: ایک شخص کے انتقال کے وقت اس کے ترکہ میں صرف ایک دکان تھی اور ورثہ میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہے۔ دکان کے کرایہ کے بارے میں اس نے یہ وصیت کی کہ میرے برادرزادگان کو دے دیا کرنا۔ کیا یہ وصیت از روئے شرع درست ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ وصیت صحیح ہے، کرایہ کی ایک تہائی برادرزادگان کی حیات تک ان پر برابر تقسیم ہوا کرے گی اور دو تہائی لڑکے اور لڑکی کو ملا کرے گی، برادرزادگان میں سے کسی کا بھی انتقال ہوگیا تو اس کو وصیت میں ملنے والا حصہ بھی لڑکے اور لڑکی کو ملنے لگے گا، اور اگر لڑکے کا انتقال برادرزادگان سے پہلے ہوگیا تو چونکہ اس صورت میں برادرزادگان وارث بن جائیں گے اور وارث کے لئے وصیت جائز نہیں اس لئے یہ وصیت باطل ہوجائے گی اور برادرزادگان کو وصیت کی بجائے بطور وراثت حصہ ملے گا۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ فلا تقسم) ای الدار نفسھا اما الغلۃ فتقسم قال الاتقانی اذا اوصی بغلۃ عبدہ او دارہ سنۃ ولا مال لہ غیرہ فلہ ثلث غلۃ تلک السنۃ لانھا عین مال یحتمل القسمۃ اھ (رد المحتار ص ۴۴۲ ج ۵)

وقال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ فی بیان شرائط صحۃ الوصیۃ: وکونہ غیر وارث وقت الموت۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ وقت الموت) ای لا وقت الوصیۃ حتی لو اوصی لاخیہ وھو وارث ثم ولد لہ ابن صحت الوصیۃ للاخ ولو اوصی لاخیہ ولہ ابن ثم مات الابن قبل موت الموصی بطلت الوصیۃ۔ زیلعی (رد المحتار ص ۴۱۶ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

غرۃ جمادی الاخرۃ سنہ ۱۴۰۰ھ

ایک ظلم عظیم کی اصلاح

سوال : ایک متوفی نے بیوی اور چار بیٹے وارث چھوڑے، پانچویں بیٹے کا متوفی کی حیات میں انتقال ہوگیا تھا، متوفی نے اس بیٹے کے وارثوں کے لئے یوں وصیت کی کہ اس کے بیٹوں میں ہر بیٹے کو جتنا حصہ آئے اس کے برابر پہلے مرنے والے بیٹے کے وارثوں کو دیا جائے۔ اس صورت میں ترکہ کی تقسیم شرعاً کس طرح ہوگی؟

الجواب باسم ملهم الصواب

اس قسم کی وصیت کے مواقع بہت کثرت سے پیش آتے ہیں، اس میں عوام وخواص یوں کرتے ہیں کہ پہلے مرنے والے کو زندہ فرض کرکے بیوی کا حصہ نکالنے کے بعد بقیہ ترکہ سب اولاد پر لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ تقسیم کردیتے ہیں۔

یہ طریق اس لئے غلط ہے کہ وصیت کی وجہ سے بیوی کا حصہ کم نہیں ہوا، حالانکہ شرعاً وصیت تقسیم ترکہ پر مقدم ہے، اس لئے وصیت کی وجہ سے دوسرے ورثہ کی طرح بیوی کا حصہ بھی کم ہونا چاہئے۔ اور اگر پہلے سب اولاد کے حصص کا حساب لگا کر موصی لہم کا حصہ نکال کر بقیہ سے بیوی کو دیں تو زندہ اولاد کا حصہ موصی لہم کے حصہ سے کم ہو جائے گا جو موصی کی مراد کے خلاف ہے۔

صحیح طریقہ یہ ہے کہ پہلے صرف وارثوں کے حصص کی تخریج کی جائے پھر ایک لڑکے کے حصہ کے برابر موصی لہم کا حصہ لگایا جائے، اس عمل سے رأس المال حصص سے کم ہو جائے گا، اس لئے بطریق عول ہر وارث کا حصہ بلحاظ تناسب کم کیا جائے گا۔

طریق مذکور کے مطابق صورت سؤال میں حصص کی تفصیل بحساب فیصد یوں ہوگی:

بیوی کو $10\frac{1}{49}$، ہر لڑکے کو $17\frac{37}{49}$ اور موصی لہم کو $17\frac{37}{49}$ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۷ / ربیع الاول سنہ ۱۴۰۵ھ

مرض الموت میں وارث کے لئے ہبہ جائز نہیں:

سوال : ایک شخص کبھی صحت یاب ہو جاتا ہے، کبھی بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے، اس کی عمر ۱۳۰ سال ہے، اس کی دو لڑکیاں تھیں، ایک کا انتقال ہو چکا ہے، انتقال شدہ لڑکی کی دو لڑکیاں تھیں، ایک لڑکی زندہ ہے، اس کے دو لڑکے تھے جن کا انتقال ہو چکا ہے، البتہ اس کے دو لڑکوں کی اولاد زندہ ہے، والد نے اپنی جائیداد صرف ان لڑکوں کی مذکر اولاد کے

نام کردی ہے، ان لڑکوں کی بہنوں کو اور اپنی صلبی لڑکی کو محروم رکھا ہے۔ کیا از روئے شرع یہ جائز ہے؟ اگر جائز نہیں تو شرعاً تقسیم کیونکر ہوگی جبکہ یہ تقسیم صلبی لڑکی اور صلبی لڑکوں کے لڑکوں اور لڑکیوں کے درمیان ہو؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر اس شخص نے بحالتِ مرض پوتوں کے نام ہبہ کیا اور اسی مرض میں اس کا انتقال ہوگیا تو یہ ہبہ ہوگا، بلکہ تمام ورثہ کو بقدرِ حصص میراث ملے گی، اس لئے کہ مرض الموت میں ہبہ بحکم وصیت ہے اور وصیت وارث کے لئے جائز نہیں۔

البتہ اگر وہ درمیان میں کبھی صحت یاب ہوگیا یا تندرستی کی حالت میں ہبہ کیا اور قبضہ بھی دے دیا تو یہ ہبہ صحیح ہوگیا، مگر بعض کو ہبہ کرنے میں اگر دوسرے ورثہ کا اضرار مقصود ہو تو یہ مکروہ تحریمی ہے، اضرار مقصود نہ ہو اور کوئی وجہ ترجیح بھی نہ ہو تو مکروہ تنزیہی ہے، ذکور واناث میں تسویہ بہتر ہے۔ دینداری، خدمت گزاری، خدماتِ دینیہ کا شغل وغیرہ کوئی وجہ ترجیح ہو تو مکروہ تنزیہی بھی نہیں بلکہ تفاضل مستحب ہے، بے دین اولاد کو محروم کرنا اور زائد مال امورِ دینیہ میں صرف کرنا مستحب ہے۔

ہبہ صحیح نہ ہونے کی صورت میں ترکہ یوں تقسیم ہوگا:

لڑکی کو نصف اور باقی پوتوں اور پوتیوں میں لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ تقسیم ہوگا

تنبیہ: مسئلہ فی نفسہ تو ویسے ہی ہے جیسے اوپر تحریر کیا گیا، مگر زیادہ تر دستور یہ ہوگیا ہے کہ بیٹیوں اور پوتیوں کو مورث کے مرنے کے بعد میراث سے اور زندگی میں ہبہ سے محروم رکھا جاتا ہے، اور اس ظلم عظیم کے لئے عذر یہ پیش کیا جاتا ہے کہ بیٹیاں اور پوتیاں اپنا حصہ چھوڑنے پر راضی ہیں، حالانکہ وہ دستورِ جاہلیت کی بناء پر شرم کی وجہ سے خاموش رہتی ہیں، طیبِ خاطر سے اپنا حصہ نہیں چھوڑتیں، اس لئے ایسا کرنا جائز نہیں۔ بلکہ طیبِ خاطر کا یقین ہونے کی صورت میں بھی چونکہ اس سے رسمِ جاہلیت اور ظلمِ عظیم کی تائید ہوتی ہے، اس لئے جائز نہیں۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ مریض مدیون الخ)

(فروع) وھب فی مرضہ ولم یسلم حتی مات بطلت الھبۃ لانہ وان کان وصیۃ حتی اعتبر فیہ الثلث فھو ھبۃ حقیقۃ فیحتاج الی القبض. (رد المحتار ص۵۱۶ ج ۴)

وقال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ فی بیان شرائط صحۃ الوصیۃ: وکونہ

غیر وارث وقت الموت۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ وقت الموت) ای لاوقت الوصیۃ حتی لو اوصی لاخیہ وھو وارث ثم ولد لہ ابن صحت الوصیۃ للاخ ولو اوصی لاخیہ ولہ ابن ثم مات الابن قبل موت الموصی بطلت الوصیۃ زیلعی۔
(رد المحتار ص۴۱۶ ج ۵)

وقال الامام طاہر بن عبد الرشید البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ: وفی الفتاوی رجل لہ ابن وبنت اراد ان یھب لھما شیئا فالافضل ان یجعل لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الانثیین عند محمد رحمہ اللہ تعالیٰ وعند ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ بینھما سواء ھو المختار لورود الآثار ولو وھب جمیع مالہ لابنہ جاز فی القضاء وھو آثم نص عن محمد رحمہ اللہ تعالیٰ ھکذا فی العیون، ولو اعطی بعض ولدہ شیئا دون البعض لزیادۃ رشدہ لا بأس بہ وان کانا سواء لا ینبغی ان یفضل، ولو کان ولدہ فاسقا فاراد ان یصرف مالہ الی وجوہ الخیر ویحرمہ من المیراث ھذا خیر من ترکہ لان فیہ اعانۃ علی المعصیۃ ولو کان ولدہ فاسقًا لا یعطی لہ اکثر من قوتہ (خلاصۃ الفتاوی ص۴۰۰ ج ۴) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ ۴ ذی القعدہ ۱۳۸۸ھ

وضع حمل تک تقسیم ترکہ کو ملتوی رکھنا بہتر ہے:

سوال: اگر بیوی کے حاملہ ہونے کا احتمال ہو تو کیا وضع حمل تک انتظار کر کے بعد میں لڑکا یا لڑکی جو بھی بچہ پیدا ہو اس کو شریکِ ورثہ کرنا ہوگا یا اسی حال میں ترکہ تقسیم کیا جائے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم مُلہم الصواب

تقسیم ترکہ میں بہتر تو یہ ہے کہ حمل کی پیدائش کا انتظار کیا جائے تاکہ اس کا وارث یا غیر وارث اور مرد یا عورت ہونا ظاہر ہو جائے لیکن اگر انتظار نہ کریں اور پیدا ہونے سے پہلے ترکہ تقسیم کرنا چاہیں تو حمل کے لئے بتقدیر ذکورۃ وانوثۃ جدا جدا دو مسئلے نکالیں حمل کے سوا باقی وارثوں کو جس صورت میں کم ملے وہ ان کو دے کر مسئلہ سے جو باقی بچے وہ حمل کے لئے امانت رکھیں، چونکہ ایک حمل سے زیادہ بچے ہونے کا بھی احتمال ہے اس لئے بہتر ہے کہ وارثوں سے ضامن لے لیا جائے۔ پیدائش کے بعد اگر کل امانت اس کو مل جائے تو فبہا ورنہ اس کی وجہ سے جن ورثہ کو کم حصہ ملا تھا،

ان کا حصہ اس سے پورا کیا جائے گا۔

قال فی الھندیۃ عن الاختیار شرح المختار وان کان لا یحجبھم ولکن یشارکھم بان ترك بنین وبنات وحملا روی الخصاف رحمہ اللہ تعالیٰ عن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ وھو قولہ انہ یوقف نصیب ابن واحد وعلیہ الفتوی (عالمگیریہ ص۴۵۶ ج ۶)

تخریج حصص کا طریقہ رسالہ "تسہیل المیراث" میں ہے (یہ رسالہ "احسن الفتاوی" کی اسی جلد کے آخر میں ہے۔ مرتب) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۷ صفر ۸۹ھ

پراویڈنٹ فنڈ میں وراثت جاری ہوگی:

سوال: پراویڈنٹ فنڈ میں وراثت جاری ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

پراویڈنٹ فنڈ دراصل تنخواہ ہی کا ایک حصہ ہوتا ہے، لہٰذا اس میں بھی وراثت جاری ہوگی۔ پراویڈنٹ فنڈ کے احکام کی مکمل تفصیل رسالہ "پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ اور سود کا حکم" مندرجہ احسن الفتاوی ج ۷، باب الربا والقمار میں ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۶ جمادی الاولیٰ ۹۳ھ

پنشن کی رقم کا حکم:

ایک شخص نے وصیت لکھی یا حکومت کو لکھ کر دیا کہ اس کے مرنے کے بعد اس کی پنشن اس کی بیوی کو دی جائے تو اس کا کیا حکم ہے، ساری رقم بیوی کو ملے گی یا دوسرے ورثہ بھی اس میں شریک ہوں گے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

پنشن تنخواہ کا جزء نہیں بلکہ حکومت کی طرف سے انعام وتبرع ہے، اس لئے اس میں یہ تفصیل ہے:

جو رقم اس شخص کی حیات میں اس کے قبضہ میں آگئی یا اس کے نام جمع کردی گئی وہ اس کا مالک ہوگیا، لہٰذا اس میں وراثت جاری ہوگی اور سب ورثہ میں بقدر حصص تقسیم ہوگی، بیوی چونکہ وارث ہے اور وارث کے لئے وصیت جائز نہیں، اس لئے اس کے لئے کی گئی وصیت کا کوئی اعتبار نہیں۔

جو رقم نہ اس کے قبضہ میں آئی، نہ اس کے نام جمع ہوئی وہ اس کا مالک نہیں ہوا، لہٰذا اس میں وراثت

جاری نہیں ہوگی، بلکہ وہ حکومت کی صوابدید پر ہے جس کو چاہے دے، دوسرے ورثہ کا اس میں کوئی حق نہیں۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ فی شرائط صحۃ الوصیۃ: وکونہ غیر وارث وقت الموت۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ وقت الموت) ای لا وقت الوصیۃ حتی لو اوصی لاخیہ وھو وارث ثم ولد لہ ابن صحت الوصیۃ للاخ ولو اوصی لاخیہ ولہ ابن ثم مات الابن قبل موت الموصی بطلت الوصیۃ، زیلعی۔ (رد المحتار ص ۴۱۶ ج ۵)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ ۲۹ ذی الحجۃ ۱۴۱۸ھ

بیوی کے نکاحِ ثانی سے اس کا حقِ وراثت ساقط نہیں ہوتا:

سوال: زید کا انتقال ہوگیا، اس کی زوجہ نے دوسرا نکاح بعد العدۃ کرلیا تو کیا عورت زید سے میراث پانے کی حقدار ہوگی یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ عورت بھی زید کے دوسرے ورثہ کی طرح زید کی وارث ہوگی، دوسرے نکاح سے حق میراث ختم نہیں ہوتا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۵ رجب ۹۳ھ

زندگی میں بعض ورثہ کو حصہ وراثت دینا:

سوال: علم خان نے اپنی زندگی میں معتبر افرادِ قبیلہ کی موجودگی میں اپنے بیٹے محمد شریف کو اپنی زمین کا کچھ محدود حصہ دے دیا اور علم خان نے محمد شریف کو لکھ کر بھی دیا کہ یہ حصہ تمہارا ہے میں اس میں دخل اندازی نہیں کروں گا اور باقی حصہ میں تم مداخلت نہ کرنا، چند روز بعد علم خان کا انتقال ہوگیا اور اب محمد شریف باقی حصہ میں بھی مطالبہ کرتا ہے مگر اس کے دوسرے بھائیوں کا کہنا ہے کہ یہ حصہ ہمارا ہے تمہیں اس میں سے کچھ نہ ملے گا، تمہارا حصہ وہی ہے جو کہ علم خان نے زندگی میں تمہیں دے دیا تھا، اب مندرجہ ذیل امور کا جواب مطلوب ہے:

① محمد شریف کے لئے باقی جائیداد میں کچھ حق ہے یا نہیں؟

② جو حصہ علم خان نے زندگی میں محمد شریف کو دے دیا تھا کیا محمد شریف اس کا مالک ہے

یا اسے تمام ورثہ میں تقسیم کیا جائے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم مُلهم الصّواب

① باقی جائیداد سے محمد شریف کو حصۂ میراث پورا ملے گا۔

② علم خان نے اپنی زندگی میں محمد شریف کو جو حصہ دیا تھا اس کے بارے میں یہ تفصیل ہے:

اگر علم خان نے اپنی زندگی میں مرض الموت سے قبل محمد شریف کو اس زمین کا مالک بنا دیا ہو اور محمد شریف نے اس پر علم خان کی زندگی میں قبضہ بھی کر لیا ہو تو اس صورت میں علم خان کے انتقال کے بعد محمد شریف اس حصہ کا واحد مالک ہوگا، دوسرے بھائی اس میں شریک نہ ہوں گے۔

اگر محمد شریف نے علم خان کی زندگی میں اس پر قبضہ نہ کیا ہو تو یہ ہبہ صحیح نہ ہوا۔ اگر علم خان نے مرض الموت میں ہبہ کیا ہو تو یہ بحکم وصیت ہے اور وارث کے لئے وصیت جائز نہیں۔ لہذا ان آخری دونوں صورتوں میں محمد شریف اکیلا مالک نہ ہوگا بلکہ تمام ورثہ شریک ہوں گے۔

قال العلامة الحصکفی رحمه الله تعالیٰ: وشرائط صحتها فی الموهوب ان یکون مقبوضا غیر مشاع ممیزا غیر مشغول (رد المحتار ص۵۰۸ ج ۴)

وقال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: (قوله مریض مدیون الخ) (فروع) وهب فی مرضه ولم یسلم حتی مات بطلت الهبة لانه وان کان وصیة حتی اعتبر فیه الثلث فهو هبة حقیقةً فیحتاج الی القبض (رد المحتار ص۵۱۶ ج ۴)

قال العلامة الحصکفی رحمه الله تعالیٰ فی شرائط صحة الوصیة: وکونه غیر وارث وقت الموت.

وقال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: (قوله وقت الموت) ای لا وقت الوصیة حتی لو اوصی لاخیه وهو وارث ثم ولد له ابن صحت الوصیة للاخ ولو اوصی لاخیه وله ابن ثم مات الابن قبل موت الموصی بطلت الوصیة زیلعی.

(رد المحتار ص۴۱۶ ج ۵)

والله سبحانه وتعالیٰ اعلم.

۸ ربیع الاول س۹۴ھ

لاوارث کی امانت کا حکم:

سوال: زید نے تین ہزار روپے بطور امانت بکر کے پاس رکھے، زید کا انتقال ہوگیا، اس کا

کوئی شرعی وارث نہیں، اب اس رقم کو مسجد یا مدرسہ میں لگایا جائے یا کسی فقیر پر صدقہ کیا جائے شرعاً بہتر مصرف کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم مُلہم الصواب

اس رقم کا صحیح مصرف بیت المال ہے، اس زمانہ میں چونکہ بیت المال کا انتظام نہیں لہٰذا اس کا مصرف مساکین ہیں، مسجد یا مدرسہ میں لگانا جائز نہیں، مسکین کی ملک میں دینا لازم ہے، طلبہ و مجاہدین کو دینا زیادہ باعثِ اجر ہے۔

قال العلامۃ التمرتاشی رحمہ اللہ تعالیٰ: ثم المقر لہ بنسب لم یثبت ثم الموصی لہ بما زاد علی الثلث ثم فی بیت المال (رد المحتار ص۴۸۷ ج ۵)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ ۱۸ ذی القعدہ ۹۵ھ

اولاد کو محروم کرنا:

سوال: ایک شخص کے دو لڑکے اور ایک بیوی ہے، اس کی ملک میں کچھ جائیداد ہے، لڑکوں نے اپنے والد کو ناحق گھر سے نکال دیا ہے، والد اب یہ چاہتا ہے کہ اپنی جائیداد کو اس غرض سے فروخت کر دے کہ اپنے لڑکوں کو میراث سے کچھ نہ مل سکے، کیا اس کے لئے شرعاً ایسا کرنا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم مُلہم الصواب

بے دین اولاد کو بقدر قوت سے زائد دینا خلافِ اولیٰ ہے، لہٰذا اپنے مصارف کے لئے یا کسی کارِ خیر میں لگانے کی نیت سے جائیداد فروخت کرنا جائز بلکہ مستحب ہے۔

قال الامام طاہر بن عبد الرشید البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ: ولو کان ولدہ فاسقاً فاراد ان یصرف مالہ الی وجوہ الخیر ویحرمہ عن المیراث ھذا خیر من ترکہ لان فیہ اعانۃ علی المعصیۃ، ولو کان ولدہ فاسقاً لا یعطی لہ اکثر من قوتہ۔

(خلاصۃ الفتاوی ص۴۰۰ ج ۴)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۴ ذی الحجۃ ۹۶ھ

نکاحِ فاسد وباطل میں وراثت:

سوال: زید نے ایک بیوہ عورت ہندہ سے اس کے ایام عدت میں نکاح کیا، اس نکاح

سے ایک لڑکی مریم پیدا ہوئی، کیا یہ نکاح جائز ہے؟ ہندہ اور مریم زید کے مال سے وراثت پائیں گی یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

نکاح معتدۃ الغیر فاسد ہے اور نکاح فاسد میں بیوی وارث نہیں ہوتی۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: و یستحق الارث برحم و نکاح صحیح فلا توارث بفاسد ولا باطل اجماعاً (رد المحتار ص۴۸۶ ج ۵)

البتہ نکاحِ فاسد سے نسب ثابت ہو جاتا ہے لہٰذا مریم وارث ہوگی۔

نکاحِ فاسد اور باطل میں فرق کی تفصیل رسالہ "القول الفاصل بین النکاح الفاسد والباطل" مندرجہ "احسن الفتاوی ص۳۹۱ ج ۵" میں ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۴؍ ذی الحجہ سنہ ۹۶ھ

وقتِ نکاح سے چھ ماہ کے اندر پیدا ہونے والی اولاد وارث نہیں:

سوال: عمرو نے ایک بیوہ عورت سے نکاح کیا، نکاح سے ایک ماہ بعد اس عورت کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی، پہلے شوہر کے انتقال کو تین سال گزر چکے ہیں، اب یہ لڑکی کس کی شمار ہوگی؟ بیوی اور بچی کو عمرو سے میراث ملے گی یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم مُلہم الصواب

لڑکی وارث نہیں ہوگی، اس لئے کہ اقل مدتِ حمل چھ ماہ ہے اور اکثر مدت دو سال ہے لہٰذا یہ لڑکی نہ پہلے شخص کی ہے نہ دوسرے کی۔ البتہ عورت کو میراث ملے گی۔

قال فی الھندیۃ: الحمل یرث و یوقف نصیبہ باجماع الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھم فان ولد الی سنتین حیا ورث و ھٰذا اذا کان الحمل من المیّت فاما اذا کان من غیر المیت کما اذا مات و امّہ حامل من غیر ابیہ و زوجھا حیّ فان جاءت بہ لاکثر من ستّۃ اشھر لا یرث لاحتمال حدوثہ بعد الموت فلا یرث بالشك الا ان یقرّ الورثۃ بحملھا یوم الموت فان جاءت بہ لاقل من ستّۃ اشھر فانہ یرث (عالمکیریہ ص۴۵۵ ج ۶) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۶؍ ذی الحجۃ سنہ ۹۶ھ

عاق کرنے سے میراث سے محروم نہ ہوگا:

سوال: ایک شخص اپنے کسی بیٹے سے کہتا ہے کہ جا میں نے تجھے عاق کر دیا، خصوصًا یہ رواج کراچی اور سرحد کے دیہاتی علاقوں میں ہے، پھر اس بیٹے کو وراثت سے کوئی حصہ نہیں دیتے۔ اگر والد اسی حالت میں مرجائے تو عاق بیٹا دوسرے بھائیوں سے حصۂ میراث طلب کرتا ہے، بھائی کہتے ہیں کہ والد نے تجھے عاق کر دیا تھا اس لئے ہمارے پاس تمہارا کوئی حصہ نہیں، کیا ان کا یہ کہنا صحیح ہے اور کیا وہ بیٹا میراث سے واقعۃً محروم ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

عاق دو معنی میں مستعمل ہے، ایک معنی شرعی دوسرے معنی عرفی، شرعی معنی تو یہ ہیں کہ اولاد والدین کی نافرمانی کرے۔ سو اس معنی کے تحقق میں والد کے عاق کرنے یا نہ کرنے کو کوئی دخل نہیں، جو بھی والدین کا نافرمان ہو وہ عند اللہ عاق ہوگا یعنی عاصی و مرتکب گناہ کبیرہ، حرمان میراث اس پر مرتب نہیں ہوتا۔

معنی عرفی یہ ہیں کہ کوئی شخص اپنی اولاد کو نافرمانی کی وجہ سے محروم الارث کر دے۔ شرعًا اس کا کوئی اعتبار نہیں، اس سے اولاد کا حقِ ارث باطل نہیں ہو سکتا، کیونکہ وراثت ملک اضطراری و حقِ شرعی ہے، اس کا ثبوت بلا قصد مورث و وارث ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"یُوْصِیْکُمُ اللّٰهُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ"

لام استحقاق کے لئے ہے، سو جب اللہ تعالیٰ نے حقِ وراثت مقرر فرما دیا تو اس کو کون باطل کر سکتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خرید کر آزاد کرنے کا ارادہ فرمایا تو ان کے موالی نے شرط لگائی کہ ولاء ہماری رہے گی، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کی شرط باطل ہے اور ولاء معتق کی ہے۔

ولاء حق ضعیف ہے، جیسا کہ حدیث الولاء لحمۃ کلحمۃ النسب میں کافِ تشبیہ سے ظاہر ہے، جب حق ضعیف نفی کرنے سے منتفی نہیں ہوتا تو حق نسب جو اقوی ہے نفی کو کیسے قبول کر سکتا ہے؟

نیز فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے جو موانعِ ارث بیان فرمائے ہیں، ان میں عاق کرنے کا ذکر نہیں

البتہ اولاد میں سے کوئی واقعۃً بے دین اور والدین کا نافرمان ہو اور والدین اسے میراث سے محروم کرنا چاہتے ہوں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ زندگی میں مرض الموت سے پہلے اپنی تمام جائیداد کسی کو ہبہ کرکے یا مصارفِ خیر میں وقف کرکے اپنی ملک سے خارج کردے۔

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا انہا ارادت ان تشتری بریرۃ للعتق وانہم اشترطوا ولاءہا فذکرت ذلک لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشتریہا واعتقیہا فان الولاء لمن اعتق (النسائی)

قال العلامۃ التمرتاشی رحمہ اللہ: وموانعہ الرق والقتل واختلاف فی الدارین حقیقۃ اوحکمًا (رد المحتار ص۴۹۱ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۳ محرم ۹۸ھ

ملازم کے انتقال کے بعد ملنے والی رقم:

سوال: زید سرکاری فوجی یا غیر فوجی ملازم ہے، جنگ میں یا ویسے دورانِ ملازمت وفات پاجاتا ہے تو زید کی جمع شدہ رقم یا فوری امداد یا بنام کفن دفن والد، والدہ یا بیوی، بیٹے کے نام حکومت کچھ رقم ارسال کرتی ہے، اس کے بعد زید کی بیوی، والد، ماں اور بیٹے کے نام مستقل امدادی فنڈ یا پنشن جاری کرتی ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مجموعہ جمع شدہ رقم، فوری امدادی فنڈ، پنشن جس کے نام آئے اس میں سارے ورثہ بحیثیت میراث شریک ہیں یا صرف جس کے نام حکومت جاری کرے؟ یا جمع شدہ رقم اور فوری امداد میں سارے ورثہ مشترک ہیں اور امدادی فنڈ اور پنشن کا الگ حکم ہے؟ کہ جس نام پر حکومت کی طرف سے جاری ہوجائے اسی کو ملے گی باقی ورثہ اس سے محروم ہیں؟ دلائل سے تشفی فرمائیں بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

سوال میں تین قسم کی رقم تحریر ہے، تینوں کا حکم جدا ہے جس کی تفصیل یہ ہے:

① زید کی زندگی میں اس کی جمع شدہ رقم یا مرنے کے بعد وصول ہونے والی تنخواہ۔

یہ رقم زید کی ملک ہے اس لئے اس میں زید کے سب ورثہ بقدرِ حصص شریک ہیں۔

② بنام کفن دفن ملنے والی رقم۔ یہ رقم حکومت کی ملک ہے، کفن دفن کے مصارف وضع کرکے جو کچھ بچ جاتا ہے اس کا اصل حکم یہ ہے کہ حکومت کو واپس کردیا جائے مگر عرفًا ایسی رقم واپس لینے کا دستور نہیں، بلکہ جو شخص کفن دفن کا متولی ہو اسی کو دی جاتی ہے۔ اگر سب وارث کفن دفن

میں شریک تھے تو جس کو حکومت نے دی ہے اسی کو ملے گی۔

③ انتقال کے بعد ملنے والی پنشن۔ یہ رقم زید کی ملک نہیں بلکہ حکومت کی جانب سے زید کے ورثہ پر تبرّع ہے، لہٰذا اس میں حکومت مختار ہے جسے چاہے دے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۹ ربیع الاول ۹۸ھ

مفقود کی وراثت کا حکم :

سوال : ایک عورت کا انتقال ہوگیا اس کے ورثہ میں صرف اس کا ایک حقیقی چچا محمد اسمٰعیل رہ گیا ہے جو کہ عرصہ تیس سال سے لاپتہ ہے کچھ علم نہیں کہ وہ مرچکا ہے یا زندہ ہے، مرحومہ کی نہ اولاد ہے اور نہ والدین وغیرہ، البتہ ایک شخص جس کا نام سائیں محمد ہے جو مرحومہ کے دادا کے بھائی کا پوتا کہلاتا ہے، وہ زندہ ہے آیا اس کی میراث کا حقدار اس کا وہ مفقود چچا ہی ہوگا یا اس کے دادا کے بھائی کا پوتا بھی ؟

اور شریفیہ شرح سراجی کی اس عبارت کا کیا مطلب ہے ؟ :

المفقود حیّ فی مالہ حتی لا یرث منہ احد ومیت فی مال غیرہ حتی لا یرث من احد لثبوت حیاتہ باستصحاب الحال وھو معتبر فی البقاء ما کان علی ما کان دون اثبات ما لم یکن الخ (ص ۱۵۱) بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

جب مفقود کی عمر نوّے برس ہوجائے تو اپنے مال میں مردہ سمجھا جائے گا اور اس کا مال اس وقت موجود وارثوں پر تقسیم ہوگا، نوے برس کی عمر ہونے سے پہلے اپنے مال میں زندہ ہے لہٰذا اس زمانہ میں کوئی شخص اس کے مال میں دخیل کار نہیں ہوسکتا اور غیر کے مال میں جب سے مفقود ہوا اس وقت سے مردہ متصور ہوگا یعنی اگر کوئی شخص اس کے مفقود ہونے کے بعد مرگیا تو یہ مفقود اس کا وارث نہ ہوگا اگرچہ مفقود کی عمر ابھی تک نوے برس نہ ہوئی ہو مگر چونکہ غیر کے مال میں بھی مردہ ہونے کا حکم نوے برس کی عمر کے بعد ہی ظاہر ہوتا ہے، اس سے پہلے اس کے واپس آکر وارث بن جانے کا احتمال ہے اس لئے اس میت کے مال سے مفقود کا حصہ امانت رکھا جائے گا، اگر واپس آگیا تو اس کو مل جائے گا ورنہ نوے برس عمر ہوجانے کے بعد جس میت کے مال سے امانت رکھا تھا اسی کے وارثوں پر لوٹایا جائے گا جو میت کے انتقال کے وقت زندہ تھے موجودہ وارثوں کا اعتبار نہیں اور نہ ہی مفقود کے وارثوں کا اس میں کوئی حق ہے۔

قال العلامۃ التمرتاشی رحمہ اللہ تعالیٰ : ھو (ای المفقود) غائب لم یدر احیّ ھو فیتوقع ام میّت اودع اللحد البلقع وھو فی حق نفسہ حیّ فلا ینکح عرسہ غیرہ ولا یقسم مالہ (الی قولہ) و میت فی حق غیرہ فلا یرث من غیرہ ولا یستحق ما اوصی لہ اذا مات الموصی بل یوقف قسطہ الی موت اقرانہ فی بلدہ علی المذھب فان ظھر قبلہ حیًا فلہ ذلک و بعدہ یحکم بموتہ فی حق مالہ یوم علم ذلک فتعتد عرسہ للموت و یقسم مالہ بین من یرثہ الاٰن و فی مال غیرہ من حین فقدہ فیرد الموقوف لہ الی من یرث مورثہ عند موتہ۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ : (قولہ وھو فی حق نفسہ حی) مقابلہ قولہ الاٰتی ومیت فی حق غیرہ وحاصلہ انہ یعتبر حیًّا فی حق الاحکام التی تضرہ وھی المتوقفۃ علی ثبوت موتہ ویعتبر میتًا فیما ینفعہ و یضرّ غیرہ وھو ما یتوقف علی حیاتہ لان الاصل انہ حی و انہ الی الاٰن کذلک استصحابًا بالحال السابق والاستصحاب حجۃ ضعیفۃ تصلح للدفع لا للاثبات ای تصلح لدفع ما لیس بثابت لا لاثباتہ (ردالمحتار ص۳۲۸ ج ۳)

و قال ایضًا : (قولہ علی المذھب) وقیل یقدر بتسعین سنۃ بتقدیم التاء من حین ولادتہ واختارہ فی الکنز وھو الارفق ھدایۃ وعلیہ الفتوی (ردالمحتار ص۳۳۱ ج ۳)

حصص کی تخریج کا طریقہ رسالہ "تسہیل المیراث" میں ہے۔ (یہ رسالہ "احسن الفتاوی" کی اسی جلد کے آخر میں ہے، مرتب) واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۱۳ صفر ۹۹ھ

وراثت میں مال حرام ملنے کا حکم :

سوال : زید نے کسب حرام سے کچھ مال حرام حاصل کیا تھا، اس کے انتقال کے بعد اس کے ورثہ کے لئے وہ مال حلال ہوگا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جس طرح زید کے لئے یہ مال حرام تھا، اسی طرح اس کے ورثہ کے لئے بھی حرام ہوگا، اگر اس مال کا مالک معلوم ہے تو اس پر رد واجب ہے، ورنہ تصدق علی الفقراء واجب ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: والحاصل انہ ان علم ارباب الاموال وجب ردہ علیھم والا فان علم عین الحرام لا یحل لہ ویتصدق بہ بنیۃ صاحبہ وان کان مالاً مختلطاً مجتمعا من الحرام ولا یعلم اربابہ ولا شیئا منہ بعینہ حل لہ حکماً، والاحسن دیانۃ التنزہ عنہ (وبعد اسطر) لکن فی المجتبی مات وکسبہ حرام فالمیراث حلال. ثم رمز وقال لا نأخذ بھذہ الروایۃ وھو حرام مطلقا علی الورثۃ فتنبہ اھ ح. ومفادہ الحرمۃ وان لم یعلم اربابہ وینبغی تقییدہ بما اذا کان عین الحرام لیوافق ما نقلناہ اذ لو اختلط بحیث لا یتمیز یملکہ ملکا خبیثا لکن لا یحل لہ التصرف فیہ مالم یؤد بدلہ کما حققناہ قبیل باب زکوٰۃ المال فتأمل.

(رد المحتار ص۱۳۰ ج ۴) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم.

۱۰ ربیع الاول ۹۹ھ

زندگی میں وراثت کی تقسیم :

سوال : زید نے اپنی زندگی میں تمام مال وجائیداد اپنی اولاد میں شرعی حصص کے مطابق تقسیم کردی تو زید کی زوجہ کے لئے کیا حکم ہے، یہ کون سے مکان میں سکونت اختیار کرے گی جبکہ مکان اولاد کے حصہ میں آجائے گا؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملھم الصواب

اگر بیوی کو کچھ نہیں دیا تو گنہگار ہوگا، نیز زندگی میں وراثت کی تقسیم نہیں ہوتی بلکہ یہ ہبہ ہے اور اولاد کو کم وبیش ہبہ کرنے میں تفصیل ذیل ہے :

① اگر دوسروں کا اضرار مقصود ہو تو مکروہ تحریمی ہے۔

② اگر اضرار مقصود نہ ہو اور کوئی وجہ ترجیح بھی نہ ہو تو مکروہ تنزیہی ہے، ذکور واناث میں تسویہ مستحب ہے۔

③ دین داری، خدمت گزاری، خدماتِ دینیہ کا شغل یا احتیاج وغیرہ وجوہ کی بناء پر تفاضل مستحب ہے۔

④ بے دین اولاد کو بقدرِ قوت سے زیادہ نہیں دینا چاہیئے، ان کو محروم کرنا اور زائد مال امور دینیہ میں صرف کرنا مستحب ہے۔

اگر مکان متعدد ورثہ کو مشترک طور پر ہبہ کیا ہے اور یہ مکان قابلِ تقسیم ہے یا اس کا

قبضہ اولاد کو نہیں دیا تو یہ ہبہ صحیح نہیں ہوا، ہاں اگر مکان قابلِ تقسیم نہیں اور قبضہ بھی دے دیا یعنی ان کے تصرف واختیار میں دے دیا تو ہبہ صحیح ہوگیا۔ اگر وہ اپنی رضا سے اس کی بیوی کو اس مکان میں رہنے دیں تو کوئی مضایقہ نہیں۔

قال الامام طاہر بن عبد الرشید البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ: وفی الفتاوی رجل لہ ابن وبنت اراد ان یھب لھما شیئا فالافضل ان یجعل لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ عند محمد رحمہ اللہ تعالیٰ وعند ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ بینھما سواء ھو المختار لورود الآثار، ولو وھب جمیع مالہ لابنہ جاز فی القضاء وھو اٰثم نص عن محمد رحمہ اللہ تعالیٰ ھکذا فی العیون، ولو اعطی بعض ولدہ شیئا دون البعض لزیادۃ رشدہ لا بأس بہ وان کانا سواء لا ینبغی ان یفضل، ولو کان ولدہ فاسقا فاراد ان یصرف مالہ الی وجوہ الخیر ویحرمہ عن المیراث ھٰذا خیر من ترکہ لان فیہ اعانۃ علی المعصیۃ، ولو کان ولدہ فاسقا لا یعطی لہ اکثر من قوتہ (خلاصۃ الفتاوی ص ج ۴) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۶ر جمادی الاولیٰ ۹۹ھ

بعض ورثہ کا میت پر کسی کے دین کا اقرار:

سوال: ایک شخص کا انتقال ہوا، اس کے والدین کا کہنا ہے کہ اس پر قرض بھی ہے، لہٰذا پہلے وہ ادا کیا جائے پھر میراث تقسیم ہو حالانکہ واقعہ اس کے خلاف ہے، ایسی حالت میں کیا صورت اختیار کی جائے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جس قرض پر دو معتبر گواہ ہوں وہ بہر صورت ادا کیا جائے گا اور جس پر گواہ نہ ہوں وہ صرف ان وارثوں کے حصہ سے دیا جائے گا جو اس کا اقرار کرتے ہیں، جو اقرار نہیں کرتے ان کے حصہ پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑے گا، قرض میں بیوہ کا مہر بھی شمار کیا جائے گا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۸ر جمادی الثانیہ ۹۹ھ

مسلمان اور ذکری کے مابین وراثت جاری نہیں ہوتی:

سوال: ایک شخص مسمّی عثمان جس کا تعلق ذکری مذہب سے ہے، اس کا ایک بھائی محمد موسیٰ وہ بھی پہلے ذکری تھا، اب اس نے ذکری مذہب سے توبہ کرلی ہے، اس کے بھائی عثمان کا انتقال ہوگیا

اس کے باقی سب ورثہ ذکری ہیں، صرف ایک بھائی مسلمان ہے کیا محمد موسی کو اپنے بھائی سے میراث مل سکتی ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم مُلهِم الصواب

ذکری غیر مسلم اور زندیق ہیں اور مسلم و کافر میں سے کوئی ایک دوسرے کا وارث نہیں ہوسکتا، لہٰذا محمد موسیٰ کو وراثت نہیں ملے گی۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالیٰ: وموانعه الرق والقتل واختلاف الدين اسلاماً وكفراً (رد المحتار ص۴۸۹ ج ۵) والله سبحانه وتعالیٰ اعلم۔

۲۹ رجب سنہ ۹۹ھ

تقسیم ترکہ سے پہلے صدقہ وخیرات کرنا:

سوال: میرے ایک دوست کا انتقال ہوگیا، انہوں نے ایک بیوہ اور کچھ سامان چھوڑا ہے، معمولی کپڑوں کو ان کی بیوہ نے خیرات کردیا ہے، کچھ قیمتی استعمال کے کپڑے رہ گئے ہیں، ان کی بیوہ یہ دریافت کرنا چاہتی ہے کہ ان کو بھی خیرات کردیا جائے یا ان کے دوسرے قریبی عزیز ان کپڑوں کو استعمال میں لائیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم مُلهِم الصواب

تقسیم ترکہ سے قبل میت کی کسی چیز کا خیرات کرنا جائز نہیں، ترکہ کی ہر چیز میں ہر وارث کا حق ہے، تقسیم کے بعد جو وارث جتنا چاہے خیرات کرے، البتہ اگر اس کے ورثہ میں بیوہ کے سوا کوئی قریب یا بعید وارث نہیں تو بیوی کو ہر قسم کے تصرف کا حق ہے۔ والله سبحانه وتعالیٰ اعلم

۱۹ شوال سنہ ۹۹ھ

کلالہ پر ایک اشکال کا جواب:

سوال: ولد الام کے استحقاق کی شرط یہ ہے کہ میت کلالہ ہو، جب ام یا بنت موجود ہو تو میت کلالہ نہیں، اب سوال یہ ہے کہ بنت کے ساتھ ولد الام محروم ہے اور ام کے ساتھ ولد الام وارث ہے، یہ معاملہ کیوں اور کیسے ہوا؟ اس سے معلوم ہوا کہ ماں کی موجودگی میں میت کلالہ نہیں (بیان القرآن، تنویر الایمان سندھی، تفسیرات احمدیہ، روح البیان وغیرہ) بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم مُلهِم الصواب

کلالہ کی ماثور ومشہور تفسیر یہ ہے: من لا ولد له ولا والد وهو مأثور عن ابي بكر وعمر

وابن عباس وعلی وابن مسعود وزید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنھم وبه يقول الشعبی والنخعی والحسن وقتادہ وجابر بن زید والحکم وبه يقول اهل المدینة واهل الکوفة والبصرة وهو قول الفقهاء السبعة والائمة الاربعة وجمهور السلف والخلف بل جميعهم وقد حکی الاجماع علیه غیر واحد وورد فیه حدیث مرفوع (تفسیر ابن کثیر ص۴۳۶ ج۱)

اس تفسیر میں لفظ والد کا مفہوم متبادر صرف والد ہے، والدہ کو شامل نہیں۔

② اس آیت میں عدم ام کی صورت کا حکم مذکور ہے اور مفہوم مخالف حجت نہیں اس لئے وجود ام کی صورت سے آیت ساکت ہے جس کا حکم اجماع سے ثابت ہے۔

③ جن کے ہاں مفہوم مخالف حجت ہے وہ بھی یہاں مفہوم مخالف کے خلاف انعقاد اجماع کی وجہ سے مفہوم کے قائل نہیں۔

قال العلامة الآلوسی رحمه الله تعالیٰ: ولا یضر عند من لم یقل بالمفهوم جریانه فی صورة الام او الجدة مع ان قرابتهما لیست بطریق الکلالة وکذا لا یضر عند القائل به ایضاً للاجماع علی ذلك (روح المعانی ص۲۳۱ ج۴)

اسی طرح سورۂ نساء کے آخر میں اخوات عینیہ وعلّیہ کی توریث میں قید عدم الولد پر اشکال ہوتا ہے کہ ولد بنت کو بھی شامل ہے حالانکہ بنت سے اخوات محروم نہیں ہوتیں بلکہ عصبہ ہو جاتی ہیں، اس کے جوابات یہ ہیں:

① یہ قید اعطاء نصف وثلثین کے لئے ہے وجود بنت کی صورت میں نصف وثلثان کا حکم نہیں بلکہ اخوات عصبہ مع الغیر ہوتی ہیں۔

② یہاں ولد سے ابن مراد ہے بقرینة ما بعده وهو قوله تعالیٰ: وهو یرثها ان لم یکن لها ولد۔

فان البنت لا تحجب الاخ۔ اس تقیید پر حدیث اجعلوا الاخوات مع البنات عصبة بھی شاہد ہے، یہ حدیث مشہور ہے اس لئے اس سے تقیید قرآن صحیح ہے اور اگر اس کا خبر واحد ہونا تسلیم کر لیا تو بھی اس کے مطابق انعقادِ اجماع کی وجہ سے اس سے تقیید قرآن صحیح ہے۔ یہ تقیید مفہومِ کلالہ کے خلاف نہیں بلکہ موافق ہے اس لئے کہ کلالہ کی تفسیر مذکور میں اصول کی طرف ذکور مراد ہونے کا تبادر قرینہ ہے کہ فروع کی طرف بھی ولد ذکر مراد ہے واللہ سبحانه وتعالیٰ اعلم۔

غرہ رجب سنہ ۱۴۰۱ھ

وصی یا وارث کفن دفن کے مصارف ترکہ سے لے سکتا ہے:

سوال: بکر کا انتقال ہوا، اس نے ایک بیوی، دو لڑکے اور ایک لڑکی وارث چھوڑے، بکر کے کفن دفن کا انتظام اس کی لڑکی نے اپنے پاس سے کیا، نیت یہ تھی کہ ترکہ سے وصول کر لے گی۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ لڑکی کفن دفن کے مصارف ترکہ سے لے سکتی ہے یا نہیں؟ خرچ کرتے وقت کسی کو گواہ بنانا ضروری ہے یا نہیں؟ اسی طرح اگر وصی کفن دفن پر خرچ کرے تو کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم مُلهم الصّواب

وصی یا وارث اگر کفن دفن اپنے مال سے کرے تو ترکہ سے وصول کر سکتا ہے، خواہ نیت رجوع پر کسی کو گواہ بنائے یا نہ بنائے۔ لڑکی چونکہ وارث ہے، اس لئے وہ ترکۂ میت سے مصارف کفن دفن لے سکتی ہے۔ رجوع علی الترکہ کے لئے نیت رجوع پر اشہاد ضروری نہیں۔

مگر رجوع کا حق صرف اتنی مقدار میں ہے جو سنت کے مطابق ہو اور اس سے زیادہ قیمتی نہ ہو جتنا میت کا زندگی میں عید وغیرہ کے موقع پر لباس پہننے کا معمول تھا۔ اگر کفن میں مقدارِ سنّت سے زائد یا میت کے مواقع مخصوصہ پر معمول کے لباس سے زیادہ قیمتی کپڑا خرچ کیا تو زائد میں ترکہ سے رجوع نہیں کر سکتا

قال العلامة الحصکفی رحمه الله تعالیٰ: او قضی (ای الوصی) دین المیّت الثابت شرعا او کفنه او ادّی خراج الیتیم او عشره من مال نفسه او اشتری الوارث الکبیر طعامًا او کسوة للصغیر او کفن الوارث المیت او قضی دینه من مال نفسه فانه یرجع ولا یکون متطوعا۔

وقال العلامة الطحطاوی رحمه الله تعالیٰ: قوله او کفنه اطلقه (ای لم یقیده بالاستهاد) هنا وفیما یأتی وجعل الوارث والوصی سواء فی الرجوع بما انفقه فی الکفن ولا بد من کون ذلك من غیر اسراف بحسب ما ذکره الائمة من کفن السنّة ومراعاة حال الرجل بما یلبسه فی الاعیاد ومجامع الناس وتلبسه المرأة للزیارة انتهی شرنبلالیة (حاشیة الطحطاوی علی الدر ص۳۴۴ ج ۴)

والله سبحانه وتعالیٰ اعلم۔

۱۲ محرم سنہ ۱۴۱۹ھ

زوجہ کی تجہیز وتکفین کے مصارف زوج پر ہیں:

سوال: ایک شخص کی بیوی کا انتقال ہوگیا، تجہیز وتکفین کے مصارف اس نے اپنی جیب سے کئے، دریافت طلب یہ ہے کہ زوج تجہیز وتکفین کے مصارف ترکہ سے وصول کرسکتا ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا.

الجواب باسم ملهم الصّواب

اصح قول کے مطابق زوجہ اگرچہ غنیہ ہو اس کا نفقہ زوج پر واجب ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ نفقہ جس کے ذمہ ہوتا ہے، تجہیز وتکفین بھی اسی کے ذمہ ہوتی ہے، اس لئے زوج نے تجہیز وتکفین کے مصارف اپنے مال سے کئے تو اسے ترکہ سے وصول کرنے کا حق نہیں۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ تحت قوله اوكفن الوارث الميت:
(تنبيه) لومات ولاشیء له ووجب كفنه على ورثته فكفنه الحاضر من مال نفسه ليرجع على الغائب منهم بحصته ليس له الرجوع لوانفق بلااذن القاضی حاوی الزاهدی قال الرملی فی حاشية الفصولين يستفاد منه انه لولم يجب عليهم كتكفين الزوجة اذا صرفه من ماله غيرالزوج بلا اذنه او اذن القاضی فهو متبرع كالاجنبی فيستثنی تكفينها بلا اذن مطلقا بناء على المفتى به من انه على زوجها ولوغنية. (ردالمحتار ص۴۵۸ ج۵)

وقال ايضا فی كتاب الفرائض: (قوله يبدأ من تركة الميت (الى قوله) بتجهيزه) وكذا تجهيز من تلزمه نفقته كولد مات قبله ولو بلحظة وكزوجته ولوغنية على المعتمد در منتقى (ردالمحتار ص۴۸۴ ج۵)

قلتُ المراد بالولد الفقير الذی تحل له الصدقة كما صرّح الفقهاء رحمهم الله تعالىٰ ان نفقة الصغير الغنی فی ماله.

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ تحت قوله وتجب لطفله الفقير:
(قوله الفقير) ای ان لم يبلغ حدّ الكسب فان بلغه كان للاب ان يؤجره او يدفعه فی حرفة ليكتسب وينفق عليه من كسبه لوكان ذكرا بخلاف الانثى كما قدمه فی الحضانة عن المؤيدية قال الخير الرملی لو استغنت الانثى بنحو خياطة وغزل يجب ان تكون نفقتها فی كسبها كما هو ظاهر. (ردالمحتار ص۶۷۲ ج۲)

والله سبحانه وتعالىٰ اعلم. ۱۳ر محرم ۱۴۱۹ھ

اجنبی نے کسی کے کفن دفن کا انتظام کیا تو ترکہ سے نہیں لے سکتا :

سوال : ایک شخص کا سفر میں انتقال ہوا، ورثہ میں سے کوئی ساتھ موجود نہ تھا، ایک اجنبی شخص نے اس کے کفن دفن کا انتظام اپنے مال سے کیا۔ بعد میں ورثہ کا علم ہوا، تو اب سوال یہ ہے کہ وہ اجنبی شخص میت کے ترکہ سے کفن دفن کے مصارف لے سکتا ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم مُلهم الصواب

اجنبی نے کفن دفن میں جو کچھ صرف کیا وہ اس کی طرف سے تبرّع سمجھا جائے گا، اسے ترکہ سے وصول کرنے کا حق نہیں۔

البتہ اگر میت کا مال موجود ہو اور کوئی وارث یا وصی نہ ہو تو اجنبی میت کے مال سے کفن دفن کا انتظام کرسکتا ہے۔

قال العلامة ابن البزاز الکردری رحمه الله تعالیٰ : الوصی او الوارث اذا اشتری للمیت کفنا لهما الرجوع فی مال المیت والاجنبی اذا اشتری لم یرجع۔

(البزازیة بهامش الهندیة ص۴۲۰ ج ۶)

وقال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ تحت قوله وتجهیزه : قال فی التبیین لان فی التأخیر فساد المیت و لهٰذا یملکه الجیران ایضاً فی الحضر والرفقة فی السفر اھ ط (ردالمحتار ص۴۴۵ ج ۵)

وقال العلامة الشلبی رحمه الله تعالیٰ : (قوله فقال فی غیر التجهیز و شراء الکفن) قال الاتقانی ومثل شراء الکفن لانه ضروری لایبتنی علی الولایة الا تری ان الام تملکه و لهذا لومات رجل فی محلة قوم ومعه مال فکفنوه ودفنوه من ماله جاز وان لم یکن له ولایة اھ (حاشیة الشلبی بهامش التبیین ص۲۰۹ ج۶)

واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۳ محرم ۱۴۱۹ھ

وصی یا وارث نے اپنے مال سے قرض ادا کیا تو ترکہ سے وصول کرسکتا ہے :

سوال : ایک شخص مقروض ہونے کی حالت میں انتقال کر گیا، اس کا قرض اس کے وصی یا کسی ایک وارث نے اپنے مال سے ادا کر دیا تو اسے ترکہ سے وصول کرنے کا حق ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

والد کا صغیر کی اشیاء منقولہ کو خریدنا یا فروخت کرنا:

سوال: ایک بچے کو والدہ کی میراث میں کچھ فرنیچر اور بسترہ وغیرہ ملے۔ والد کے لئے اس فرنیچر وغیرہ کا خریدنا یا کسی اجنبی کو فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

صغیر کی اشیاء منقولہ کی خرید و فروخت قیمت مثل اور غبنِ یسیر سے جائز ہے، بشرطیکہ والد کی صلاحیت عام معروف ہو یا مستور الحال ہو، اگر والد میں فساد ظاہر ہو تو دگنی قیمت سے جائز ہے، اس سے کم میں جائز نہیں۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: وبيع الاب مال صغير من نفسه جائز بمثل القيمة وبما يتغابن فيه وهو اليسير والا لا وهذا كله في المنقول.

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله وبيع الاب الخ) مثله اذا باعه من اجنبي فثلاث صور في حكم واحد وهي بيع الاب من نفسه او من اجنبي وبيع الوصي من اجنبي ط قلت وهذا لو الاب عدلاً او مستوراً فلو فاسقاً ففي بيعه المنقول روايتان كما سيأتي. والشراء كالبيع وقال في جامع الفصولين للاب شراء مال طفله لنفسه بيسير الغبن لا بفاحشه اھ (رد المحتار ص۴۵۳ ج ۵)

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: ولو البائع ابا فان محموداً عند الناس او مستور الحال يجوز ابن كمال.

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى تحت قوله يجوز: ويجوز بيع منقوله في رواية فيوضع ثمنه في يد عدل وفي رواية لا، الا بضعف قيمته وبه يفتى (رد المحتار ص۴۵۴ ج ۵) والله سبحانه وتعالى اعلم.

۱۵ / محرم ۱۴۱۹ھ

وصی کا یتیم کی اشیاء منقولہ کو خریدنا یا فروخت کرنا:

سوال: زید کچھ یتامیٰ کا وصی ہے، یتامیٰ کو وراثت میں کچھ ایسی اشیاء بھی ملی ہیں جن کے یتامیٰ کے بلوغ تک ضائع ہو جانے اور ٹوٹ پھوٹ جانے کا اندیشہ ہے، جیسے چینی یا

ماربل وغیرہ کے برتن۔ زید کا ان برتنوں کو خود خریدنا یا کسی اور کے ہاتھ فروخت کرنا اور قیمت یتامٰی کے مصارف میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر زید کو قاضی نے وصی مقرر کیا ہے تو وہ یتامٰی کے مال کو خود نہیں خرید سکتا، کسی دوسرے کو منفعتِ ظاہرہ کے ساتھ فروخت کر سکتا ہے۔

اگر زید صغیر کے والد یا دادا کی جانب سے وصی ہے تو یتیم کی اشیاء منقولہ منفعت ظاہرہ کے ساتھ خود بھی خرید سکتا ہے۔

وصی کے یتیم کو کوئی چیز فروخت کرنے کا بھی یہی حکم ہے کہ بشرطِ منفعتِ ظاہرہ فروخت کر سکتا ہے۔

اجنبی کے ہاتھ بشرائطِ ذیل فروخت کرنا جائز ہے:

① اس کی شہادت وصی کے حق میں قبول کی جاتی ہو، یعنی اس کے ساتھ وصی کا اصل و فرع یا زوجیت کا تعلق نہ ہو۔

② میّت کا وارث نہ ہو۔

③ غبنِ فاحش نہ ہو۔

قال الامام الزیلعی رحمہ اللہ تعالٰی: وهذا اذا تبایع الوصی للصغیر مع الاجنبی و اما اذا اشتری شیئا من مال الیتیم لنفسه اوباع شیئا منه من نفسه جاز عند ابی حنیفة رحمه اللہ تعالٰی و احدی الروایتین عن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی اذا کان للیتیم فیه منفعة ظاهرة وتفسیره ان یبیع ما یساوی خمسة عشرة بعشرة من الصغیر اویشتری مایساوی خمسة عشرة بعشرة للصغیر من نفسه واما اذا لم یکن فیه منفعة ظاهرة للیتیم فلا یجوز، وعلی قول محمد رحمہ اللہ تعالٰی واظهر الروایات عن ابی یوسف رحمه اللہ تعالٰی انه لایجوز علی کل حال، هذا فی وصی الاب واما وصی القاضی فلا یجوز بیعه من نفسه بکل حال لانه وکیله (تبیین الحقائق ص۲۱۲ ج ۶)

وقال العلامة الحصکفی رحمه اللہ تعالٰی: وصح بیعه وشراؤه من اجنبی بما یتغابن الناس لا بما لا یتغابن وهو الفاحش لان ولایته نظریة فلو باع به کان فاسدا حتی یملکه المشتری بالقبض قهستانی وهذا اذا تبایع الوصی للصغیر مع الاجنبی و

ان باع الوصی او اشتری مال الیتیم من نفسه فان کان وصی القاضی لایجوز ذلك مطلقا لانه وكيله وان كان وصی الاب جاز بشرط منفعة ظاهرة للصغير وهی قدر النصف زيادة او نقصا وقالا لايجوز مطلقا۔

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله وصح بيعه وشراؤه) اطلقهما فشمل النقد والنسيئة الى اجل متعارف لكن من ملیء فلو مفلس، فسيأتی فی الفروع اٰخر الوصايا قال فی الخانية واذا باع شيئا من تركة الميت بنسيئة فان كان يتضرر به اليتيم بأن كان الاجل فاحشا لا يجوز اه رملی (قوله من اجنبی) ای عن الميت وعن الموصی فلو باع من نفسه فسيأتی او باع ممن لاتقبل شهادته له او من وارث الميت لايجوز۔

وقال ايضا: (قوله وان باع الوصی) ای ماله من اليتيم (قوله من نفسه) متعلق باشتری والضمير للوصی (قوله لانه وكيله) ای القاضی وفعل الوكيل كفعل الموكل وفعل الموكل قضاء وهو لا يقضی لنفسه ط (قوله وهی قدر النصف زيادة اونقصا) الزيادة راجعة الى الشراء والنقص الى البيع قال الزيلعی رحمه الله تعالى تفسير المنفعة الظاهرة ان يبيع ما يساوی خمسة عشر بعشرة من الصغير او يشتری ما يساوی عشرة بخمسة عشر لنفسه من مال اليتيم اه قال فی ادب الاوصياء وفی المنتقی وبه يفتی وفی الخانية وبهذا فسر الخيرية الامام السرخسی فی غير العقار وهی فی العقار عند البعض ان يشتری بضعف القيمة ويبيع بنصفها، وفی الحافظية ويجوز بيع الوصی من نفسه وشراؤه ان كان فيهما نفع ظاهر كبيع ما يساوی تسعة بعشرة وشراء عشرة بتسعة، قلت واما فی العقار فلاشك ان الخيرية فی الشراء التضعيف وفی البيع التنصيف لانه لايقدر على بيعها من غيره الا بالضعف كما مر فكيف يسوغ له الشراء لنفسه بالاقل وارى زيادة الاثنين فی العشرة ونقصها منها فيما عدا العقار كاف فی الخيرية لان الغبن الفاحش الذی لا يتحمله الناس اه

(رد المحتار ص۴۵۳ ج ۵)

والله سبحانه وتعالى اعلم۔ ۱۶/ محرم ۱۴۱۹ھ

وصی یا والد کا صغیر کی زمین خریدنا یا فروخت کرنا :

سوال : خالد نے وفات سے کچھ عرصہ قبل قاسم کو اپنی جائیداد اور بچوں کی دیکھ بھال کیلئے وصی مقرر کیا۔ خالد کی جائیداد میں کچھ زمین بھی ہے، خالد کے بیٹوں میں سے بعض بالغ ہیں اور بعض نابالغ۔ پوچھنا یہ ہے کہ قاسم کے لئے اس زمین کا کچھ حصہ خود خریدنا یا کسی دوسرے کو فروخت کرنا اور اس سے حاصل شدہ رقم نابالغ بیٹوں کے مصارف میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

والد کے لئے صغیر کی زمین کی خرید و فروخت جائز ہے بشرطیکہ والد کی صلاحیت عام معروف ہو یا مستور الحال ہو، اگر والد میں فساد ظاہر ہو تو دگنی قیمت سے خرید و فروخت جائز ہے، اس سے کم ہیں جائز نہیں۔

وصی الاب والجد کے لئے مندرجہ ذیل صورتوں میں خریدنا یا فروخت کرنا جائز ہے :

① دگنی قیمت سے کم میں نہ ہو۔

② نفقۂ صغیر کا اور کوئی انتظام نہ ہو۔

③ میت کا دین ادا کرنے کے لئے۔

④ زمین کی پیداوار نفقۂ صغیر سے کم ہو۔

⑤ سیلاب وغیرہ کی وجہ سے زمین کے تباہ ہونے یا اس میں نقصان واقع ہو جانے کا اندیشہ ہو۔

⑥ زمین کسی جابر کے قبضہ میں ہو اور وصی کو خوف ہو کہ اگر میں اس سے حاصل کر بھی لوں تو بھی یہ قدیم قبضہ کو دلیل بنا کر دوبارہ چھین لے گا۔

⑦ میت نے وصیت مرسلہ کی ہو یعنی ثلث، ربع وغیرہ کسی نسبتِ معیّنہ کی وصیت نہ کی ہو، مثلاً یوں کہا ہو کہ میرے مال میں سے ایک ہزار روپے فلاں کو دے دینا۔ اگر ایک ہزار روپے کل ترکہ کا ثلث یا اس سے کم ہیں تو یہ وصیت پورے ہزار روپے میں نافذ ہوگی اور اگر ہزار روپے کل ترکہ کے ثلث سے زائد ہیں تو مقدار ثلث تک نافذ ہوگی۔

مندرجہ بالا تمام صورتوں میں جوازِ بیع کے لئے دو شرطیں ہیں :

① ترکۂ میت میں منقولات میں سے اتنی مقدار نہ ہو جس سے صورِ بالا میں ضرورت پوری کی جا سکتی ہو۔

② بیع صرف بقدرِ ضرورت قطعۂ ارض کی ہو، مقدارِ ضرورت سے زائد کا بیچنا جائز نہیں۔

قال الامام الزیلعی رحمہ اللہ تعالیٰ: وقال المتأخرون من اصحابنا لایجوز للوصی بیع عقار الصغیر الا ان یکون علی المیت دین اویرغب المشتری فیہ بضعف الثمن اویکون للصغیر حاجۃ الی الثمن. قال الصدر الشہید رحمہ اللہ تعالیٰ وبہ یفتی (تبیین الحقائق ص۲۱۲ ج ۶)

وقال العلامۃ الشلبی رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ اویرغب المشتری فیہ بضعف الثمن) المراد بالثمن القیمۃ اھ (قولہ اویکون للصغیر حاجۃ الی الثمن) ھذا حکم الوصی واما الاب اذا باع عقار الصغیر بمثل القیمۃ فان کان الاب محمودًا عند الناس او مستورًا یجوز حتی لو بلغ الابن لم ینقض البیع وان کان الاب فاسقًا لایجوز البیع حتی لو بلغ الابن لہ نقض البیع. وھو المختار اھ کاکی.

(حاشیۃ الشلبی بھامش التبیین ص۲۱۲ ج ۶)

وقال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: وجاز بیعہ (ای الوصی) عقار صغیر من اجنبی لامن نفسہ بضعف قیمتہ او لنفقۃ الصغیر اودین المیت او وصیۃ مرسلۃ لانفاذ لھا الا منہ او لکون غلاتہ لاتزید علی مؤنتہ اوخوف خرابہ اونقصانہ اوکونہ فی ید متغلب. درر واشباہ ملخصًا، قلت وھذا لو البائع وصیاً لامن قبل ام او اخ فانھما لایملکان بیع العقار مطلقًا ولاشراء غیر طعام وکسوۃ ولو البائع ابا فان محمودا عند الناس اومستور الحال یجوز ابن کمال.

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ وجاز بیعہ عقار صغیر الخ) اطلق السلف جواز بیعہ العقار، وقیدہ المتأخرون بالشروط المذکورۃ کما فی الخانیۃ وغیرھا، قال الزیلعی رحمہ اللہ تعالیٰ قال الصدر الشہید رحمہ اللہ تعالیٰ وبہ یفتی ای بقول المتأخرین ومافی الاشباہ من انہ لا یجوز عند المتقدمین بسبق قلم، فتنبہ (قولہ لامن نفسہ) قال ابن الکمال وقولھم اجنبی یؤذن ان بیعہ من نفسہ لایجوز لان العقار من انفس الاموال فاذا باعھا من نفسہ فالتہمۃ ظاھرۃ اھ وفیہ انہ اذاکان بضعف القیمۃ لایتأتی معہ التہمۃ فلعل القید اتفاقی یؤیدہ مافی الھندیۃ لواشتری الوصی عقار الیتیم لنفسہ جاز لوخیرا بأن یأخذہ بضعف القیمۃ عند البعض اھ افادہ السائحانی وقدمنا

مثله عن ادب الاوصیاء وقوله عند البعض قید لقوله بأن یأخذه الخ لا للجواز کما یعلم مما قدمناه (قوله اولنفقة) ای وان کان بمثل القیمة او بغبن یسیر ط اقول وکذا یقال فیما بعده فیما یظهر بدلیل جعله مقابلاً للاول.

(قوله او دین المیت) ای دین علی المیت لاوفاء له الا ببیعه خانیة لکن یبیع بقدر الدین فقط علی المفتی به کما قدمناه وکذا فی الوصیة (قوله مرسلة) تقدم تفسیرها بالتی لم تقید بکسر کثلث اوربع مثلا وذلک کما اذا اوصی بمائة مثلا (قوله اوخوف خرابه) تقدم فی عقار الکبیر الغائب ان الاصح انه لا یبیعه لذلک والظاهر انه لا یجری التصحیح هنا لأن المنظور الیه هنا منفعة الصغیر، ولذا جاز هنا فی بعض هذه الصور مالا یجوز فی عقار الکبیر تأمل (قوله اوکونه فی ید متغلّب) کأن استرده منه الوصی ولا بیّنة له وخاف أن یأخذه المتغلّب منه بعد ذلک تمسّکا بما کان له من الید فللوصی بیعه وان لم یکن للیتیم حاجة الی ثمنه کما فی بیوع الخانیة (قوله یجوز) فلیس للصغیر نقضه بعد بلوغه اذ للاب شفقة کاملة ولم یعارض هٰذا المعنی معنیٰ اٰخر فکان هٰذا البیع نظرا للصغیر وان کان الاب فاسداً لم یجز بیعه العقار فله نقضه بعد بلوغه هو المختار الا اذا باعه بضعف القیمة اذ عارض ذلک المعنی معنیٰ اٰخر ویجوز بیع منقوله فی روایة ویوضع ثمنه فی ید عدل وفی روایة لا الا بضعف قیمته وبه یفتی جامع الفصولین وسیأتی فی الفروع (تنبیه) ظاهر کلامهم هنا انه لا یفتقر بیع الاب عقار ولده الی المسوغات المذکورة فی الوصی ونقل الحموی فی حواشی الاشباه من الوصایا ان الاب کالوصی لا یجوز له بیع العقار الا فی المسائل المذکورة کما افتی به الحانوتی اھ ثم رأیت فی مجموعة شیخ مشایخنا منلا علی الترکمانی قد نقل عبارة الحموی المذکورة ثم قال ما نصّه وهو مخالف لاطلاق ما فی الفصول وغیره ولم یستند الحانوتی فی ذلک الی نقل صحیح، ولکن اذا صارت المسوغات فی بیع الاب ایضاً کما فی الوصی صار حسنا مفیدا ایضاً. (رد المحتار ص۴۵۴ ج ۵) والله سبحانه وتعالیٰ اعلم.

۱۹ محرم سنة ۱۴۱۹ھ

والد کے سوا دوسرے رشتہ داروں کے اوصیاء کا مال صغیر میں تصرف کرنا:

سوال: ہندہ نے مرض الموت میں اپنی نابالغ اولاد کے لئے زید کو وصی مقرر کیا، اسی طرح خالد نے انتقال سے کچھ دن پہلے عمرو کو اپنے نابالغ بھائی بہنوں کے لئے وصی مقرر کیا۔ پوچھنا یہ ہے کہ زید اور عمرو میت کی نابالغ اولاد اور بھائی بہنوں کی منقولہ یا غیر منقولہ جائیداد کو فروخت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

باپ، دادا اور قاضی کے سوا دوسرے رشتہ داروں کی جانب سے بنائے گئے اوصیاء کے لئے صغیر کی منقولہ اشیاء کا فروخت کرنا مطلقاً اور غیر منقول جائیداد کا فروخت کرنا صرف چار صورتوں میں جائز ہے، بشرطیکہ یہ منقولہ وغیر منقولہ اشیاء صغیر کو موصی سے میراث میں ملی ہوں، دوسرے اموال میں تصرف جائز نہیں۔

تفصیل صورِ جواز:

① میت کا دین ادا کرنے کے لئے۔ اگر دین کل جائیداد کو محیط ہے تو کل جائداد کو فروخت کر سکتا ہے ورنہ صرف بقدرِ دین۔

② تنفیذ وصیتِ مرسلہ کے لئے بقدرِ تنفیذ وصیت۔ پوری زمین کا بیچنا جائز نہیں۔ وصیتِ مرسلہ سے مراد یہ ہے کہ کسی خاص نسبت کی تعیین نہ کی ہو، جیسے ثلث، ربع وغیرہ۔

③ سیلاب وغیرہ سے زمین کے تباہ ہونے یا مکان کے گرنے کا خوف ہو۔

④ کسی ظالم کے قبضہ کر لینے کا خوف ہو۔

اگر مذکورہ صورتوں کے سوا نفقۂ صغیر وغیرہ کی ضرورت پیش آجائے تو معاملہ عدالتِ قاضی یا مجلسِ حکم میں پیش کر کے فیصلہ کروایا جائے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی تحت (قولہ ووصی ابی الطفل احق الخ): و اما وصی الاخ والام و العم وسائر ذوی الارحام ففی شرح الاسبیجابی ان لھم بیع ترکۃ المیت لدینہ او وصیتہ ان لم یکن احد ممن تقدم لا بیع عقار الصغیر اذ لیس لھم الا حفظ المال ولا الشراء للتجارۃ ولا التصرف فیما یملکہ الصغیر من جھۃ موصیھم مطلقا لانھم بالنظر الیہ اجانب نعم لھم شراء ما لا بد منہ من الطعام والکسوۃ وبیع منقول ورثۃ الیتیم من جھۃ الموصی لکونہ من الحفظ

لان حفظ الثمن ایسر من حفظ العین اھ من ادب الاوصیاء وغیرہ۔ وفی جامع الفصولین والاصل فیہ ان اضعف الوصیین فی اقوی الحالین کأقوی الوصیین فی اضعف الحالین و اضعف الوصیین وصی الام والاخ والعم واقوی الحالین حال صغر الورثۃ واقوی الوصیین وصی الاب والجد والقاضی واضعف الحالین حال کبر الورثۃ ثم وصی الام فی حال صغر الورثۃ کوصی الاب فی حال کبر الورثۃ عند غیبۃ الوارث فللوصی بیع منقولہ لاعقارہ کوصی الاب حال کبرھم اھ (رد المحتار ص۴۵۶ ج ۵)

وقال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: قلت وھٰذا لوالبائع وصیًا لامن قبل ام اواخ فانھما لا یملکان بیع العقار مطلقًا ولاشراء غیر طعام وکسوۃ۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ مطلقًا) ای ولو فی ھذہ المستثنیات واذا احتاج الحال الی بیعہ یرفع الامر الی القاضی ط (رد المحتار ص۴۵۶ ج ۵)

وقال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: وان لغیر الوصی التصرف لخوف متغلب وعلیہ الفتوی وتمامہ فیما علقتہ علی الملتقی۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ وتمامہ فیما علقتہ علی الملتقی) حیث قال وانما لم یحصر التصرف فی الوصی اشارۃ الی جواز تصرف غیرہ کما اذا خاف من القاضی علی مالہ ای مال الصغیر فانہ یجوز لواحد من اھل السکۃ ان یتصرف فیہ ضرورۃ استحسانا وعلیہ الفتوی ذکرہ القھستانی۔

(رد المحتار ص۴۵۶ ج ۵)

وقال العلامۃ الطحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ اوخوف ھلاکہ الخ) قال الحموی فی شرحہ اما العقار فمحصن بنفسہ حتی لوخیف ھلاکہ او ھلاک بنائہ ملک بیعہ لتعینہ حفظا لہ کالمنقول والاصح انہ لایملک لانہ نادر وفی التمرتاشی ویملک اجارۃ الکل لانہ حفظ انتھی (قولہ لانہ نادر) ای خوف الھلاک وھٰذا التعلیل غیر ظاھر لان الکلام فیما اذا تحقق ھٰذا النادر۔

(حاشیۃ الطحطاوی علی الدر ص۳۴۲ ج ۴)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۳ محرم ۱۴۱۹ھ

وصی اب کا اولاد کبار کے مال میں تصرف :

سوال : زید نے بوقتِ موت عمرو کو اپنی اولاد کے لئے وصی مقرر کیا، اولاد میں کچھ نابالغ ہیں اور کچھ بالغ۔ بالغ اولاد کے حصص میں وصی کو تصرف کرنے کا کہاں تک اختیار ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصّواب

منقول وغیر منقول جائیداد میں دو صورتوں میں تصرف مطلقاً جائز ہے، خواہ کبار حاضر ہوں یا غائب :

① میت کا دین ادا کرنے کے لئے بقدرِ دین۔

② تنفیذِ وصیت کے لئے بقدرِ تنفیذِ وصیت۔

اور دو صورتوں میں اس شرط سے تصرف جائز ہے کہ کبار غائب ہوں :

① سیلاب وغیرہ کی وجہ سے زمین یا دوسری اشیاء کے تباہ یا خراب ہونے کا اندیشہ ہو۔

② کسی جابر کے قبضہ کر لینے کا خوف ہو۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ : وجاز بیعہ ای الوصی علی الکبیر الغائب فی غیر العقار الا لدین اوخوف ھلاکہ ذکرہ عزمی زادہ معزیاً الی الخانیۃ، قلت وفی الزیلعی والقھستانی والاصح لا لانہ نادر۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ : (قولہ وجاز بیعہ الخ) بیان المسألۃ انہ اذا لم یکن علی المیّت دین ولا وصیۃ فان الورثۃ کبارا حضورا لا یبیع شیئا ولو غیبا لہ بیع العروض فقط وان کلھم صغارا یبیع العروض والعقار وان البعض صغارا والبعض کبارا فکذلک عندہ وعندھما یبیع نصیب الصغار ولو من العقار دون الکبار الا اذا کانوا غیبا فیبیع العروض، وقولھما القیاس وبہ نأخذ۔ وان کان علی المیّت دین او اوصی بدراھم ولا دراھم فی الترکۃ والورثۃ کبار حضور فعندہ یبیع جمیع الترکۃ وعندھما لا یجوز الا بیع حصۃ الدین اھ ملخصا من غایۃ البیان عن نکت الوصایا لابی اللیث (قولہ الا لدین) ای فلہ بیع العقار لکنہ یوھم انہ مقید بکون الکبیر غائبا ولیس کذلک کما مرّ۔ وفی العنایۃ قید بالغیبۃ لانھم اذا کانوا حضورا لیس للوصی التصرف فی الترکۃ

اصلا الا اذا کان علی المیّت دین او اوصی بوصیۃ ولم تقض الورثۃ الدیون و لم ینفذوا الوصیۃ من مالھم فانہ یبیع الترکۃ کلھا ان کان الدین محیطاً و بمقدار الدین ان لم یحط و لہ بیع ما زاد علی الدین ایضاً عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ خلافاً لھما. و ینفذ الوصیۃ بمقدار الثلث، ولو باع لتنفیذھا شیئا من الترکۃ جاز بمقدارھا بالاجماع. وفی الزیادات الخلاف المذکور فی الدین اھ قال فی ادب الاوصیاء و بقولھما یفتی. کذا فی الحافظیۃ و الغنیۃ وسائر الکتب اھ ومثلہ فی البزازیۃ.

(قولہ الاصح لا) راجع الی قولہ اوخوف ھلاکہ (قولہ لانہ) ای الھلاک نادر. قال فی المعراج وقال بعضھم لا یملک وھو الاصح لان الدار لا تھلک غالباً فیبنی الحکم علیہ لا علی النادر اھ (رد المحتار ص ۴۵۶ ج ۵)

قال العلامۃ الطحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ لانہ نادر) ای خوف الھلاک وھٰذا التعلیل غیر ظاھر لان الکلام فیما اذا تحقق ھذا النادر.

(حاشیۃ الطحطاوی علی الدر ص ۳۴۲ ج ۴)

و قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ وتمامہ فیما علقتہ علی الملتقی) حیث قال وانما لم یحصر التصرف فی الوصی اشارۃ الی جواز تصرف غیرہ کما اذا خاف من القاضی علی مالہ ای مال الصغیر فانہ یجوز لواحد من اھل السکۃ ان یتصرف فیہ ضرورۃ استحسانا وعلیہ الفتوی، ذکرہ القھستانی.

(رد المحتار ص ۴۵۶ ج ۵)

قلتُ: فحیث یجوز التصرف عند خوف الضیاع لغیر الوصی فلان یجوز للوصی اولی. واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم.

۲۴ محرم سنہ ۱۴۱۹ھ

اب و وصی کی صغیر سے بیع و شراء میں ایجاب و قبول اور اداء ثمن کا طریقہ:

سوال: اب یا وصی صغیر سے کوئی چیز خریدیں یا اسے فروخت کریں تو ایجاب و قبول دونوں خود کریں یا کیا صورت اختیار کی جائے؟ اسی طرح شراء کی صورت میں اداء ثمن اور بیع کی صورت میں وصولِ ثمن کا کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اب کے بعتُ یا اشتریتُ کہنے سے بیع مکمل ہو جائے گی قبلتُ کہنے کی ضرورت نہیں، اور وصی کے لئے قبلتُ کہنا بھی ضروری ہے۔ مگر بیع کی صورت میں مجرد بیع سے اب و وصی کا صغیر کی طرف سے مبیع پر قبضہ معتبر نہیں، بلکہ یہ ضروری ہے کہ مبیع کو اس طرح الگ کر کے ممتاز کر دیا جائے کہ صغیر قبضہ کرنا چاہے تو کر سکے، اگر ایسا کرنے سے پہلے مبیع ہلاک ہو جائے تو اب و وصی ضامن ہوں گے۔ تمکن من القبض کے بعد یہ سمجھا جائے گا کہ اب و وصی صغیر کی جانب سے قابض ہیں، اس لئے اس کے بعد اگر مبیع ہلاک ہو جائے تو صغیر کی ہلاک ہو گی۔

شراء کی صورت میں اب و وصی کا سابقہ قبضہ کافی ہے مستقل قبضہ کی ضرورت نہیں۔

اسی طرح بیع کی صورت میں ثمن پر اب و وصی کا پہلے سے قبضہ موجود ہے، مزید کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ البتہ شراء کی صورت میں اداء ثمن کا طریقہ یہ ہے کہ قاضی یا پنچایت کی طرف سے کوئی وکیل مقرر کیا جائے جو پہلے صغیر کے لئے ثمن پر قبضہ کرے، پھر اب یا وصی کو لوٹا دے۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى تحت (قوله وبيع الاب الخ) : وقال فی جامع الفصولين للاب شراء مال طفله لنفسه بيسير الغبن لا بفاحشه اھ وفيه لو باع ماله من ولده لا يصير قابضا لولده بمجرد البيع حتى لو هلك قبل التمكن من قبضه حقيقة هلك على الوالد ولو شرى مال ولده لنفسه لا يبرأ عن الثمن حتى ينصب القاضی وكيلا لولده يأخذ الثمن ثم يرده على الاب ويتم البيع بقوله بعت من ولدى ولا يحتاج الى قوله قبلتُ، وكذا الشراء ولو وصيًا لم يجز فی الوجهين ما لم يقل قبلتُ (رد المحتار ص ۴۵۳ ج ۵) والله سبحانه وتعالى اعلم۔

۲۷ محرم سنہ ۱۴۱۹ھ

مرض الموت کی تعریف:

سوال : مرض الموت کی جامع مانع تعریف مطلوب ہے۔ ضعیف آدمی جس کو کوئی مرض نہ ہو، وہ مریض بمرض الموت سمجھا جائے گا یا نہیں؟ اگر سمجھا جائے گا تو کتنی عمر ہو جانے پر؟ نیز کینسر وغیرہ جیسی بیماریاں جو عموماً موت کا سبب سمجھی جاتی ہیں، وہ مرض الموت میں داخل ہیں یا نہیں؟

الجواب باسم ملهم الصواب

مرض الموت ایسی حالت کو کہتے ہیں جس میں ہلاکت کا اندیشہ ہو اور اسی حالت میں مر بھی

جائے، خواہ اسی عارضہ سے مرا ہو یا کسی دوسری وجہ سے، خواہ یہ حالت مرض کی وجہ سے ہو یا کسی اور وجہ سے، مثلاً کوئی شخص کشتی میں ڈوب رہا ہو۔

اگر مرض کا مہلک ہونا معلوم نہ ہو تو اسے مرض الموت جب کہیں گے کہ اس میں اس قدر اضافہ ہو جائے کہ مریض گھر سے باہر کے ضروری مصالح سے عاجز ہو جائے، مثلاً عالم مسجد میں جانے اور تاجر تجارت سے عاجز ہو جائے۔

اگر مرض کسی مرحلہ پر ٹھہر جائے یعنی اس میں اضافہ نہ ہو رہا ہو اور اس ٹھہراؤ کے بعد ایک سال اسی حالت میں پورا ہو جائے تو یہ مرض الموت میں داخل نہیں۔ پھر جب مرض بڑھ جائے اور اسی زیادتی کی حالت ہی میں مر بھی جائے تو اس زیادتی کے وقت سے مرض الموت شمار ہوگا۔

قال العلامة ابن نجیم رحمه الله تعالیٰ بعد ذکر عبارة جامع الفصولین : واراد به المرض الذی اتصل به الموت لان حقها لایتعلق بماله الابه فلو طلقها فی مرضه ثم صح ثم مات وهی فی العدّة لا ترث منه کما سیأتی۔ ولو طلقها فی مرضه ثم قتل او مات من غیر ذلك المرض غیر انه لم یبرأ فلها المیراث لانه قد اتصل الموت بمرضه۔ کذا فی الظهیریة (البحر ص۴۳ ج۴)

قال العلامة الحصکفی رحمه الله تعالیٰ : من غالب حاله الهلاك بمرض او غیره بأن اضناه مرض عجزبه عن اقامة مصالحه خارج البیت هو الاصح کعجز الفقیه عن الاتیان الی المسجد وعجز السوقی عن الاتیان الی دکانه وفی حقها ان تعجز عن مصالحها داخله کما فی البزازیة۔ ومفاده انها لو قدرت علی نحو الطبخ دون صعود السطح لم تکن مریضة۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ : (قوله عجز به الخ) فلو قدر علی اقامة مصالحه فی البیت کالوضوء والقیام الی الخلاء لایکون فارا وفسّره فی الهدایة بان یکون صاحب فراش وهو ان لایقوم بحوائجه کما یعتاده الاصحاء وهذا اضیق من الاول لان کونه ذا فراش یقتضی اعتبار العجز عن مصالحه فی البیت فلو قدر علیها فیه لایکون فارا وصححه فی الفتح حیث قال فاما اذا امکنه القیام بها فی البیت لا فی خارجه فالصحیح انه صحیح اھ

وقال بعد اسطر : ثم ان هذا انما یظهر ایضًا فی حق من کان له قدرة

علی الخروج قبل المرض اما لو کان غیر قادر علیہ قبل المرض لکبر او لعلّۃ فی رجلیہ فلا یظھر فینبغی اعتبار غلبۃ الھلاك فی حقہ وھو ما مرّ عن ابی اللیث و ینبغی اعتمادہ لما علمت من انہ کان یفتی بہ الصدر الشھید، وان کلام محمد یدل علیہ و لا طرادہ فیمن کان عاجزا قبل المرض ویؤیدہ ان من الحق بالمریض کمن بارز رجلاً و نحوہ انما اعتبر فیہ غلبۃ الھلاك دون العجز عن الخروج ولان بعض من یکون مطعونا او بہ استسقاء قبل غلبۃ المرض علیہ قد یخرج لقضاء مصالحہ مع کونہ اقرب الی الھلاك من مریض ضعف عن الخروج لصداع او ھزال مثلاً و قد یوفق بین القولین بأنہ ان علم ان بہ مرضا مھلکا غالبًا وھو یزداد الی الموت فھو المعتبر وان لم یعلم انہ مھلك یعتبر العجز عن الخروج للمصالح ھٰذا ما ظھر لی.

و قال بعد اسطر: قلت وحاصلہ انہ ان صار قدیمًا بأن تطاول سنۃ ولم یحصل فیہ ازدیاد فھو صحیح اما لو مات حالۃ الازدیاد الواقع قبل التطاول او بعدہ فھو مریض (رد المحتار ص۵۲۰ ج ۲) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم.

۹ محرم ۱۴۲۰ھ

مریض بمرض الموت کی املاک کا استعمال:

سوال: ایک شخص کی نانی مرض الموت میں مبتلا ہیں، ان کی ملکیت میں فریج اور کچھ پنکھے وغیرہ ہیں، جن سے سب گھر والے استفادہ کرتے ہیں، مرض سے پہلے بھی ان کی طرف سے استفادہ کی اجازت تھی، تو اب مرض کی حالت میں ان سے استفادہ اور مریض کے مال سے کھانا پینا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملھم الصواب

اہل قرابت جو مرض الموت کے دوران جمع ہوتے ہیں، ان میں سے بعض ورثہ ہوتے ہیں اور بعض غیر ورثہ۔ ورثہ میں سے صرف ان افراد کے لئے بقدر معروف بلا اسراف مریض کے مال سے کھانا پینا جائز ہے جو مریض کی خدمت کرتے ہوں اور مریض ان کی خدمت کا محتاج ہو۔

غیر ورثہ کے لئے اگر مریض نے اجازت دے رکھی ہو تو ثلث مال سے وہ بھی کھا پی سکتے ہیں۔

فریج اور پنکھوں سے انتفاع کا حکم یہ ہے کہ اگر مریض نے حالتِ مرض میں سابقہ اجازت کو منسوخ نہیں کیا یا اس کی کوئی تحدید نہیں کی تو گھر کے افراد ہوں یا دوسرے تیمار دار سب کے لئے

انتفاع جائز ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (فرع) قال فی البزازیۃ و فی العتابی: اجتمع قرابۃ المریض عندہ یأکلون من مالہ ان کانوا ورثۃ لم یجز الا ان یحتاج المریض الیھم لتعاھدہ فیأکلون مع عیالہ بلا اسراف وان لم یکونوا ورثۃ جاز من ثلث مالہ لو بأمر المریض اھ (رد المحتار ص۴۲۰ ج۵)

قال العلامۃ التمرتاشی رحمہ اللہ تعالیٰ: یعتبر حال العقد فی تصرف منجز فان کان فی الصحۃ فمن کل مالہ والا فمن ثلثہ۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ والا فمن ثلثہ) استثنی فی الاشباہ التبرع بالمنافع کسکنی الدار قال فانہ نافذ من کل المال وتمامھا فیھا وفی حواشیھا۔ (رد المحتار ص۴۳۵ ج۵)

وقال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: وفی الفتاوی الصغری تبرعہ فی مرضہ انما ینفذ من الثلث عند عدم الاجازۃ الا فی تبرعہ فی المنافع فینفذ من الکل (الی قولہ) لکن فی العمادیۃ انھا من الثلث فلعلہ روایتان (رد المحتار ص۴۴۰ ج۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔
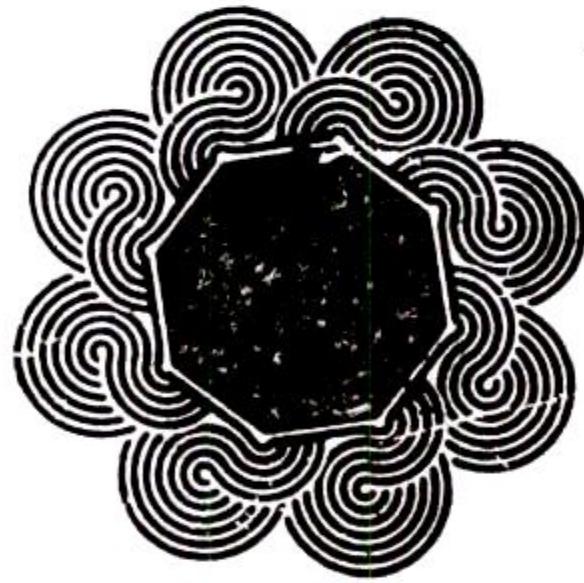
۹ محرم ۱۴۲۰ھ

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا نورث ما ترکنا فھو صدقۃ
(بخاری ومسلم)

الحکمۃ الغراء

فی

عدم توریث الانبیاء

علیہم السلام

- حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے اموال میں وراثت جاری نہ ہونے کی حکمتیں۔
- عدم توریث کے دلائل۔
- شیعہ کی خرافات کے جوابات۔
- کتب شیعہ سے عدم توریث کا ثبوت۔

کتبہ فاروق

انبیاء کرام علیہم السّلام کے مال میں ارث جاری نہ ہونے کی حکمتیں

سوال: حضرات انبیاء کرام علیہم السّلام کے مال میں وراثت جاری نہ ہونے کی حکمت اور دلیل کیا ہے؟ شیعہ منکر ہیں لہٰذا مفصّل تحریر فرما کر رہنمائی فرمائیں۔ بیّنوا توجروا

الجواب ومنہ الصّدق والصّواب

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے مال میں ارث جاری نہ ہونے میں یہ حکمتیں ہیں:

(۱) انسان کے پاس جو کچھ مال و دولت اور ساز و سامان ہے اس کا مالک حقیقی وہی ذات خالقِ کائنات ہے، انسان کے پاس یہ مال محض چند روز کے لئے امانت ہے اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے رفع حاجات کے لئے ہمیں یہ چیزیں مستعار دے رکھی ہیں جنمیں ہمارا کوئی استحقاق نہیں، پس اگر انسان کے مرنے کے بعد اس کا مال اجنبی لوگوں کو دلوا یا جاتا تو بھی کوئی ظلم نہ ہوتا، جب انسان خود اس مال کا مستحق نہیں تو اس کے اقارب کیسے مستحق ہو سکتے ہیں؟

مگر انسان اپنی کوتاہ نظری کی وجہ سے اس مستعار مال کو اپنی ملک سمجھنے لگتا ہے اور مرتے وقت اس مال کو چھوڑنے پر غمناک ہوتا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے محض شفقت و لطف سے اس مال کے ارث کے لئے قریبی رشتہ داروں کو معین فرمادیا تاکہ انسان یہ سمجھ کر مطمئن ہو جائے کہ یہ مال و دولت اگرچہ مجھ سے جدا ہو رہی ہے مگر پھر بھی اپنے ہی اقارب کے ہاتھوں میں جائے گی۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السّلام کی حقیقت شناس نظر پر غفلت کا پردہ نہیں ہوتا، ہر چیز کا دنیا میں مستعار ہونا اور مالک و متصرف حقیقی صرف ذات باری کا ہونا ہر وقت ان کے تصور میں ہوتا ہے، جب حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی دور بین نظر کسی چیز کا اپنے نفس کو مالک اور مستحق ہی نہیں سمجھتی تو ان کا مال ان کے وارثوں کو دلا کر انھیں مطمئن کرنے کی کوئی حاجت نہ تھی۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السّلام کو نہ زندگی میں یہ تمنا تھی کہ ہمارے اقارب کا ترکہ ہمیں ملے اور نہ ہی اس دار فانی سے رخصت ہوتے وقت اپنے مال کے چھوٹنے کا کچھ افسوس ہوتا تھا، لہٰذا انبیاء علیہم السلام کے لئے مذکورہ بالا طریق سے تسلّی اور اطمینان کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

الحکمۃ الغراء ——— ۲

(۲) حضرات انبیاء کرام علیہم السلام ساری اُمت کے روحانی باپ ہوتے ہیں، نبی کا علاقہ ہر فرد سے ہوتا ہے، اور ہر اسود و احمر پر یکساں شفقت ہوتی ہے، اس لئے نبی کا مال بھی جمیع اُمت پر صدقہ ہوتا ہے، جو کہ بلا لحاظ حر و عبد، مرد و عورت، صالح و فاسق، قریب و بعید عام مسلمانوں کی مصالح میں خرچ کیا جاتا ہے، اگر نبی کا مال صرف اس کے وارثوں پر تقسیم ہوتا تو اقرباء کے ساتھ علاقہ و شفقت کا خاص ظہور ہوتا جو اُمت کے دیگر افراد کے لئے دل شکنی کا باعث ہوتا جو کہ شفقت عامہ کے خلاف ہے۔

(۳) حضرات انبیاء کرام علیہم السلام بغیر کسی خاص معاوضہ کے تبلیغ احکام فرماتے تھے اور اعلان کرتے تھے کہ ہم کسی سے کوئی معاوضہ نہیں چاہتے، پس اگر نبی اپنے اقارب کا وارث ہوتا تو اعتراض ہو سکتا تھا کہ اس نے اپنی اُمت سے مال لیا ہے اور اگر نبی کی میراث اس کے وارثوں پر تقسیم ہوتی تو دشمن اعتراض کرتے کہ اپنے اقارب کے لئے مال جمع کر گیا ہے، لہٰذا اس اعتراض کی جڑ ہی کاٹ دی گئی کہ نبی کو نہ کسی سے کچھ لینے کی حرص اور نہ ہی کسی کو کچھ دینے یا وارثوں کے لئے مال جمع کرنے کی تمنا ہے۔

(۴) حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو اعلیٰ درجہ کی برزخی حیات حاصل ہے جس پر بعض دنیوی آثار بھی مرتب ہوتے ہیں، اسی وجہ سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے اجساد کو مٹی نہیں کھاتی اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن اُمت کے لئے ویسے ہی حرام کر دی گئی ہیں جیسے آپ کی زندگی میں تھیں،

عدم جریان ارث بھی اسی برزخی زندگی کا اثر ہے۔

(۵) اگر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا مال انکے وارثوں کو دلایا جاتا تو ممکن تھا کہ بمقتضائے بشریت ان کے وارثوں کو تحصیل مال کی خاطر کبھی ان کی موت کا خیال گزرتا جو ان کے لئے وبال ثابت ہوتا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان کو ترکہ سے ناامید کر کے خفیف نقصان برداشت کروا کر ایک بہت بڑے وبال اور سبب ہلاکت سے بچالیا۔

(۶) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "انا لانأ کلا لصدقۃ"۔ (متفق علیہ)

اور دوسرے موقع پر فرمایا: لانورث ما ترکنا فھو صدقۃ (بخاری و مسلم)

ان دونوں کو ملانے سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا ترکہ انکے وارثوں

پر حرام ہے، کیونکہ صدقہ ہے۔

ایک حدیث میں یوں ارشاد ہے: لا تقتسم ورثتی دینارا ما ترکت بعد نفقۃ نسائی و مؤنۃ عاملی فھو صدقۃ (بخاری ومسلم)

اس روایت میں عامل کے چند معانی ہوسکتے ہیں۔ خلیفہ، کفیل کار، خادم، گورکن، بعد الوفات بھی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کا نفقہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مال میں باقی رہنا بھی اسی برزخی حیات کا اثر ہے۔

ھکذا افاد العلامۃ السید اصغر حسین قدس سرہٗ، واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳ر جمادی الاولیٰ سنہ ۷۳ھ

ارث انبیاء علیہم السلام سے متعلق شیعہ کے دلائل کا جواب:

سوال: شیعہ کہتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے مال میں جریانِ ارث کا ثبوت قرآن سے ہے۔ وورث سلیمان داؤد سے استدلال کرتے ہیں۔ اس کا محقق جواب تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔ بیّنوا بالتفصیل اجرکم الجلیل

الجواب ومنہ الصدق والصواب

شیعہ عموماً وورث سلیمان داؤد اور حضرت زکریا علیہ السلام کی دعاء ربّ ھب لی من لدنک ولیّا یرثنی ویرث من اٰل یعقوب واجعلہ ربّ رضیّا سے استدلال کیا کرتے ہیں۔

ان کا یہ استدلال محض تلبیس ہے، کیونکہ اس جگہ ارث فی المال مراد نہیں بلکہ علم وحکمت اور نبوت میں ارث مقصود ہے۔

نیز لفظ ارث بمعنی جانشین ہونا اور بمعنی لینا بھی استعمال ہوتا ہے۔ مگر یہ جانشینی یا لینا بطور میراث نہیں، قرآن میں ہے:

واورثنٰھا بنی اسرائیل

نورثھا من عبادنا من کان تقیّا

کنّا نحن الوارثین

پہلی آیت میں جانشین بنانا اور دوسری میں دینا اور تیسری میں لینا مراد ہے۔

اہل تشیع کی مستدل آیات میں ارث فی المال مراد نہ ہونے پر چند قرائن ہیں:

① ابن کا وارث فی المال ہونا ظاہر اور بدیہی امر ہے تو اس کی دعا ریا خبر لغو ہوگی۔

② حضرت داؤد علیہ السلام کے اور بھی بیٹے تھے، ورث سلیمان میں اگر ارث فی المال مراد لیا جائے تو لازم آئے گا کہ دوسرے بیٹوں کو وارث فی المال نہیں بنایا گیا، اور یہ ظلم ہے۔

③ حدیث میں ہے: انا معشر الانبیاء لانورث ما ترکت بعد مؤنۃ عاملی ونفقۃ نسائی صدقۃ (مسند احمد ص ۶۳ ج ۲)

اس سے ثابت ہوا کہ آیات قرآنیہ میں ارث فی المال مراد نہیں۔

④ خود شیعہ کی کتب میں تصریح ہے کہ ورث سلیمان داؤد میں ارث فی النبوۃ مراد ہے:

عن ابی عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال ان سلیمان علیہ السلام ورث داؤد علیہ السلام وان محمدا صلی اللہ علیہ وسلم ورث سلیمان علیہ السلام (اصول کافی)

بعض علماء کا قول ہے کہ وارث نہ ہونا صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے، انھیں ان آیات کے جواب کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔

حدیث ما ترکنا صدقۃ میں شیعہ کہتے ہیں کہ ما نافیہ ہے اور صدقۃ منصوب ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ ما ترکنا صدقۃ، لانورث کا مفعول ثانی ہے، ای لانورث الشیء الذی ترکنا صدقۃ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ صدقہ کی روایت بالرفع ہے اور فھو صدقۃ والی روایت بھی اس کی مؤید ہے۔

نیز توجیہ ثانی میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی کیا خصوصیت ہے؟ جو شخص بھی اپنا مال صدقہ کر جائے اس کے ورثہ اس مال کے مستحق نہیں ہوتے۔

شیعہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد کی لونڈی ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کو میراث میں ملی تھیں جنھوں نے والدہ کی وفات کے بعد آپ کی پرورش کی، جن کا نکاح آپ نے اپنے متبنّٰی حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کر دیا تھا۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی مال کثیر میراث میں ملا تھا۔

جواب یہ ہے کہ ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد کے انتقال کے بعد آپ کے دادا اور والدہ کی مملوک ہو گئی تھیں، ان دونوں حضرات نے بوجہ شفقت آپ کو ہبہ کر دی تھیں، پھر آپ نے اسے آزاد کر دیا۔

علاوہ ازیں یہ واقعہ قبل از بعثت کا ہے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی اپنی زندگی میں ہی اپنا تمام مال واسباب آپ کی نذر کر دیا تھا تاکہ لوگ مفلسی اور فقیری کا طعنہ نہ دے سکیں۔ ووجدک عائلا فاغنیٰ میں اسی طرف اشارہ ہے۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے مال میں ارث جاری نہ ہونے کی روایت خود کتب شیعہ میں بھی موجود ہے:

عن ابی عبد اللہ جعفر الصادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال ان العلماء ورثۃ الانبیاء وذلک ان الانبیاء لم یورثوا درھما ولا دینارا وانما ورثوا احادیث من احادیثھم (اصول کافی ص ۱۷، صافی کتاب العقل جزء اول ص ۸۳)

واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳ جمادی الاولیٰ سنہ ھ

وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا ○ وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ○ (الفجر)
اور تم میراث کا سارا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو اور مال سے بہت ہی محبت رکھتے ہو۔
شریعت کے مُطابق
تقسیم وراثت
کی
اہمیّت
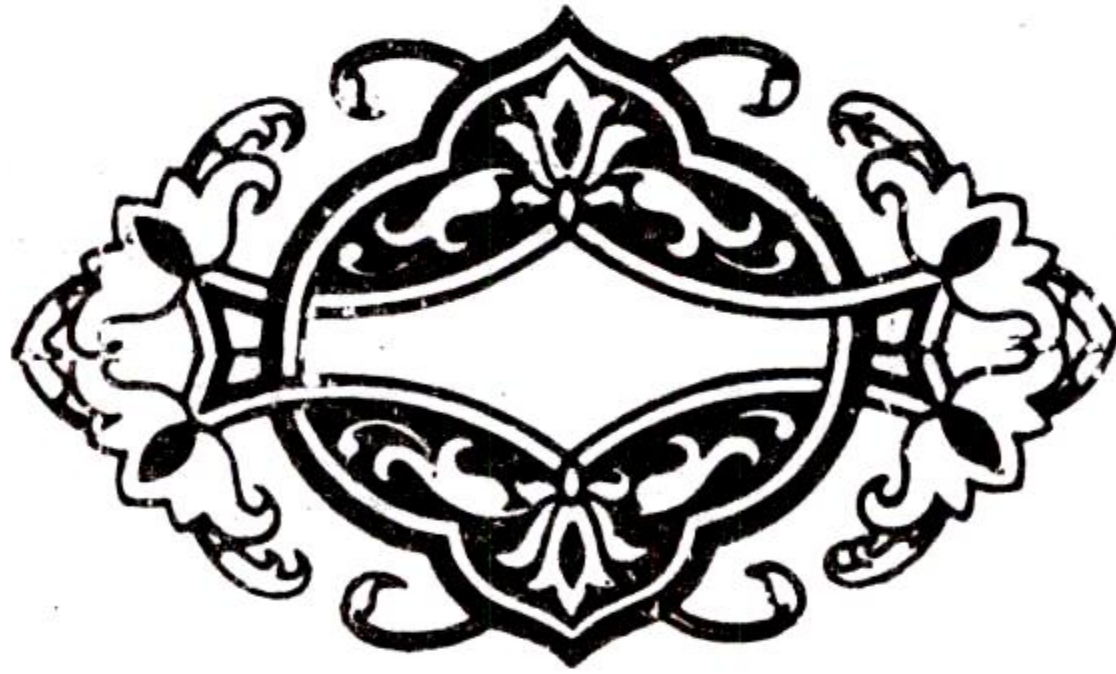
پیش لفظ

از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن کریم ایک اعلیٰ بلاغت کا جامع کلام ہے، ایک ایک حرف میں اشارات و نکات ہیں اکثر احکامِ شرعیہ کے صرف اُصول قرآن نے بیان کرکے جزئیات کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد فرمایا کہ وہ ان کی تفصیلات اپنے قول وفعل سے مسلمانوں کو سمجھا دیں۔

لیکن بعض احکام کی اہمیت کے پیشِ نظر ان کی تمام جزئیات کو بھی قرآن نے خود پوری تفصیل سے بیان فرمادیا ہے، تمام عائلی قوانین نکاح وطلاق اور زوجین کے تعلقات پر غور کیا جائے تو اس کی پوری جزئیات کی تفصیل بھی قرآن میں ملتی ہے، اسی طرح تقسیم وراثت کا پورا قانون اسکی جزئیات کی تفصیلات کے ساتھ خود قرآنِ کریم نے واضح طور پر بیان فرمایا ہے، اس سے وراثت کی خاص اہمیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

یوں تو اسلامی تعلیم تمام معاملات میں ہی انسانی حقوق کی پوری ادائیگی پر زور دیتی ہے لیکن وارثوں کے حقوق ادا کرنے کی تاکیدیں خصوصیت کے ساتھ آئی ہیں۔

سبب یہ ہے کہ وراثت سے حاصل ہونے والا حصّہ براہِ راست حق تعالیٰ کا عطیہ ہے جس میں انسان کے کسی کسب وعمل کو دخل نہیں، اسی وجہ سے وراثت سے ملا ہوا مال اطیب الاموال کہلاتا ہے، جو شخص اس کی تقسیم میں قانونِ الٰہی کی مخالفت کرتا ہے وہ کئی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے غضب وقہر کا مورد ہوتا ہے۔ اوّل یہ کہ شاہی انعام جس کا حقدار کو پہنچانا اس کے ذمہ تھا اس نے اس میں خیانت کی، دوسرے حقدار کو حق سے محروم کرکے ظلم کیا۔ تیسرے یہ ظلم جو وراثت کی تقسیم میں ہوتا ہے نسلوں تک چلتا ہے اور اس کا وبال اس شخص پر رہتا ہے جس نے اوّل اس تقسیم میں خیانت کی ہے جن حضرات کو حق تعالیٰ نے دین کی بصیرت اور آخرت کی فکر عطا فرمائی ہے وہ اس ظلم سے خصوصیت کے ساتھ بہت دُور رہتے ہیں، کیونکہ تقسیم ہوجانے کے بعد اس کے وبال سے نجات بہت مشکل ہے۔

مگر افسوس کہ آجکل مسلمانوں میں اس معاملے میں بھی انتہائی غفلت اور سخت کوتاہیاں

پائی جاتی ہیں۔

ضرورت ہے کہ اہلِ علم اور اہلِ دین عوام کو اس پر متنبّہ کرنے کے لئے پوری کوشش صرف کریں،

اس وقت ایک مقدسؒ بزرگ جو اپنی عمر کی آخری منزل میں ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے قلب میں اس کی اہمیت و ضرورت کا احساس شدّت کے ساتھ پیدا کیا اور مولانا مفتی رشید احمد صاحب کو اس کام کے لئے بجا طور پر منتخب کیا، موصوف نے ماشاء اللہ بہت اچھے انداز میں ایک مختصر رسالے کی صورت میں اس علمی فرض کو ادا کر دیا۔

لیکن صرف کوئی کتاب لکھ دینے سے اس مشکل کا حل نہیں ہوتا جب تک اس کی اشاعت کا ایسا انتظام نہ ہو کہ مسلمانوں کے ہر گھر میں پہنچے اور ہر مسلمان مرد و عورت اس سے واقف ہو۔

اس لئے ضرورت اس کی ہے کہ تبلیغ و دعوت کا کام کرنے والے حضرات اس کی اشاعت کو عام کریں، اہلِ خیر حضرات اس کے نسخے کثیر تعداد میں خرید کر یا خود چھپوا کر مسلمانوں میں پھیلائیں۔ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو کامیاب فرمائیں۔

وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَیْہِ التُّکْلَانُ

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

دار العلوم کراچی نمبر ۱۴

۲۰ رمضان ۱۳۸۷ھ

ے تبلیغی جماعت کے مشہور سربراہ حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ ۱۲

ضروری گزارش

از حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

بعد از حمد وصلوٰۃ مستند علماء کرام وذمہ دار ائمہ مساجد نیز دینی مذہبی کتابیں لکھنے والے مصنفین، مؤلفین کی خدمت بابرکت میں گزارش ہے کہ آپ حضرات اس طرف زیادہ توجہ فرمائیں، میراث شرعی اسلامی، پیغمبری تعلیم میں جو اہمیت رکھتی ہے وہ اظہر من الشمس ہے، اور اکثر مسلمانان عالم علماً وعملاً بے خبر و ناواقف پائے جاتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ تمام دینی باتوں میں یہ حق اللہ اور حق العباد میں زیادہ سے زیادہ ضروری اور متفق علیہ ہے، کیا اچھا ہو کہ اس اہم فریضہ کے لئے چاروں طرف سے آواز اٹھائی جائے۔

قول اور قلم سے میراث شرعی ادا کرنے پر زور دیا جائے، علماء اور مشایخ موقع پر پہنچ کر احسن طریقے سے عرض معروض کریں، خدا چاہے یہ محنت رائیگاں نہ جائے گی۔

ایک عرصہ سے ناچیز کے دل میں تمنّا کے درجہ میں یہ بات رہی کہ کیا ہی خوب ہو، ہم سب مل جل کر اس عظیم الشان سعادت کو حاصل کریں، ایک روز یہ تمنّا خدا پاک کی توفیق سے پختہ ارادہ کے درجہ میں آئی اور میں نے استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب زاد اللہ نور ایمانہ سے عرض کیا جو کہ خدا کے فضل وکرم سے دینی خدمت میں شب و روز مشغول ہیں، اور قلم اور قول سے اس مقصد کی اشاعت میں ہر اعتبار سے اس کے اہل ہیں، آپ نے میری استدعاء کو بدل وجان قبول کیا اور بہت جلد رسالہ ہذا کو لکھ کر شائع کر دیا، اسی طرح دیگر علماء کرام، بزرگان دین، پیران عظام، دینی ترقی کے لئے محنت کرنے والے احباب بھی حسن وخوبی سے اس کے لئے پوری پوری عملاً کوشش فرمائیں۔

سید المرسلین رحمۃ للعالمین خاتم النبیین شافع محشر ساقیٔ کوثر احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم کی روح پاک کو زیادہ سے زیادہ شاد فرما کر اپنے لئے صدقۂ جاریہ سعادتِ دارین حاصل کریں، اور مجھ ناچیز اور اس مسلمان عورت، مرد کے لئے جو اس مبارک اور ضروری مقصد میں حصہ لے اسے رضائے حق، عافیت دارین اور قوتِ ایمانی،

صحتِ جسمانی نصیب ہو۔ آمین بالنبیؐ الامین۔

ھدایت:

✿ اس اہم کام میں کوشش کرنے والوں کو کس قدر فضیلت حاصل ہوسکتی ہے صرف اس قدر سوچ لینا کافی ہے کہ جب از روئے حدیث پاک متروکہ سنّت کو زندہ کرنے پر سو شہیدوں کا اجر ملتا ہے تو اس متروکہ اہم فریضہ کو زندہ کرنے کا کس قدر اللہ تعالیٰ انعام عطا فرمائیں گے۔

تنبیہ:

✿ جو حضرات خلافِ قرآنِ پاک وحدیث شریف مُردے کا مال تقسیم کرچکے ہوں وہ آئندہ کسی مرنے والے کے لئے تقسیمِ شرعی کا انتظار نہ فرمائیں بلکہ ذمّہ دار علماء سے فتویٰ لے کر اب جس کا جو حق رہ گیا ہو ادا کریں اور توبہ بھی فرمائیں تاکہ بریء الذمّہ ہوسکیں، اور ادا کرنے پر مجبور و معذور ہوں تو جس قدر ادا کرسکیں اس میں تاخیر نہ کریں، اور پھر بھی کوئی حق باقی رہ جائے تو اہلِ حق سے معاف کرائیں۔ یہ یاد رہے کہ نابالغ کا حق اس کے معاف کرنے سے معاف نہیں ہوتا۔

خادم العلماء:

بندہ عزیز دُعا جو دہلوی غفرلہٗ ولوالدیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفٰی وسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی

امّا بعد، اللہ تعالیٰ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی میراث سے اپنے جن بندوں کو حصہ دینا اور اپنے دین کی حفاظت کے لئے منتخب فرمانا چاہتے ہیں اُن کے قلوب میں تبلیغ و اشاعتِ دین کا ایسا درد عطاء فرما دیتے ہیں جو انھیں کسی وقت بھی چین نہیں لینے دیتا اور زندگی کے آخری سانس تک بیقرار رکھتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بوقتِ شہادت دودھ پلایا گیا جو آپ کے شکم مبارک کے زخم سے باہر نکل آیا، اس زمانہ میں یہ موت کی حتمی اور یقینی علامت قرار دی جاتی تھی، چنانچہ اس تجربہ کے بعد سب حضرات کو یقین ہوگیا کہ آپ دُنیا سے رخصت ہو رہے ہیں ایسے وقت میں ایک نوجوان عیادت کے لئے آیا، جب وہ جانے لگا تو اسے واپس بُلوایا اور فرمایا کہ ازار ٹخنوں سے اوپر رکھا کرو، سبحان اللہ! دین کی تبلیغ اور اپنے مسلمان بھائی کی فلاح و بہبود کا کیا جذبہ تھا کہ زخم کی شدت اور موت کا مشاہدہ بھی اس سے غافل نہ کرسکا، قابلِ غور مقام ہے کہ آخر وہ کونسی چیز تھی جس نے ان حضرات کو زندگی اور اس کی تمام تر لذات سے یکسر مستغنی کر رکھا تھا؟

بسودائے جاناں زجاں مشتغل   بذکرِ حبیب از جہاں مشتغل
بذکرِ حق از خلق بگریختہ   چناں مست ساقی کہ مے ریختہ

یہ مقام دردِ محبت رکھنے والوں کو حاصل ہوتا ہے، ان کی بصیرت کھول دی جاتی ہے، اور ان پر اشیاء کے حقائق منکشف کر دیئے جاتے ہیں ؎

در درونِ خود بیفزا درد را   تا بہ بینی سبز و سرخ و زرد را

جن کی آنکھیں اور قلوب دردِ محبت سے کورے ہیں وہ اس کی حقیقت کیا جانیں ؎

تو ندیدی گہے سلیماں را   چہ شناسی زبانِ مرغاں را

لطف مے نشناسی بخدا تا نچشی

لطف مے تجھ سے کیا کہوں زاہد   ہائے کم بخت تو نے پی ہی نہیں

اب بھی زمانہ ایسی منتخب ہستیوں سے خالی نہیں ؎

ہنوز آں ابرِ رحمت درفشان ست   خم و خمخانہ با مہر و نشان ست

جن لوگوں کو اس زمانہ میں اہل اللہ کے فقدان کی شکایت ہے درحقیقت ان کی نظر کا قصور ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ انھیں طلب ہی نہیں ؎

آب کم جو تشنگی آور بدست تا بجوشد آبت از بالا و پست

اگر کوئی شخص پانی نہ ملنے کی شکایت کرتا ہے تو یہ اسکی دلیل ہے کہ درحقیقت اسے پیاس ہی نہیں، اللہ تعالیٰ کی ذات بڑی کریم ہے وہ کبھی کسی پیاسے کو تشنہ لب اور طالب کو محروم واپس نہیں فرماتے، وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا — اُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْیُهُمْ مَّشْكُوْرًا ۵ وہ ذات بڑی شکور ہے، غرضیکہ یہ نفس و شیطان کی چال اور فریب ہے کہ کوئی اللہ والا ملتا ہی نہیں، کیا دنیا میں کبھی یہ بھی سُنا ہے کہ درد و کرب میں مبتلا اور موت کے پنجے میں گرفتار مریض یہ کہے کہ مجھے علاج کے لئے کوئی طبیب یا ڈاکٹر نظر نہیں آتا، اس وقت تو اسے ہر شخص طبیب نظر آنے لگتا ہے، اس لئے کہ یہ دُنیوی زندگی عزیز ہے، اس کی اہمیت ہے اس کے برعکس حقیقی اور دائمی زندگی کی اہمیت قلب میں نہیں ؎

کارہا با خلق آری جملہ راست با خدا تزویر و حیلہ کے رواست

جس واقعہ نے مجھے متأثر کرکے زیر نظر رسالہ مرتّب کرنے پر آمادہ کیا قلب میں اس واقعہ کے اثر کی گہرائی نے عنانِ قلم کو روکنے کی کوشش کے باوجود خلاف عادت سطور بالا میں قدرے طوالت پیدا کردی، میں یہ کہہ رہا تھا کہ حفاظت دین کا درد رکھنے والے ایسے حضرات بفضلہ تعالیٰ اب بھی موجود ہیں کہ اُمّت مسلمہ کی ادنیٰ سی دینی یا دنیوی تکلیف انھیں اسقدر بیقرار کردیتی ہے کہ راحت و آرام کافور ہوجاتا ہے اور جسمانی تکالیف و امراض حتّٰی کہ موت و حیات کی کشمکش بھی ان کی راہ میں ذرہ بھر بھی رکاوٹ پیدا نہیں کرسکتی بلکہ ان حالات میں منزل حبیب کو قریب دیکھ کر ان کا مرکب ہمت اور زیادہ تیز گام ہوجاتا ہے، ایسی منتخب ہستیوں میں سے ایک ٹمٹماتا ہوا چراغِ سحر حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دامت برکاتہم کی ذات ہے، شدتِ علالت اور انتہائی ضعف و نقاہت کے دَوران جب کہ ہر دیکھنے والا یہ کہنے پر مجبور تھا:

مریضِ محبت میں اب کیا دھرا ہے جو ہیں سانس باقی وہ آجا رہے ہیں

مجھے پیغام بھیجا کہ ایک ضروری کام ہے، بندہ حاضر ہوا تو فرمایا:

"شریعت کے مطابق تقسیمِ وراثت میں بڑی کوتاہیاں ہوتی ہیں، اچھے اچھے دیندار گھرانے اس مہلک مرض میں مبتلا ہیں، دُنیا کی محبت میں پھنس کر اپنی عاقبت برباد کر بیٹھتے ہیں اس لئے شریعت کے مطابق تقسیمِ وراثت کی اہمیت اور اس میں جو غلطیاں کی جاتی ہیں اُن کی تفصیل پر کوئی رسالہ لکھو" بندہ کے ذہن میں فوراً حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعۂ مذکورہ کی تصویر آگئی اور سوچنے

لگا:

"یہ حضرات کتنے بلند حوصلہ ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو کیا عجیب دردِ محبت عطا فرمایا ہے۔"

اس قسم کے تقاضوں کا عموماً بندہ کے پاس ایک ہی جواب ہوتا ہے یعنی عدیم الفرصتی اور تحریر کی عدم اہلیت کا صحیح اور معقول عذر بیان کر کے سبکدوش ہو جاتا ہوں مگر اس تقاضے کی نوعیت نے زبان پر مہرِ سکوت لگا دی "نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن" کے عالم میں سوچ رہا تھا کہ یہ وقتی تقاضا ہے، میں جا کر اپنے مشاغل میں لگ جاؤں گا اور بات ختم ہو جائے گی مگر حضرت شاہ صاحب خداداد بصیرت سے غالباً میری اس کیفیت کو بھانپ گئے اور جیب سے رقم نکال کر ارشاد فرمایا:

"یہ رسالہ کی طباعت وغیرہ کے مصارف کے لئے ہے، اللہ تعالیٰ باقی مصارف کے لئے بھی انتظام فرمادیں گے۔"

یہ رقم کیا تھی ایک زنجیر تھی، ایسا پکڑا بلکہ ایسا جکڑا کہ سب داؤ پیچ ہرن ہو گئے، حیرت کی انتہاء نہ رہی کہ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو صیادی کی کتنی بڑی صلاحیت عطا فرمائی ہے جب کوئی راہ فرار نظر نہ آئی تو مستعیناً باللہ سب مشاغل کو مؤخر کر کے رسالہ مرتب کیا، اگر اس کی ترتیب میں کچھ خامی ہو تو مضامین بہر صورت قیمتی ہیں، اس لئے کہ میری اپنی چیز تو ہے نہیں قرآن و حدیث کے جواہر پارے ہیں، دُرَر خواہ منظومہ ہوں یا منثورہ بہر کیف ان کی قیمت اور حُسنِ ذاتی میں کوئی فرق نہیں پڑتا، قال البوصیری رحمہ اللہ تعالیٰ:

فالدّر یزداد حسنا وھو منتظمٌ ولیس ینقص قدرًا غیر منتظم

چند روز بعد حضرت شاہ صاحب نے جملہ مصارف کی رقم ارسال فرمادی، اب یہ رسالہ آپ کے ہاتھ میں ہے، حضرت شاہ صاحب اپنا کام کر چکے ان کا جذبہ ان شاء اللہ تعالیٰ ہرگز رائیگاں نہ جائیگا اپنے لئے زادِ آخرت اور اُمت کے لئے ایک حجت قائم فرمادی، آگے اس کی اشاعت، اس پر عمل کرنا اور دوسروں کو عامل بنانے کی سعی کرنا آپ کا فرض ہے، خدانخواستہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بروز قیامت اس حجت کا جواب نہ بن پڑے، اللہ تعالیٰ اس ناچیز خدمت کو قبول فرمائیں اور ہم سب کو اسکی تبلیغ و اشاعت اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، وما ذٰلک علی اللہ بعزیز۔

رشید احمد

منتصف رمضان ۱۳۸۷ھ

تقسیمِ وراثت میں غلطیاں

① مسلمانوں میں کثیر تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو دنیائے فانی کی محبت میں پھنس کر تقسیم وراثت کے شرعی اصول پر عمل کرنے سے گریز کرتے ہیں، پھر اگر خود کو گنہگار سمجھتے ہوئے انحراف کیا تو یہ فسق اور گناہِ عظیم ہے جس پر وعید کا بیان آگے آئے گا ان شاء اللہ، اور اگر خدانخواستہ قرآنی قانون سے انکار یا اس سے نفرت اور استخفاف تک نوبت پہنچ گئی تو یہ صریح کفر ہے، دنیا کے چند روزہ عیش وعشرت کی خاطر آخرت کی دائمی نعمت سے محروم ہوجانا اور عذاب جہنم کو اختیار کرنا اور زمانۂ حال کے منافع کے پیشِ نظر مستقبل کو برباد کرلینا اور دنیائے فانی کی تحصیل میں اپنے خالق، مالک، احکم الحاکمین اور محبوبِ حقیقی کو ناراض کرنا اور اس کے قہر وعذاب اور جہنم کی دہکتی ہوئی آگ پر جرأت کرنا کتنی بڑی حماقت، کوتاہ نظری اور ناعاقبت اندیشی ہے، اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے محفوظ رکھیں۔ آمین ؎

خلیل آسا درِ ملکِ یقین زن — نوائے لا احب الآفلین زن

عشقہائے کز پئے رنگے بود — عشق نبود عاقبت ننگے بود

عشق با مُردہ نباشد پائیدار — عشق را با حیّ و با قیّوم دار

ارے یہ کیا ظلم کر رہا ہے کہ مرنے والوں پہ مر رہا ہے

جو دَم حسینوں کا بھر رہا ہے بلند ذوقِ نظر نہیں ہے

② بعض مواضع میں یہ دستور ہے کہ بیوہ اگر دوسرا نکاح کرلے تو اسے میراث سے محروم کردیتے ہیں اس لئے وہ بیچاری اپنا حصۂ میراث محفوظ رکھنے کی خاطر دوسرا نکاح نہیں کرتی اور عمر بھر بیوگی کے مصائب برداشت کرنے کے ساتھ ساتھ مرحوم شوہر کے اعزہ واقربار کے لئے شب وروز طرح طرح کے مظالم کا تختۂ مشق بنی رہتی ہے۔

③ سندھ میں یہ رواج بھی ہے کہ جو عورت شوہر کے قبیلہ سے نہ ہو اسے حصۂ میراث نہیں دیتے یہ بھی بہت بڑا ظلم اور جہالت ہے بیوی کا حصہ قرآن کریم نے بہرحال فرض کیا ہے خواہ وہ شوہر کے خاندان سے ہو یا کسی دوسرے خاندان سے۔

④ یہ جرم تو اکثر دیندار اور اہلِ علم گھرانوں میں بھی پایا جاتا ہے کہ بہنوں سے حصۂ

میراث معاف کروا لیتے ہیں، مگر خوب سمجھ لیں اور یاد رکھیں کہ بہنوں کے معاف کرنے سے آپ ہرگز بری ء الذمہ نہیں ہو سکتے، اوّلاً تو اس لئے کہ بہنیں جاہلیت کے رواج کے مطابق حصۂ میراث طلب کرنے کو بہت معیوب سمجھتی ہیں اور بھائیوں کی ناراضی اور لوگوں کے طعن و تشنیع سے ڈرتی ہیں۔ کافرانہ رواج نے ظلمِ عظیم کے ساتھ ساتھ ان مظلوم عورتوں کی زبان بندی بھی کر رکھی ہے اور وہ بیچارگی کے عالم میں بزبان حال پکار رہی ہیں ؎

یہ دستورِ زباں بندی عجب ہے، تیری محفل میں یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے زباں میری

ان کے پوشیدہ درد اور صدمہ کا یہ عالم ہوتا ہے ؎

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد وگر دم درکشم ترسم کہ مغزِ استخواں سوزد

اللہ کے لئے ان بے زبان مظلوم عورتوں کی فلک شگاف آہ سے ڈریئے اور اپنے حال پر رحم کھائیے، کہیں ان کے دردناک دل کا شعلہ آپ کے خرمنِ عیش و عشرت کو خاکستر نہ کر دے۔

سیّدِ دو عالم محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اتق دعوۃ المظلوم فانہ لیس بینھا وبین اللہ حجاب "مظلوم کی بد دعا سے ڈرو، کیونکہ اس کے اور اللہ کے درمیان کسی قسم کا کوئی حجاب نہیں" یعنی بہت جلد قبول ہوتی ہے ؎

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگامِ دعا کردن اجابت از درِ حق بہرِ استقبال می آید

دوسروں پر ظلم کرنا درحقیقت اپنے نفس پر ظلم ہے ؎

جو جلاتا ہے کسی کو خود بھی جلتا ہے ضرور شمع بھی جلتی رہی پروانہ جل جانیکے بعد

خبیث اور حرام مال میں کبھی برکت نہیں ہوتی ع

ستمگر بھی کوئی دیکھا جو پھولا اور پھلا ہوگا

قرآن کریم میں ارشاد ہے: یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ "اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں اور صدقات کو بڑھاتے ہیں۔"

دوسری جگہ فرماتے ہیں: وَمَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّیَرْبُوَا فِیْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰہِ وَمَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ زَکٰوۃٍ تُرِیْدُوْنَ وَجْہَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۝ "اور جو چیز تم سود پر دو گے تاکہ لوگوں کے مال میں پہنچ کر زیادہ ہو جائے تو یہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتی اور جو رضائے الٰہی کے لئے زکوٰۃ دو گے تو ایسے لوگ اللہ کے پاس بڑھاتے رہیں گے۔"

تقسیم وراثت کی اہمیت ————— ۱۰

اگر ایسا ظالم دنیوی عذاب سے بچ بھی گیا تو حساب و کتاب کا ایک متعین دن یقیناً آنے والا ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ"، یقیناً آخرت کا عذاب بہت بڑا ہے" اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو اس عذاب اکبر سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین

غرضیکہ اوّلاً تو ان کا بادل ناخواستہ محض زبان سے معاف کرنا ہی شرعاً معتبر نہیں، ثانیاً اگر شاذ و نادر کوئی عورت بشرح صدر و طیب خاطر بھی معاف کردے تو بھی یہ معاف کرنا اور کرانا گناہ سے خالی نہیں، کیونکہ اس میں خلاف شرع ہندوؤں کی ظالمانہ رسم کی ترویج و تائید ہوتی ہے جو گناہ کبیرہ ہے، ثالثاً یہ معاف کرنا شرعی اصول کے خلاف ہے، اس لئے کہ حق معاف کرنا یا چھوڑنا یا ساقط کرنا یا بری کرنا یا بخش دینا وغیرہ الفاظ سے صرف قرض معاف ہوتا ہے، ان الفاظ سے متعیّن چیز کی تملیک نہیں ہوتی، متعین چیز کی تملیک کے لئے ہبہ، عطیہ، ہدیہ یا دینا وغیرہ کے الفاظ موضوع ہیں، مگر ترکہ میں ان الفاظ سے بھی تملیک نہیں ہوتی، کیونکہ ایسی مشترک چیز جو تقسیم کے بعد بھی قابلِ انتفاع رہے اس کا ہبہ شرعاً صحیح نہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ وقتاً فوقتاً عید وغیرہ کے مواقع پر بہنوں کو جو ہدایا دینے کا دستور ہے وہ اس کے عوض میں اپنا حصۂ میراث بھائیوں کو دیتی ہیں، یہ خیال بھی غلط ہے، اس لئے کہ اس بیع پر بہنوں کی رضامندی نہیں پائی جاتی بلکہ وہ رواج کے مطابق مجبور ہیں، نیز مختلف مواقع پر دیئے جانے والے ہدایا کی مقدار اور جنس اور مالیت مجہول ہے، لہٰذا یہ بیع صحیح نہیں، غرضیکہ حرام کو حلال بنانے اور بے زبان مظلوم بہنوں کا حصۂ میراث ہضم کرنے کے لئے جو چالیں بھی چلی جاتی ہیں وہ سب شرعاً مردود اور باطل ہیں۔

⑤ میّت کی یادگار کے طور پر کسی چیز کو معمولی سمجھ کر یا متبرک سمجھ کر بعض وارث ترکہ میں سے بعض اشیاء پر بدون اطلاع یا بدون رضا دوسرے وارثوں کے قبضہ کرلیتے ہیں، یہ بھی حرام اور گناہ کبیرہ ہے جو حق العبد ہونے کی وجہ سے توبہ سے بھی معاف نہیں ہوتا خواہ وہ ادنیٰ سی چیز ہی کیوں نہ ہو، پھر اگر وارثوں میں کوئی نابالغ بھی ہے تو اس سے معاف کروانے پر بھی معاف نہ ہوگا جب تک وہ بالغ نہ ہوجائے اس کا معاف کرنا شرعاً معتبر نہیں، پس اگر اس کے بلوغ سے قبل ہی وہ یا یہ چل بسا تو عذابِ آخرت سر پر رہا، اعاذنا اللہ منہ، ایسا تبرک حاصل کرکے عذابِ جہنم اختیار کرنا کتنی بڑی حماقت اور ناعاقبت اندیشی ہے البتہ اگر سب وارث عاقل و بالغ ہوں اور سب کی طیبِ خاطر سے رضامندی کا پورا یقین

ہو تو کچھ حرج نہیں، مجنون اور نابالغ کی رضا کا اعتبار نہیں، بہرکیف اس سے احتراز ہی بہتر ہے اس لئے کہ سب وارثوں کی رضا کا یقین مشکل ہے، نیز اپنے نفس کو دوسروں پر ترجیح دینا اور کچھ طلب کرنا مروت اور جذبۂ ایثار کے خلاف ہے لہٰذا اسکا صحیح طریقہ یہی ہے کہ ہر چیز سب وارثوں پر بقدر حصص تقسیم کی جائے، اگر کوئی چیز ناقابلِ تقسیم ہو تو اسے کوئی ایک وارث خرید لے اور اس کی قیمت سب پر بقدر حصص تقسیم کی جائے، اگر کسی چیز میں سب وارثوں کو رغبت ہو تو اسے آپس میں نیلام کرلیں، جو زیادہ قیمت دے اس کو دیدی جائے۔

غزوۂ بدر میں حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلوار میں اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں پر استعمال ہوتے ہوئے ایک دندانہ پڑ گیا تھا، حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد یہ تلوار ان کے صاحبزادے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس رہی اور انکی شہادت کے بعد ان کے بھائی عروۃ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس رہی، یہ تلوار بہت متبرک تھی، کیونکہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں غزوۂ بدر میں حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اللہ تعالیٰ کے دشمنوں پر اس قدر شدت کے ساتھ استعمال ہوئی تھی کہ اس پر ایک نشان ہمیشہ کے لئے یادگار رہ گیا تھا اس لئے عروۃ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادوں میں سے عثمان بن عروۃ نے یہ مقدس تلوار تین ہزار میں خرید لی، اس پر ان کے بھائی ہشام بن عروۃ فرماتے ہیں: ولوددت انّی کنت اخذتہ "میری خواہش یہ تھی کہ یہ تلوار مجھے مل جاتی"، رضی اللہ تعالیٰ عنہم وارضاھم وجعل الجنّۃ مثوٰھم ومأوٰھم ورزقنا حبّھم واتباعھم۔ اٰمین،

"اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوں اور ان کو راضی کریں اور ان کا ٹھکانہ جنّت میں کریں اور ہم سب کو ان کی محبت اور اتباع کی نعمت عطا فرمائیں۔" آمین

⑥ کفن میں سے کچھ کپڑے کا مصلّیٰ بنایا جاتا ہے جس پر نماز پڑھانے والا کھڑا ہوتا ہے اور بعد میں نماز جنازہ پڑھانے والے یا غسل دینے والے کو دیدیا جاتا ہے، نیز قبر میں رکھنے کے لئے روح کیوڑہ اور اگر بتی وغیرہ ساتھ لے جاتے ہیں یہ اُمور دین میں زیادتی اور بدعت ہونے کے علاوہ اس لئے بھی ناجائز ہیں کہ یہ مال شرعی تجہیز و تکفین سے زائد ہونے کی وجہ سے ترکہ میں داخل ہے جس کے احکام اور اس میں احتیاط کی تاکید و اہمیت اوپر بیان ہوئی۔

⑦ میّت کو ایصال ثواب کے لئے ترکہ میں سے مال خرچ کیا جاتا ہے اس میں بھی وہی

قباحتیں ہیں کہ سب وارثوں کی رضامندی حاصل نہیں کی جاتی، بعض وارث غائب ہوتے ہیں تو بھی بدون ان کی اطلاع و رضا کے مال خرچ کر دیا جاتا ہے، اگر سب کی رضا حاصل کرنے کی کوشش بھی کی گئی تو طیبِ خاطر سے سب کی رضامندی متیقن نہیں، پھر اگر وارثوں میں کوئی نابالغ یا دیوانہ ہو تو اس کی رضا سے بھی اسکا مال خرچ کرنا جائز نہیں، یتیم کا مال کھانے پر قرآن کریم میں سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں جن کا بیان آگے آئے گا ان شاء اللہ تعالی۔

⑧ بعض مرتبہ کوئی وارث خود کو سب کا بڑا اور متولی سمجھ کر پورے ترکہ پر جبراً قابض و متصرف رہتا ہے اور اس میں من مانی کارروائی کرتا ہے، دوسرے وارثوں کے مطالبہ پر بھی تقسیم نہیں کرتا، اور یتیموں کے مال میں تصرّف کرنے سے نہیں ڈرتا، فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ "یہ لوگ جہنم کی آگ پر کتنے صابر اور جری ہیں" اعاذنا اللہ تعالیٰ منها۔

⑨ اگر وارثوں میں کوئی نابالغ یا مجنون ہو تو تقسیم ترکہ اور اس میں تجارت، اور زمین میں زراعت وغیرہ تصرفات کا مختار صرف ولی یعنی باپ، پھر اسکا وصی، پھر دادا، پھر اسکا وصی اور پھر حاکم مسلم ہے، صغیر کی زمین بیچنے کا اختیار بجز چند مخصوص صورتوں کے ولی کو بھی نہیں۔ ماں بھائی اور چچا وغیرہ کو تقسیم ترکہ اور اس میں تجارت و زراعت وغیرہ کی اجازت نہیں، البتہ ان کے مال کی حفاظت، بیع منقول بغرض حفاظت اور اُن کی خوراک، پوشاک وغیرہ ضروریات خریدنے کی اجازت ہے بشرطیکہ صغیر ان کی پرورش میں ہو۔

اسی طرح کوئی وارث لاپتہ ہو تو تقسیم ترکہ اور اس کے حصّہ میں تصرف کا اختیار صرف حاکم مسلم کو ہے، حاکم مسلم کی عدم موجودگی میں شہر کے دیانتدار لوگ کسی کو متولی بنا دیں۔

علمِ میراث کی فضیلت و اہمیّت

یہ امر بدیہی اور مسلم ہے کہ جو عمل جس حد تک اہم اور مؤکد ہوتا ہے اس کا علم حاصل کرنا بھی اتنی فضیلت اور اہمیت رکھتا ہے، لہٰذا ذیل میں علم میراث کی فضیلت اور اس کی اہمیت بیان کی جاتی ہے جس سے معلوم ہوگا کہ اس کے مطابق عمل کرنے کی شریعت نے کتنی تاکید فرمائی ہے اور اسے کتنا اہم قرار دیا ہے۔

① روی البیھقی والحاکم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم فرائض (علمِ میراث) سیکھو اور لوگوں کو سکھلاؤ، اسلئے

صلی اللہ علیہ وسلم تعلموا الفرائض وعلموہ الناس فانہ نصف العلم وانہ ینسی وھو اول ما ینزع عن امتی (الدر المنثور)

کہ وہ نصف علم ہے اور بلاشک وہ بھلا دیا جائے گا، اور میری اُمت سے یہی علم سب سے پہلے سلب کیا جائے گا۔

(۲) روی الطبرانی فی الاوسط مرفوعًا تعلموا القراٰن والفرائض وعلموھا الناس۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قرآن اور فرائض سیکھو اور لوگوں کو سکھلاؤ۔

(۳) روی الدارمی عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعًا تعلموا الفرائض کما تعلمون القراٰن

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم فرائض ایسے اہتمام سے سیکھو جیسے قرآن سیکھتے ہو۔

(۴) وفی روایۃ عنہ رضی اللہ عنہ تعلموا الفرائض فانھا من دینکم

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ تم فرائض سیکھو کیونکہ وہ تمہارے دین سے ہے۔

(۵) روی عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ مرفوعًا من قرأ القراٰن فلیتعلم الفرائض

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص قرآن پڑھتا ہو وہ فرائض بھی سیکھے۔

(۶) روی الدارمی فی باب الاقتداء بالعلماء عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعلموا العلم وعلموہ الناس تعلموا الفرائض وعلموھا الناس فانی امرؤ مقبوض والعلم سیقبض ویظھر الفتن حتی یختلف اثنان فی فریضۃ لایجدان احدًا یفصل بینھما

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم خود بھی علم سیکھو اور لوگوں کو بھی سکھلاؤ اور خود بھی علم فرائض سیکھو اور لوگوں کو بھی سکھلاؤ کیونکہ میں وفات پانے والا ہوں اور علم عنقریب معدوم ہونے والا ہے اور بہت سے فتنے ظاہر ہوں گے حتیٰ کہ دو شخص ترکہ کے کسی مسئلہ میں جھگڑا کریں گے اور ان کو کوئی ایسا عالم دستیاب نہ ہوگا جو ان دونوں کے درمیان فیصلہ کرے۔

---

(۷) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعًا وان مثل العالم الذی لا یعلم الفرائض کمثل البرنس لا رأس لہ (۱۲ الی ۷ من جمع الفوائد)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ وہ عالم جو فرائض نہ جانتا ہو ایسا ہے جیسا کہ بے سر کے ٹوپی، یعنی بدون فرائض کے علم بے رونق اور بے زینت بلکہ بیکار رہتا ہے۔

شریعت کے مطابق تقسیم وراثت کی اہمیت اور اس کے خلاف پر وعیدیں

① وَاٰتُوا الْیَتٰمٰٓی اَمْوَالَھُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِیْثَ بِالطَّیِّبِ۪ وَلَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَھُمْ اِلٰٓی اَمْوَالِکُمْؕ اِنَّہٗ کَانَ حُوْبًا کَبِیْرًا۝ (۴-۲)

اور یتیموں کے مال انہی کو پہنچاتے رہو، یعنی انہی کے خرچ میں لگاتے رہو اور تم (ان کی) اچھی چیز سے (اپنی) بری چیز کو مت بدلو اور اُن کے مال مت کھاؤ اپنے مالوں (کے رہنے) تک ایسی کارروائی کرنا بڑا گناہ ہے، یعنی جب تمہارے پاس کچھ نہ رہے تو بقدر حق الخدمت اپنے گذارے کے لئے ان کے مال سے لینا درست ہے۔

---

② وَابْتَلُوا الْیَتٰمٰی حَتّٰٓی اِذَا بَلَغُوا النِّکَاحَ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْھُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَیْھِمْ اَمْوَالَھُمْ وَلَا تَاْکُلُوْھَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ یَّکْبَرُوْاؕ (۴-۶)

اور تم یتیموں کو آزمالیا کرو یہاں تک کہ جب وہ بالغ ہو جائیں پھر اگر ان میں کچھ تمیز دیکھو تو ان کے اموال ان کے حوالہ کر دو اور ان اموال کو ضرورت سے زائد اُٹھا کر اور اس خیال سے کہ یہ بالغ ہو جائیں گے جلدی اُڑا کر مت کھا ڈالو۔

③ لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَکَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ۪ وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَکَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْہُ اَوْ کَثُرَؕ نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا۝ (۴-۷)

مردوں کے لئے بھی حصّہ ہے اس چیز میں سے جس کو ماں باپ اور بہت نزدیک کے قرابت دار چھوڑ جائیں اور عورتوں کے لئے بھی حصّہ ہے اس چیز میں سے جس کو ماں باپ اور بہت نزدیک کے قرابت دار چھوڑ جائیں، خواہ وہ چیز قلیل ہو یا کثیر، حصّہ بھی ایسا جو قطعی طور پر مقرر ہے۔

④ اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِھِمْ نَارًاؕ وَسَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا۝ (۴-۱۰)

بلاشبہ جو لوگ یتیموں کا مال ظلماً کھاتے ہیں اور کچھ نہیں اپنے شکم میں آگ بھر رہے ہیں اور عنقریب دہکتی آگ میں داخل ہونگے۔

⑤ یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ ج

اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتے ہیں تمہاری اولاد کے بارے میں کہ لڑکے کا حصّہ دو لڑکیوں کے برابر ہے۔

احکامِ میراث کی تفصیل کے بعد فرماتے ہیں:

---

(۶) تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ (۴-۱۳، ۱۴)

یہ سب احکام مذکورہ اللہ تعالیٰ کے ضابطے ہیں اور جو شخص اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری اطاعت کریگا اللہ تعالیٰ اس کو ایسی بہشتوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کہنا نہ مانے گا اور بالکل ہی اس کے ضابطوں سے نکل جائے گا اس کو آگ میں داخل کردیں گے اس طور سے کہ وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اور اس کو ایسی سزا ہوگی جس میں ذلت بھی ہوگی۔

---

(۷) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَاۗءَ كَرْهًا ۭ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ (۴-۱۹)

اے ایمان والو! تمہیں یہ بات حلال نہیں کہ عورتوں کے مال یا جان کے جبراً مالک ہو جاؤ اور ان عورتوں کو اس غرض سے مقید مت کرو کہ جو کچھ تم لوگوں نے ان کو دیا ہے اس میں کا کوئی حصہ وصول کرلو مگر یہ کہ وہ عورتیں کوئی صریح ناشائستہ حرکت کریں، یعنی اگر عورت شوہر کی نافرمان اور بدخلق ہے تو خاوند کو جائز ہے کہ بدون مال لئے ہوئے جو مہر سے زیادہ نہ ہو اس کو نہ چھوڑے۔

(۸) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (۴-۲۹)

اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طور پر مت کھاؤ۔

(۹) وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۭ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا (۴-۳۳)

اور ہر ایسے مال کے لئے جس کو والدین اور رشتہ دار لوگ چھوڑ جائیں ہم نے وارث مقرر کردیئے ہیں اور جن لوگوں سے تمہارے عہد بندھے ہوئے ہیں ان کو انکا حصہ دیدو، بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر مطلع ہیں۔

(۱۰) اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَھْلِھَا (۴-۵۸)

بیشک اللہ تعالیٰ تم کو اس بات کا حکم دیتے ہیں کہ اہل حقوق کو ان کے حقوق پہنچا دیا کرو۔

(۱۱) وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَاۗءِ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي

اور وہ لوگ آپ سے عورتوں کے بارے میں حکم دریافت کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ

الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ لا وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ط وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ۝ (۴-۱۲۷)

ان کے بارے میں تم کو حکم دیتے ہیں اور وہ آیات بھی (حکم دیتی ہیں) جو قرآن کریم میں تمہیں پڑھ کر سنائی جایا کرتی ہیں جو کہ ان یتیم عورتوں کے باب میں ہیں جن کو ان کا مقرر حق نہیں دیتے ہو اور ان کے ساتھ نکاح کرنے سے نفرت کرتے ہو، اور جو آیات کہ کمزور بچوں کے باب میں ہیں اور جو آیات اس باب میں ہیں کہ یتیموں کی تمام کارگزاری انصاف کے ساتھ کرو اور تم جو نیک کام کرو گے سو بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتے ہیں۔

سورۂ نساء کے آخر میں احکام میراث کے بعد ارشاد ہے۔

(۱۲) يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ط وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ (۴-۱۷۶)

اللہ تعالیٰ تم سے دین کی باتیں اس لئے بیان کرتے ہیں کہ تم گمراہی میں نہ پڑو اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔

(۱۳) وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ج (۶-۱۵۲)

اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو کہ مستحسن ہے یہاں تک کہ وہ اپنے سنّ بلوغ کو پہنچ جائے۔

(۱۴) وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ص (۱۷-۳۴)

اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو کہ مستحسن ہے یہاں تک کہ وہ اپنے سنّ بلوغ کو پہنچ جائے۔

(۱۵) وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ۝ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ط (۸۹-۱۹، ۲۰)

اور تم لوگ میراث کا مال سارا سمیٹ کر کھا جاتے ہو اور مال سے بہت ہی محبت رکھتے ہو۔

اس کے بعد قیامت کی ہولناکیوں کا ذکر فرمایا ہے کہ ان کو یاد کر کر کے ایسے جرائم سے باز آجاؤ

(۱۶) عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قطع میراث وارثہ قطع اللہ میراثہ (رواہ ابن ماجہ ورواہ البیہقی فی شعب الایمان)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنے وارث کا حق مارا قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس کو جنت سے اس کے حصہ سے محروم کر دیں گے۔

(۱۷) عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من کانت له مظلمة لاخیه من عرضه اوشیء فلیتحلله منه الیوم قبل ان لایکون دینار ولا درهم ان کان له عمل صالح اخذ منه بقدر مظلمته وان لم یکن له حسنات اخذ من سیئات صاحبه فحمل علیه (رواه البخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنے کسی بھائی پر ظلم کیا ہو تو وہ اس سے آج ہی معاف کرالے اس روز سے قبل کہ جب نہ دینار ہوگا اور نہ درہم، اگر ظالم کے پاس کوئی عمل صالح ہوگا تو بقدر اس کے ظلم کے اس سے لیکر مظلوم کو دیدیا جائے گا، اگر ظالم کے پاس حسنات نہ ہوں گی تو مظلوم کے گناہ اس پر لاد دیئے جائیں گے۔

(۱۸) عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال اتدرون ما المفلس قالوا المفلس فینا من لا درهم له ولا متاع فقال ان المفلس من امتی من یأتی یوم القیٰمة بصلوٰة و صیام وزکوٰة ویأتی قد شتم هذا و قذف هذا واکل مال هذا وسفك دم هذا وضرب هذا فیعطی هذا من حسناته وهذا من حسناته فان فنیت حسناته قبل ان یقضی ما علیه اخذ من خطایاهم فطرحت علیه ثم طرح فی النار (رواه مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ہم میں مفلس وہ ہے کہ جس کے پاس نہ درہم ہے اور نہ کوئی سامان، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ درحقیقت میری امت میں سے مفلس وہ ہے جو قیامت کے روز نمازیں روزے اور زکوٰۃ وغیرہ عبادات لائے گا مگر اس نے کسی کو گالی دی ہوگی اور کسی پر بہتان لگایا ہوگا اور کسی کا مال کھایا ہوگا اور کسی کو مارا ہوگا، پس ان مظلوموں کو اسکی حسنات دی جائیں گی، اگر اس کی حسنات ادائے حقوق سے قبل ختم ہوگئیں تو مظلوموں کے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے پھر اس کو جہنم کی آگ میں پھینک دیا جائے گا۔

---

(۱۹) عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لتؤدن الحقوق الیٰ اهلها یوم القیٰمة حتی یقاد للشاة الجلحاء من الشاة القرناء (رواه مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم قیامت کے روز اہل حقوق کو ان کے حقوق ضرور بالضرور ادا کروگے حتی کہ بے سینگ والی بکری کے لئے سینگ والی بکری سے بدلہ لیا جائے گا۔

تقسیم وراثت کی اہمیت ———— ۱۸

(۲۰) عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتقوا الظلم فان الظلم ظلمات یوم القیٰمۃ واتقوا الشح فان الشح اہلک من کان قبلکم حملھم علی ان سفکوا دمائھم واستحلوا محارمھم (رواہ مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ظلم سے بچو کیونکہ ظلم قیامت کے دن بہت سی ظلمتوں کا باعث ہوگا اور حرص سے بچو کیونکہ بیشک حرص نے ہی تم سے پہلی امتوں کو ہلاک کیا، حرص نے انھیں خون بہانے اور محارم کو حلال سمجھنے پر برانگیختہ کیا۔

(۲۱) عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الظلم ظلمات یوم القیٰمۃ (رواہ الشیخان)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ظلم قیامت کے روز بہت سی ظلمتوں اور آفتوں کا باعث ہوگا

---

(۲۲) عن ابی موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ لیملی الظالم حتی اذا اخذہ لم یفلتہ ثم قرأ وکذلک اخذ ربک اذا اخذ القریٰ وھی ظالمۃ۔ الآیۃ (متفق علیہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ ظالم کو کچھ مدت تک مہلت دیتے ہیں حتی کہ جب اس پر گرفت فرماتے ہیں تو پھر نہیں چھوڑتے، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی، وکذلک اخذ ربک اذا اخذ القریٰ وھی ظالمۃ۔ آخر تک، ترجمہ: اور آپ کے رب کی داروگیر ایسی ہی ہے جب وہ کسی بستی والوں پر داروگیر کرتا ہے جب کہ وہ ظلم کیا کرتے ہیں، بلاشبہہ اس کی داروگیر بڑی الم رساں سخت ہے۔

---

(۲۳) عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الدواوین ثلاثۃ دیوان لا یغفر اللہ الاشراک باللہ یقول اللہ عز وجل ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ۔ ودیوان لا یترکہ اللہ ظلم العباد فیما بینھم حتی یقتص بعضھم من بعض ودیوان لا یعبأ اللہ بہ ظلم العباد فیما بینھم وبین اللہ فذاک الی اللہ ان شاء عذبہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اعمال نامے تین قسم کے ہیں۔
(۱) جسے اللہ تعالیٰ نہیں بخشیں گے، وہ شرک ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ۔
(۲) بندوں کے ایک دوسرے پر مظالم، اللہ تعالیٰ ان کو ایک دوسرے سے قصاص دلائے بغیر نہیں بخشیں گے۔ (۳) حقوق اللہ میں کوتاہی

وان شاء تجاوز عنہ،

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

یہ اللہ کی نظر میں اتنی بڑی بات نہیں وہ چاہیں تو اس پر عذاب کریں اور چاہیں تو بخش دیں۔

(۲۴) عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایاک ودعوۃ المظلوم فانما یسأل اللہ تعالیٰ حقہ وان اللہ لا یمنع ذا حق حقہ

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مظلوم کی بددعاء سے ڈرو، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنا حق طلب کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی حقدار سے اس کا حق نہیں روکتے،

---

(۲۵) عن سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اخذ شبرًا من الارض ظلمًا فانہ یطوقہ یوم القیمۃ من سبع ارضین

(رواہ الشیخان)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی کی زمین سے ظلماً ایک بالشت جگہ لی اس کو قیامت کے روز سات زمینوں سے اس کا طوق پہنایا جائے گا۔

---

(۲۶) عن ابی حرۃ الرقاشی عن عمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا لا تظلموا، الا لا یحل مال امرئ الا بطیب نفس منہ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان والدارقطنی فی المجتبیٰ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خبردار! ظلم مت کرو، خبردار! کسی شخص کا مال بدون اس کی طیب خاطر کے حلال نہیں۔

---

(۲۷) عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال من انتھب نھبۃ فلیس منا (رواہ الترمذی)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے کوئی چیز غصب کی وہ ہم میں سے نہیں۔

---

(۲۸) عن سالم عن ابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اخذ من الارض شیئا بغیر حق خسف بہ یوم القیمۃ الی سبع ارضین

(رواہ البخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی کی زمین سے ناحق کچھ لیا اسے قیامت کے روز سات زمینوں تک غرق کیا جائے گا۔

تقسیم وراثت کی اہمیت ———— ۲۰

(۲۹) عن یعلی بن مرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من اخذ ارضاً بغیر حقہا کلف ان یحمل ترابہا الی المحشر (رواہ احمد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کسی کی زمین ناحق دبائی اس پر حشر میں اس زمین کی مٹی لادی جائے گی۔

(۳۰) وعنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ایما رجل ظلم شبرًا من الارض کلفہ اللہ عز وجل ان یحفرہ حتی یبلغ اٰخر سبع ارضین ثم یطوقہ الی یوم القیمۃ حتی یقضی بین الناس (رواہ احمد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے زمین سے ایک بالشت ظلماً لی، اللہ تعالیٰ اس کو اس کی تکلیف دیں گے کہ وہ اس کو سات زمینوں کے آخر تک کھودے، پھر یوم قیامت کے آخر تک یعنی لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے تک اس کو اس کا طوق پہنائیں گے،

حلال کھانے کی تاکید اور حرام پر وعید

اوپر بہت سی آیات واحادیث میں کسی کا حق ظلماً دبانے پر سخت وعیدیں گزر چکی ہیں، یہاں مزید کچھ آیات واحادیث تحریر کی جاتی ہیں۔

(۳۱) کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ (۲-۵۷) کھاؤ پاک ان چیزوں سے جو کہ ہم نے تمھیں دی ہیں

(۳۲) یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ (۲-۱۶۸)

اے لوگو! جو چیزیں زمین میں موجود ہیں ان میں سے حلال پاک چیزوں کو کھاؤ اور شیطان کے قدم بہ قدم مت چلو، فی الواقع وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔

(۳۳) یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ وَاشْکُرُوْا لِلّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ اِیَّاہُ تَعْبُدُوْنَ (۲-۱۷۲)

اے ایمان والو! جو پاک چیزیں ہم نے تم کو مرحمت فرمائی ہیں ان میں سے کھاؤ اور اللہ تعالیٰ کی شکرگزاری کرو، اگر خاص ان کے ساتھ غلامی کا تعلق رکھتے ہو۔

(۳۴) وَلَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ

اور آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طور

بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (۲ - ۱۸۸)

پر مت کھاؤ اور ان کے جھوٹے مقدمہ کو حکام کے یہاں اس غرض سے رجوع مت کرو کہ اسکے ذریعہ سے لوگوں کے مالوں کا ایک حصہ بطریق گناہ یعنی ظلم کے کھا جاؤ اور تم کو اپنے جھوٹ اور ظلم کا علم بھی ہو۔

(۳۵) اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۭ فَمَنْ جَاۗءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ۭ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ (۲ - ۲۷۵)

جو لوگ سود کھاتے ہیں (یعنی لیتے ہیں) نہیں کھڑے ہوں گے (قیامت میں قبروں سے) مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے ایسا شخص جس کو شیطان خبطی بنا دے لپٹ کر (حیران و مدہوش) یہ (سزا) اس لئے ہوگی کہ ان لوگوں نے کہا تھا کہ بیع بھی تو مثل سود کے ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال فرمایا ہے اور سود کو حرام کر دیا ہے، پھر جس شخص کو اس کے پاس پروردگار کی طرف سے نصیحت پہنچی اور وہ باز آگیا تو جو کچھ (حکم آنے سے) پہلے (لینا) ہو چکا ہے وہ اسی کا رہا اور (باطنی) معاملہ اس کا اللہ کے حوالہ رہا اور جو شخص پھر عود کرے تو یہ لوگ دوزخ میں جائیں گے، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

(۳۶) يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ (۲ - ۲۷۶)

اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں اور صدقات کو بڑھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے کسی کفر کرنے والے کو اور کسی گناہ کرنے والے کو۔

(۳۷) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ۝ (۲ - ۲۷۸، ۲۷۹)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود کا بقایا ہے اس کو چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو، پھر اگر تم (اس پر عمل) نہ کرو گے تو اشتہار سن لو جنگ کا اللہ کی طرف سے اور اسکے رسول کی طرف سے (یعنی تم پر جہاد ہوگا) اور اگر تم توبہ کرلو تو تم کو تمہارے اصل مال مل جائیں گے (اور اس قانون کے بعد) نہ تم کسی پر ظلم کر پاؤ گے اور نہ تم پر کوئی ظلم کرنے پائے گا۔

تقسیم وراثت کی اہمیت ــــــــــــــــ ۲۲

(۳۸) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰۤوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَ اتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْۤ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ (۳-۱۳۰، ۱۳۱)

اے ایمان والو! سود مت کھاؤ کئی حصے زائد (کرکے) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، امید ہے کہ تم کامیاب ہوجاؤ، اور اس آگ سے بچو جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

(۳۹) اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِیْمًا ۝ یَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَ لَا یَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَ هُوَ مَعَهُمْ اِذْ یُبَیِّتُوْنَ مَا لَا یَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطًا ۝ (۴-۱۰۷، ۱۰۸)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو پسند نہیں فرماتے جو بڑا خیانت کرنے والا اور بڑا گنہگار ہو، جن کی یہ کیفیت ہے کہ آدمیوں سے تو چھپاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے نہیں شرماتے حالانکہ وہ اس وقت ان کے پاس ہوتا ہے جبکہ وہ خلاف مرضیٔ الٰہی گفتگو کے متعلق تدبیریں کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے سب اعمال کو اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہیں۔

(۴۰) وَ اَوْفُوا الْكَیْلَ وَ الْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ (۶-۱۵۲)

اور ناپ اور تول پوری پوری کیا کرو انصاف کے ساتھ۔

(۴۱) فَاَوْفُوا الْكَیْلَ وَ الْمِیْزَانَ وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ (۷-۸۵)

تو تم ناپ اور تول پوری کیا کرو اور لوگوں کا ان کی چیزوں میں نقصان مت کیا کرو۔

(۴۲) كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ (۲-۵۷)

کھاؤ پاک ان چیزوں سے جو کہ ہم نے تمہیں دی ہیں۔

(۴۳) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّهْبَانِ لَیَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِیْنَ یَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ یَّوْمَ یُحْمٰى عَلَیْهَا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَ ظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ

اے ایمان والو! اکثر یہود و نصاریٰ کے علماء و مشایخ لوگوں کے مال نامشروع طریقے سے کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے باز رکھتے ہیں اور غایت حرص سے جو لوگ سونا چاندی جمع کرکر رکھتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے سو آپ ان کو ایک بڑے دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے جو کہ اس روز واقع ہوگا کہ ان کو دوزخ کی آگ میں

فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ ٥ (۹-۳۴،۳۵) تپایا جائے گا پھر ان سے ان لوگوں کی پیشانیوں اور ان کی گردنوں اور اُن کی پشتوں کو داغ دیا جائے گا، یہ ہے وہ جس کو تم نے اپنے لئے جمع کر کے رکھا سو اب اپنے جمع کرنے کا مزہ چکھو۔

(۴۴) وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ إِنِّيٓ أَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّإِنِّيٓ أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيطٍ ٥ (۱۱-۸۴)

اور تم ناپ اور تول میں کمی مت کیا کرو، میں تمہیں فراغت کی حالت میں دیکھتا ہوں اور مجھے تم پر اندیشہ ہے ایسے دن کے عذاب کا جو انواع مصائب کا جامع ہوگا۔

(۴۵) وَأَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ (۱۱-۸۵)

تم ناپ اور تول پوری پوری کیا کرو اور لوگوں کا ان کی چیزوں میں نقصان مت کیا کرو۔

(۴۶) وَأَوْفُوا الْكَيْلَ إِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ٥ (۱۷-۳۵)

اور ناپ تول کرو تو پورا ناپو اور صحیح ترازو سے تول کر دو، یہ اچھی بات ہے اور انجام بھی اسکا اچھا ہے۔

(۴۷) كُلُوا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِي وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِي فَقَدْ هَوٰى (۲۰-۸۱)

ہم نے جو نفیس چیزیں تمہیں دی ہیں ان کو کھاؤ اس میں حد شرعی سے مت گزرو کہیں میرا غضب تم پر واقع ہو جائے اور جس پر میرا غضب واقع ہوتا ہے وہ بالکل گیا گزرا ہوا۔

(۴۸) يٰٓأَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوا صٰلِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ٥ (۲۳-۵۱)

اے پیغمبرو! تم (اور تمہاری اُمتیں) پاک چیزیں کھاؤ، اور نیک کام کرو اور میں تم سب کے کئے ہوئے کاموں کو خوب جانتا ہوں

(۴۹) أَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِينَ ٥ (۲۶-۱۸۱)

تم لوگ پورا ناپا کرو اور نقصان مت کیا کرو۔

(۵۰) وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ٥ (۲۶-۱۸۲)

اور سیدھی ترازو سے تولا کرو۔

(۵۱) وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ (۲۶-۱۸۳)

اور لوگوں کا اُن کی چیزوں میں نقصان مت کیا کرو۔

تقسیم وراثت کی اہمیت ــــــ ۲۴

(۵۲) وَمَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّیَرْبُوَا فِیْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰہِ ۚ وَمَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ زَکٰوۃٍ تُرِیْدُوْنَ وَجْہَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ٥ (۳۰-۳۹)

اور جو چیز تم اس غرض سے دو گے کہ وہ لوگوں کے مال میں پہنچ کر زیادہ ہو جائے تو یہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتی اور جو زکوٰۃ دو گے جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کرتے ہو گے تو ایسے لوگ اللہ کے پاس بڑھاتے رہیں گے۔

(۵۳) وَوَضَعَ الْمِیْزَانَ ٥ اَلَّا تَطْغَوْا فِی الْمِیْزَانِ (۵۵ - ۷، ۸)

اور اس نے ترازو رکھدی تاکہ تم تولنے میں کمی بیشی نہ کرو۔

(۵۴) وَاَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِیْزَانَ (۵۵-۹)

اور انصاف کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو اور تول کو گھٹاؤ مت۔

(۵۵) وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَا اکْتَالُوْا عَلَی النَّاسِ یَسْتَوْفُوْنَ ٥ وَاِذَا کَالُوْھُمْ اَوْ وَّزَنُوْھُمْ یُخْسِرُوْنَ ٥ اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِکَ اَنَّھُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ٥ لِیَوْمٍ عَظِیْمٍ ٥ یَّوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ٥ (۸۳ - ۱ تا ۶)

بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی کہ جب لوگوں سے ناپ کرلیں تو پورا لےلیں اور جب اُن کو ناپ کر یا تول کر دیں تو گھٹا دیں کیا ان لوگوں کو اس کا یقین نہیں کہ وہ ایک بڑے سخت دن میں زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے جس دن تمام آدمی رب العلمین کے سامنے کھڑے ہونگے۔

یہود کی مذمت میں فرماتے ہیں:

(۵۶) فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِیْنَ ھَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَیْھِمْ طَیِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَھُمْ وَبِصَدِّھِمْ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کَثِیْرًا ٥ وَّاَخْذِھِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُھُوْا عَنْہُ وَاَکْلِھِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَاَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ مِنْھُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ٥ (۴ - ۱۶۰، ۱۶۱)

سو یہود کے انہی بڑے بڑے جرائم کے سبب بہت سی پاکیزہ چیزیں جو ان کے لئے حلال تھیں ہم نے ان پر حرام کر دیں اور بسبب اسکے کہ وہ بہت آدمیوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی راہ سے مانع بن جاتے تھے اور بسبب اسکے کہ وہ سود لیا کرتے تھے حالانکہ ان کو اس سے ممانعت کی گئی تھی اور بسبب اس کے کہ وہ لوگوں کے مال ناحق طریقے سے کھا جاتے تھے اور ہم نے ان لوگوں کے لئے جو ان میں سے کافر ہیں دردناک سزا کا سامان کر رکھا ہے۔

تقسیم وراثت کی اہمیت ——— ۲۵

(۵۷) سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ (۵-۴۲)

یہ لوگ غلط باتوں کے سننے کے عادی ہیں بڑے حرام کھانے والے ہیں۔

(۵۸) وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (۵-۶۲)

اور آپ ان میں بہت ایسے آدمی دیکھتے ہیں، جو دوڑ دوڑ کر گناہ وظلم وحرام کھانے پر گرتے ہیں واقعی ان کے یہ کام بُرے ہیں۔

(۵۹) لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ○ (۵-۶۳)

ان کے مشایخ و علماء ان کو گناہ کی بات اور سود کھانے سے کیوں منع نہیں کرتے؟ واقعی ان کی یہ عادت بُری ہے۔

(۶۰) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ طیّب لا یقبل الا طیبا و انّ اللہ امر المؤمنین بما امر بہ المرسلین فقال يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا وقال يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ثمّ ذکر الرّجل یطیل السفر اشعث اغبر یمدّ یدیہ الی السماء یا ربّ یا ربّ و مطعمہ حرام و مشربہ حرام وملبسہ حرام وغذی بالحرام فانّی یستجاب لذٰلك (رواہ مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ پاک ہے وہ صرف پاک ہی کو قبول کرتا ہے اور بیشک اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو بھی اس چیز کا حکم دیا ہے جسکا رسولوں کو حکم دیا، پس فرمایا کہ اے پیغمبرو! کھاؤ پاک چیزوں سے اور نیک عمل کرو اور فرمایا اے ایمان والو! تم کھاؤ پاک چیزوں سے جو ہم نے تم کو عطا کیں، پھر آپ نے ایسے شخص کا ذکر کیا جو لمبا سفر کرے گا پراگندہ بال ہوگا غبار آلود ہوگا اور آسمان کی طرف ہاتھ پھیلا کر اے میرے رب! اے میرے رب! پکارے گا، حالانکہ اس کا کھانا حرام ہوگا اور اس کا پینا حرام ہوگا اور اس کا لباس حرام ہوگا اور اس کی غذا حرام ہوگی تو اس کی دعاء کیسے قبول ہو سکتی ہے؟

تنبیہ: مسافر کی دُعاء قبول ہوتی ہے اور لمبا سفر مزید موقع قبول ہے، ایسے ہی پراگندہ بال اور غبار آلود ہونا عجز وانکسار اور اضطرار وشکستگی کا مظہر ہے جو قبول دعاء کا بڑا سبب ہے، اسی طرح آسمان کی طرف ہاتھ پھیلانا اور یا رب! یا رب! پکارنا اپنی احتیاج کا مظہر ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت میں جوش لاتا ہے، غرضیکہ قبول دُعاء کے ان تمام

اسباب و مواقع کے ہوتے ہوئے بھی صرف حرام سے پرہیز نہ کرنے کی وجہ سے دُعا رد کردی جاتی ہے، ذرا اپنے حالات کا جائزہ لیں اور سوچیں کہ آج دُعائیں کیوں قبول نہیں ہوتیں؟
اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو حرام سے بچنے کی توفیق عطاء فرمائیں۔ آمین

(۶۱) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یأتی علی الناس زمان لایبالی المرء ما اخذ منہ امن الحلال ام من الحرام (رواہ البخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ انسان اس کی کچھ پروا نہ کرے گا کہ اس نے مال کہاں سے لیا حلال سے لیا یا حرام سے۔

زاد رزین فاذ ذالک لاتجاب لھم دعوۃ (جمع الفوائد)

رزین نے یہ الفاظ بھی روایت کئے ہیں، پس اُس وقت اُن کی دُعا قبول نہ کیجائے گی۔

(۶۲) عن النعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحلال بیّن والحرام بیّن و بینھما مشتبھات لایعلمھنّ کثیر من الناس فمن اتقی الشبھات استبرأ لدینہ و عرضہ ومن وقع فی الشبھات وقع فی الحرام کالراعی یرعی حول الحمی یوشک ان یرتع فیہ الاوان لکل ملک حمی الاوان حمی اللہ محارمہ الاوانّ فی الجسد مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ الاوھی القلب (رواہ الشیخان)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حلال ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے اور ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں کہ جن سے بہت سے لوگ غافل ہیں پس جو شخص ان مشتبہ چیزوں سے بچا اس نے اپنے دین اور اپنی عزّت کو بچالیا اور جو شخص ان مشتبہ چیزوں میں واقع ہوگیا وہ حرام میں واقع ہوگا جیسے کہ کوئی چرواہا کسی کی مخصوص چراگاہ کے قریب اپنے مواشی چرائے تو بعید نہیں کہ کسی وقت اس ممنوع چراگاہ کے اندر داخل ہوجائے، خبردار! بے شک ہر بادشاہ کے لئے ایک مخصوص چراگاہ اور ممنوعہ علاقہ ہوتا ہے۔ خبردار! بیشک اللہ تعالیٰ کا ممنوعہ علاقہ اسکی حرام کردہ اشیاء ہیں، خبردار! بیشک جسم میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے جب یہ درست ہوجائے تو سارا جسم درست ہوجاتا ہے اور جب یہ خراب ہوجائے تو سارا جسم خراب ہوجاتا ہے، خبردار! وہ لوتھڑا دل ہے۔

(۶۳) عن الحسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ

حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما

عنهما قال حفظت من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم دع ما یریبك الی مالا یریبك (رواہ احمد والترمذی والنسائی)

فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ہدایت حفظ کی کہ مشتبہ چیز کو چھوڑ کر غیر مشتبہ کو اختیار کرو۔

تنبیہ: جب شبہ کی چیزوں سے بچنے کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر سخت تاکید فرمائی ہے تو غور فرمائیے کہ حرام سے بچنا کتنا مؤکد اور اہم ہے، اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس کی سمجھ اور توفیق عطا فرمائیں، آمین

(۶۴) عن عبد اللّٰہ بن مسعود رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال لا یکسب عبد مالا من حرام فیتصدق منہ فیقبل منہ ولا ینفق منہ فیبارك لہ فیہ ولا یترکہ خلف ظھرہ الا کان زادہ الی النار ان اللّٰہ لا یمحو السیئ بالسیئ ولکن یمحو السیئ بالحسن ان الخبیث لا یمحو الخبیث (رواہ احمد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی انسان حرام مال کما کر اس سے صدقہ کرتا ہے تو وہ صدقہ قبول نہیں کیا جاتا اور اس حرام مال سے اپنی ضروریات میں خرچ کرتا ہے تو اس میں اس کے لئے برکت نہیں دی جاتی، اور حرام مال چھوڑ کر مر جاتا ہے تو وہ صرف جہنم کا سامان ہوگا، بے شک اللہ تعالیٰ گناہوں کو حرام مال سے صدقہ کرنے سے نہیں مٹاتے بلکہ حلال مال سے صدقہ کرنے سے گناہوں کو مٹاتے ہیں۔ خبیث مال گناہوں کے خبث کو نہیں مٹاتا۔

تنبیہ: حرام مال سے صدقہ دیکر ثواب کی اُمید رکھنے کو فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے کفر کہا ہے۔

(۶۵) عن جابر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا یدخل الجنۃ لحم نبت من السحت وکل لحم نبت من السحت کانت النار اولیٰ بہ (رواہ احمد والدارمی والبیھقی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو گوشت حرام سے پیدا ہوا وہ جنت میں نہ جائیگا، اور ہر وہ گوشت جو حرام سے پیدا ہوا جہنم کی آگ کا مستحق ہے۔

(۶۶) عن عائشۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا قالت کان لابی بکر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ غلام یخرج لہ الخراج فکان ابوبکر رضی اللّٰہ

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک غلام تھا جو آپ کو مال کی معیّن مقدار ادا کیا کرتا تھا، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس

تعالیٰ عنہ یأکل من خراجہ فجاء یومًا بشیٔ فاکل منہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لہ الغلام تدری ما ھذا فقال ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وما ھو قال کنت تکہنت لانسان فی الجاھلیۃ وما احسن الکھانۃ الا انی خدعتہ فلقینی فاعطانی بذلک فھذا الذی اکلت منہ قالت فادخل ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یدہ فقاء کل شیٔ فی بطنہ (رواہ البخاری)

مال سے کھایا کرتے تھے، پس وہ ایک روز کچھ لایا جس سے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کچھ کھایا، پھر غلام نے پوچھا کہ آپ کو معلوم ہے کہ یہ کیا ہے؟ تو ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ تو غلام نے کہا کہ میں نے زمانۂ جاہلیت میں ایک شخص کے لئے فال نکالی تھی حالانکہ میں فال نکالنا نہ جانتا تھا مگر میں نے اسکو دھوکہ دیا، اب وہ شخص مجھ سے ملا تو اس نے اس فال کے عوض کچھ دیا، یہ وہی ہے جس کو آپ نے کھایا۔ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا ہاتھ اپنے منہ میں داخل کیا اور جو کچھ پیٹ میں تھا سب قے کردیا۔

(۶۷) عن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یدخل الجنۃ جسد غذی بالحرام (رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو جسم حرام سے غذا دیا گیا ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔

(۶۸) عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال من اشتری ثوبًا بعشرۃ دراھم وفیہ درھم حرام لم یقبل اللہ تعالیٰ لہ صلوٰۃ مادام علیہ ثم ادخل اصبعیہ فی اذنیہ وقال صمتا ان لم یکن النبی صلی اللہ علیہ وسلم سمعتہ یقولہ (رواہ احمد)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جس شخص نے دس درہموں کے عوض کپڑا خریدا حالانکہ ان میں ایک درہم حرام تھا تو جب تک یہ کپڑا اس پر رہے گا اللہ تعالیٰ اس کی نماز قبول نہ فرمائیں گے پھر اپنے کانوں میں دونوں انگلیاں داخل کرکے فرمایا کہ اگر میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں فرماتے ہوئے نہ سنا ہو تو یہ دونوں کان بہرے ہوجائیں۔

(۶۹) ابو الطفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ رفعہ من کسب مالا من حرام فاعتق ووصل منہ رحمہ کان ذلک اصرًا للکبیر بضعف

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے حرام سے کچھ مال کمایا، پھر اس سے غلام آزاد کیا اور اس سے صلہ رحمی کی

(جمع الفوائد) تو یہ بجائے ثواب کے گناہ ہو گا۔

اوپر گزر چکا ہے کہ فقہاء کرام نے بہ نیت ثواب حرام سے صدقہ کرنے کو کفر قرار دیا ہے۔

(۷۰) میمونۃ بنت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت افتنا یا رسول اللہ عن السرقۃ قال من اکلہا وھو یعلم انّھا سرقۃ فقد شرک فی اثم سرقتہا۔ للکبیر بخفی (جمع الفوائد)

حضرت میمونہ بنت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں چوری کا حکم بتائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے یہ جانتے ہوئے کہ یہ چوری کا مال ہے اسے کھایا تو بلا شبہہ وہ اس کی چوری کے گناہ میں شریک ہوگیا۔

تنبیہ: اس حدیث سے وہ لوگ سبق حاصل کریں جو دیدہ و دانستہ ایسے لوگوں کے ہاں کھاتے پیتے رہتے ہیں جن کی آمدنی حرام کی ہے یا وارثوں اور یتیموں کا حق دبائے بیٹھے ہیں۔

(۷۱) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المعدۃ حوض البدن والعروق الیھا واردۃ فاذا صحت المعدۃ صدرت العروق بالصحۃ واذا فسدت المعدۃ صدرت العروق بالسقم (رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ معدہ بدن کا حوض ہے، بدن کی عروق وہاں پہنچتی ہیں پس جب معدہ تندرست ہوگا تو عروق تندرستی لیکر لوٹیں گی اور جب معدہ فاسد ہوگا تو عروق بیماری لے کر لوٹیں گی۔

اس حدیث میں اگرچہ ظاہری اور جسمانی صحت و مرض کا بیان ہے مگر بلا شبہہ باطنی صحت و مرض کا بھی یہی حال ہے۔

پیٹ کی مثال ایسے حوض جیسی ہے جس کے اردگرد مختلف کیاریوں میں سبزہ اور پھول لگے ہوئے ہوں اور اس حوض سے نالیوں کے ذریعہ یہ کیاریاں سیراب ہوتی ہوں پس اگر حوض کا پانی صاف ہے اور اپنے اندر پوری پوری قوتِ نامیہ رکھتا ہے تو یہ کیاریاں خوب پھل پھول دیں گی اور اگر حوض کے پانی میں شورہ یا کاسٹک وغیرہ ہے تو کیاریوں میں ڈالے ہوئے تخم کو جلا کر رکھدے گا، اسی طرح پیٹ میں غذا حلال طیب ہے تو اس سے خون صالح پیدا ہوگا اور وریدوں و شریانوں کے ذریعہ آنکھ، کان وغیرہ تک جو غذا پہنچے گی اس سے ان اعضاء میں نمو اور پھل پھول آئیں گے یعنی اللہ تعالیٰ کی

عبادت اور رضا جوئی میں مشغول رہیں گے اور اگر پیٹ میں طعام خبیث و حرام ہے تو اس سے فاسد خون پیدا ہوگا جو وریدوں و شریانوں کے ذریعہ اعضاء تک پہنچ کر ان کی قدرتی صلاحیت یعنی خدا ترسی اور اطاعت خداوندی کی استعداد کو جلا کر خاک کردیگا ایسے اعضاء کو حسنات کی توفیق نہیں ہوتی ۔

(۷۲) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتیت لیلۃ اسری بی علی قوم بطونھم کالبیوت فیھا الحیات تری من خارج بطونھم فقلت من ھٰؤلاء یا جبرئیل قال ھٰؤلاء اکلۃ الربا وفی روایۃ من امتک (رواہ احمد وابن ماجہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں معراج کی رات ایک ایسے گروہ پر گزرا جن کے پیٹ مکانوں کی طرح (بڑے بڑے) تھے اور ان کے اندر سانپ بھرے ہوئے تھے جو پیٹ کے باہر سے دکھائی دیتے تھے، میں نے کہا اے جبریل! یہ لوگ کون ہیں؟ اس نے کہا کہ یہ سود کھانے والے لوگ ہیں۔

(۷۳) عن سمرۃ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فانطلقنا حتی اتینا علی نھر من دم فیہ رجل قائم علی وسط النھر وعلی شط النھر رجل بین یدیہ حجارۃ فاقبل الرجل الذی فی النھر فاذا اراد ان یخرج رمی الرجل بحجر فی فیہ فردہ حیث کان فجعل کلما جاء لیخرج رمی فی فیہ بحجر فیرجع کما کان فقلت ما ھٰذا قال والذی فی النھر اکل الربا۔ (رواہ البخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جبرئیل و میکائیل علیہما السلام) آگے بڑھے یہاں تک کہ ایک خون کی نہر پر ہمارا گزر ہوا، اس نہر کے بیچ میں ایک شخص کھڑا ہوا تھا اور کنارے پر ایک دوسرا آدمی تھا جس کے پاس پتھر تھے پھر نہر کے اندر والے شخص نے کنارے کی طرف رُخ کیا اور جب نہر سے باہر نکلنا چاہا تو باہر والے آدمی نے اس کے منہ پر پتھر کھینچ مارا اور پھر اسے اپنی جگہ پر واپس کردیا، اس طرح جب بھی نہر کے اندر والے شخص نے باہر نکلنا چاہا کنارے والے نے اس کو پتھر مار کر واپس کردیا، میں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ جو شخص نہر میں ہے یہ سود خور ہے،

(۷۴) عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال

لعنت فرمائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أکل الرّبا ومؤکلہ وکاتبہٗ وشاھدیہ وقال ھم سواء

(رواہ البخاری ومسلم ولفظہ لمسلم)

سود کھانے والے پر، کھلانے والے پر، سود کا معاملہ لکھنے والے پر اور سود کے معاملہ کے دونوں گواہوں پر، اور فرمایا کہ گناہ میں وہ سب برابر ہیں۔

(۷۵) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الرّبا سبعون جزءا ایسرھا ان ینکح الرّجل امّہ (ابن ماجۃ والبیھقی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سود کے ستّر حصّے ہیں اور سب سے کم حصّہ ایسا ہے جیسے کوئی اپنی ماں کے ساتھ زنا کرے۔

(۷۶) عن عبد اللہ بن حنظلۃ غسیل الملٰئکۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درھم ربوا یأکلہ الرّجل وھو یعلم اشد من ستۃ وثلٰثین زنیۃ

(رواہ احمد والدارقطنی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سود کا ایک درہم جسے کوئی شخص جانتے ہوئے کھاتا ہے چھتیس زنا سے بھی بدتر ہے۔

(روی البیھقی فی شعب الایمان عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما وزاد وقال من نبت لحمہ من السّحت فالنّار اولیٰ بہ۔

اور بیہقی نے شعب الایمان میں اس روایت کو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے اور اس میں یہ مضمون بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کا گوشت حرام مال سے پیدا ہوا وہ آگ کا مستحق ہے۔

دُنیا سے زہد اور آخرت کی ترغیب

(۷۷) زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝

خوشنما معلوم ہوتی ہے (اکثر) لوگوں کو محبت مرغوب چیزوں کی (مثلاً) عورتیں ہوئیں، بیٹے ہوئے، ڈھیر ہوئے سونے چاندی کے نمبر (یعنی نشان) لگے ہوئے گھوڑے ہوئے یا دوسرے مواشی ہوئے اور زراعت ہوئی

قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۭ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝ (۳ - ۱۴، ۱۵)

لیکن یہ سب استعمالی چیزیں ہیں دنیوی زندگی کی اور انجام کار کی خوبی تو اللہ ہی کے پاس ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ کیا تمہیں کوئی ایسی چیز بتاؤں جو بدرجہا بہتر ہو ان چیزوں سے (سو سنو) ایسے لوگوں کے لئے (جو اللہ سے) ڈرتے ہیں ان کے مالک (حقیقی) کے پاس ایسے ایسے باغ ہیں جن کے پائیں میں نہریں جاری ہیں ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور ان کے لئے ایسی بیبیاں ہیں جو صاف ستھری کی ہوئی ہیں اور اُن کے لئے خوشنودی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھتے بھالتے ہیں بندوں کو،

(۷۸) وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝ (۳ - ۱۸۵)

اور دنیوی زندگی تو کچھ بھی نہیں ہے صرف دھوکے کا سودا ہے۔

(۷۹) لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ۝ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۣ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ (۳ - ۱۹۶، ۱۹۷)

تجھے ان کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا مغالطہ میں نہ ڈالدے، چند روزہ بہار ہے پھر ان کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا، اور وہ بری آرام گاہ ہے۔

(۸۰) فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۭ (۴ - ۷۴)

تو ہاں اس شخص کو چاہیئے کہ اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑے جو آخرت کی زندگی کے بدلے دُنیوی زندگی اختیار کئے ہوئے ہیں۔

(۸۱) قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۣ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝ (۴ - ۷۷)

آپ فرما دیجئے کہ دُنیا کا تمتع محض چند روزہ ہے اور آخرت ہر طرح سے بہتر ہے اس شخص کے لئے جو اللہ کی مخالفت سے بچے اور تم پر تاگے برابر بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔

(۸۲) تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ۭ (۴ - ۹۴)

تم دنیوی زندگی کے سامان کی خواہش کرتے ہو پس اللہ تعالیٰ کے پاس بہت غنیمت کے مال ہیں۔

(۸۳) وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّ

اور دُنیوی زندگی تو کچھ بھی نہیں بجز لہو ولعب کے

لَهْوٌ ۭ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ (۶-۳۲)

اور آخرت کا گھر متقیوں کے لئے بہتر ہے، کیا تم سوچتے سمجھتے نہیں ہو۔

(۸۴) وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ڰ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ○ (۶-۷۰)

اور ایسے لوگوں سے بالکل کنارہ کش رہ جنہوں نے اپنے دین کو لہو و لعب بنا رکھا ہے اور دنیوی زندگی نے انھیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے اور اس قرآن کے ذریعہ سے نصیحت بھی کرتا رہ تاکہ کوئی شخص اپنے کردار سے اس طرح نہ پھنس جائے کہ کوئی غیر اللہ نہ اس کا مددگار رہے اور نہ سفارش کرنے والا، اور (یہ کیفیت ہے کہ) اگر دنیا بھر کا معاوضہ بھی دے ڈالے تو اس سے نہ لیا جائے، یہ ایسے ہی ہیں کہ اپنے کردار کے سبب پھنس گئے، ان کے لئے نہایت تیز (کھولتا ہوا) پانی پینے کے لئے ہوگا اور دردناک سزا ہوگی اپنے کفر کے سبب سے۔

(۸۵) وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ○ (۸-۲۸)

اور تم اس بات کو جان رکھو کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد ایک امتحان کی چیز ہے اور اس بات کو بھی جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے پاس بڑا بھاری اجر ہے۔

(۸۶) تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ڰ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۭ (۸-۶۷)

تم تو دنیا کا مال اسباب چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ آخرت چاہتے ہیں۔

(۸۷) قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ○ (۹-۲۴)

آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیبیاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور تجارت کہ جس میں نکاسی نہ ہونے کا تم کو اندیشہ ہو اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو تمہیں اللہ اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہوں تو

تم منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیجدیں اور اللہ تعالیٰ بے حکمی کرنے والے لوگوں کو اُن کے مقصود تک نہیں پہنچاتا۔

(۸۸) أَرَضِيتُم بِالْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ٥ (۹-۳۸)

کیا تم نے آخرت کے عوض دنیا کی زندگی پر قناعت کرلی؟ سو دنیوی زندگی کا تمتع تو آخرت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں بہت قلیل ہے۔

(۸۹) فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ ۚ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُم بِهَا فِي الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ ٥ (۹-۵۵)

پس ان کے اموال و اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں، اللہ کو صرف یہ منظور ہے کہ ان چیزوں کی وجہ سے دُنیوی زندگی میں ان کو گرفتار عذاب رکھے اور ان کی جان کفر ہی کی حالت میں نکل جائے۔

(۹۰) وَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَأَوْلَادُهُمْ ۚ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَن يُعَذِّبَهُم بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ ٥ (۹-۸۵)

اور ان کے اموال و اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں، اللہ کو صرف یہ منظور ہے کہ ان چیزوں کی وجہ سے دنیا میں ان کو گرفتار عذاب رکھے اور ان کا دم حالت کفر ہی میں نکل جائے۔

(۹۱) إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا وَرَضُوا بِالْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنُّوا بِهَا وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ آيَاتِنَا غَافِلُونَ ۙ أُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ٥ (۱۰-۷، ۸)

جن لوگوں کو ہمارے پاس آنے کا کھٹکا نہیں ہے اور وہ دُنیوی زندگی پر راضی ہوگئے ہیں اور اس میں جی لگا بیٹھے ہیں اور جو لوگ ہماری آیات سے بالکل ہی غافل ہیں ایسے لوگوں کا ٹھکانا ان کے اعمال کی وجہ سے دوزخ ہے۔

(۹۲) إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَنزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ وَالْأَنْعَامُ ؕ حَتَّىٰ إِذَا أَخَذَتِ الْأَرْضُ

بس دنیوی زندگی کی حالت تو ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے زمین کے نباتات جن کو آدمی اور چوپائے کھاتے ہیں خوب گنجان ہو کر نکلے یہاں تک کہ جب وہ زمین

زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ اَتٰهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ○ (۱۰-۲۴)

اپنی رونق کا پورا حصہ لے چکی اور اس کی خوب زیبائش ہوگئی اور اس کے مالکوں نے سمجھ لیا کہ اب ہم اس پر بالکل قابض ہو چکے ہیں تو دن میں یا رات میں اس پر ہماری طرف سے کوئی حادثہ آپڑا سو ہم نے اس کو ایسا صاف کر دیا کہ گویا کل وہ موجود ہی نہ تھی، ہم اسی طرح آیات کو صاف صاف بیان کرتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے جو سوچتے ہیں

(۹۳) مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (۱۱-۱۵، ۱۶)

جو شخص محض حیات دنیوی اور اس کی رونق چاہتا ہے تو ہم ان لوگوں کے اعمال ان کو دنیا ہی میں پورے طور سے بھگتا دیتے ہیں اور ان کے لئے دنیا میں کچھ کمی نہیں ہوتی یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے لئے آخرت میں بجز دوزخ کے اور کچھ نہیں اور انھوں نے جو کچھ کیا تھا وہ آخرت میں سب ناکارہ ہوگا اور جو کچھ کر رہے ہیں وہ اب بھی بے اثر ہے۔

(۹۴) اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۭ وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ○ (۱۳-۲۶)

اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے رزق زیادہ دیتا ہے اور تنگی کر دیتا ہے اور یہ لوگ دنیوی زندگی پر اتراتے ہیں اور یہ دنیوی زندگی آخرت کے مقابلہ میں بجز ایک متاع قلیل کے اور کچھ نہیں

(۹۵) لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ○ (۱۵-۸۸)

اور آپ اپنی آنکھ اٹھا کر بھی اس چیز کو نہ دیکھئے جو کہ ہم نے مختلف قسم کے کافروں کو برتنے کے لئے دے رکھی ہے اور ان پر غم نہ کیجئے اور جھکا اپنے بازو کو ایمان والوں کے واسطے،

(۹۶) وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ

اور اپنے کو ان لوگوں کے ساتھ مقید رکھا کیجئے جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت محض اس کی رضا جوئی کے لئے کرتے ہیں اور دنیوی

زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ۝ (۱۸ - ۲۸)

زندگی کی رونق کے خیال سے آپ کی آنکھیں ان سے ہٹنے نہ پائیں اور ایسے شخص کا کہنا نہ مانئے جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے اور وہ اپنی نفسانی خواہش پر چلتا ہے اور اسکا حال حد سے گزر گیا ہے۔

(۹۷) وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ۝ (۱۸ - ۴۵)

اور آپ اُن لوگوں سے دنیوی زندگی کی حالت بیان فرمائیے، وہ ایسی ہے جیسے آسمان سے ہم نے پانی برسایا پھر اس کے ذریعہ سے زمین کی نباتات خوب گنجان ہوگئی ہوں پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جائیں کہ ان کو ہوا اُڑائے لئے پھرتی ہو اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔

(۹۸) اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ۝ (۱۸ - ۴۶)

مال اور اولاد حیاتِ دُنیا کی ایک رونق ہے اور جو اعمال صالحہ باقی رہنے والے ہیں وہ آپ کے رب کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے بھی ہزار درجہ بہتر ہیں اور امید کے اعتبار سے بھی ہزار درجہ بہتر ہیں۔

(۹۹) وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ؕ لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ۝ (۲۰ - ۱۳۱، ۱۳۲)

اور ہرگز ان چیزوں کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھئے جن سے ہم نے ان (کفار) کے مختلف گروہوں کو ان کی آزمائش کے لئے متمتع کر رکھا ہے کہ وہ دنیوی زندگی کی رونق ہے اور آپ کے رب کا عطیہ بدرجہا بہتر ہے، اور دیرپا ہے اور اپنے متعلقین کو بھی نماز کا حکم کرتے رہیئے اور خود بھی اس کے پابند رہیئے، ہم آپ سے معاش نہیں چاہتے، معاش آپ کو ہم دیں گے اور بہتر انجام تو پرہیزگاری ہے

(۱۰۰) وَمَاۤ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ

اور جو کچھ تمہیں دیا گیا ہے وہ دنیوی زندگی کا عارضی سامان ہے اور یہیں کی زینت ہے

خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ٥ (۲۰ - ۶۰)

اور جو اللہ کے ہاں ہے وہ اس سے بدرجہا بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے کیا تم نہیں سمجھتے

(۱۰۱) اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ٥ (۲۸ - ۶۱)

بھلا وہ جس شخص جس سے ہم نے ایک پسندیدہ وعدہ کر رکھا ہے پھر وہ شخص اس کو پانے والا ہے کیا اُس شخص جیسا ہو سکتا ہے جس کو ہم نے دُنیوی زندگی کا چند روزہ فائدہ دے رکھا ہے پھر وہ قیامت کے روز ان لوگوں میں ہوگا جو گرفتار کرکے لیجائے جائیں گے۔

(۱۰۲) اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ص وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِى الْقُوَّةِ ق اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ٥ وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِى الْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ٥ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِىْ ؕ اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا ؕ وَلَا يُسْئَلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ٥ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِىْ زِيْنَتِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِىَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ٥ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ

قارون موسیٰ علیہ السلام کی برادری میں سے تھا سو وہ (کثرتِ مال کی وجہ سے) ان لوگوں کے مقابلہ میں تکبر کرنے لگا اور ہم نے اس کو اسقدر خزانے دیئے تھے کہ ان کی کنجیاں کئی کئی زور آور شخصوں کو گراں بار کر دیتی تھیں جبکہ اس کو اس کی برادری نے کہا کہ تو اترا مت، واقعی اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا اور تجھے اللہ نے جتنا دے رکھا ہے اس میں عالم آخرت کی بھی جستجو کیا کر اور دُنیا سے اپنا حصہ آخرت میں لے جانا فراموش مت کر اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی بندوں کے ساتھ احسان کیا کر اور دنیا میں فساد کا خواہاں مت ہو۔ بے شک اللہ اہلِ فساد کو پسند نہیں کرتا۔ قارون کہنے لگا کہ مجھے تو یہ سب کچھ میری ذاتی ہنرمندی سے مِلا ہے، کیا اس قارون نے یہ نہ جانا کہ اللہ تعالیٰ اس سے پہلے گزشتہ اُمتوں میں ایسے ایسوں کو ہلاک کر چکا ہے جو قوت

لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ○ فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ قف فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ق وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ○ وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ج لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ط وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ○

(۲۸ - ۷۶ تا ۸۲)

میں بھی اس سے کہیں بڑھے ہوئے تھے اور مجمع بھی ان کا اس سے کہیں زیادہ تھا اور اہل جرم سے ان کے گناہوں کی تحقیق کرنیکی غرض سے سوال نہ کرنا پڑے گا، پھر وہ اپنی آرائش سے اپنی برادری کے سامنے نکلا جو لوگ دُنیا کے طالب تھے کہنے لگے کہ کیا خوب ہوتا کہ ہمیں بھی وہ ساز و سامان ملا ہوتا جو قارون کو ملا ہے واقعی وہ بڑا صاحب نصیب ہے اور جن لوگوں کو فہم عطا ہوئی تھی وہ کہنے لگے، ارے تمہارا ناس ہو اللہ تعالیٰ کا ثواب اس دنیوی کرّ و فکر سے ہزار درجہ بہتر ہے جو ایسے شخص کو ملتا ہے کہ ایمان لائے اور نیک عمل کرے، اور وہ ثواب کامل طور پر انہی کو دیا جاتا ہے جو دُنیا کی حرص اور طمع سے صبر کرنے والے ہیں، پھر ہم نے اس قارون کو اور اس کے محل سرائے کو زمین میں دھنسا دیا سو کوئی ایسی جماعت نہ ہوئی جو اس کو اللہ کے عذاب سے بچا لیتی اور وہ نہ خود ہی اپنے کو بچا سکا اور کل جو لوگ اس جیسے ہونے کی تمنا کر رہے تھے وہ آج کہنے لگے: بس جی یوں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے زیادہ روزی دیتا ہے اور جس کو چاہے تنگی سے دینے لگتا ہے، اگر ہم پر اللہ تعالیٰ کی مہربانی نہ ہوتی تو ہمیں بھی دھنسا دیتا، بس جی معلوم یوں ہوا کہ کافروں کو فلاح نہیں ہوتی۔

(۱۰۳) وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ط وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ○

(۲۹ - ۶۴)

اور یہ دنیوی زندگی بجز لہو و لعب کے اور کچھ بھی نہیں اور اصل زندگی عالم آخرت ہے کاش ان کو اس کا علم ہوتا۔

(۱۰۴) يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو اور اس دن سے ڈرو جس میں نہ کوئی باپ اپنے بیٹے کی

وَّلَدِهٖ ۫ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۫ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝ (۳۱ ـ ۳۳)

طرف سے کچھ مطالبہ ادا کر سکے گا اور نہ کوئی بیٹا ہی ہے کہ وہ اپنے باپ کی طرف سے ذرا بھی مطالبہ ادا کر دے، یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے سو تم کو دنیوی زندگانی دھوکہ میں نہ ڈالے۔

(۱۰۵) يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ (۳۳ ـ ۲۸ ـ ۲۹)

اے نبی! آپ اپنی بیویوں سے فرما دیجئے کہ اگر تم دنیوی زندگی اور اس کی بہار چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ متاع دیدوں، اور تمہیں خوبی کے ساتھ رخصت کر دوں اور اگر تم اللہ کو چاہتی ہو اور اس کے رسول کو اور عالم آخرت کو تو تم میں سے نیک کردار کے لئے اللہ تعالیٰ نے اجر عظیم مہیا کر رکھا ہے

(۱۰۶) يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ۫ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ۝ (۴۰ ـ ۳۹)

اے بھائیو! یہ دُنیوی زندگی محض چند روزہ ہے اور ٹھہرنے کا مقام تو آخرت ہے۔

(۱۰۷) مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ۝ (۴۲ ـ ۲۰)

جو شخص آخرت کی کھیتی کا طالب ہو ہم اس کو اس کی کھیتی میں ترقی دیں گے اور جو دنیا کی کھیتی کا طالب ہو تو ہم اس کو کچھ اس (دنیا) میں سے دیں گے اور آخرت میں اُسکا کچھ حصہ نہیں۔

(۱۰۸) وَلَوْلَاۤ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ۝ وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا

اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تمام آدمی ایک ہی طریقہ کے ہو جائیں گے تو جو لوگ رحمٰن کے ساتھ کفر کرتے ہیں ہم اُن کے لئے گھروں کی چھتیں چاندی کی کر دیتے اور زینے بھی جن پر چڑھا کرتے ہیں اور ان کے گھروں

يَتَّكِـُٔوْنَ ۙ وَزُخْرُفًا ؕ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ (۴۳-۳۳، تا ۳۵)

کے کواڑ بھی اور تخت بھی جن پر تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں اور یہ سب چیزیں سونے کی بھی، اور یہ ساز و سامان کچھ بھی نہیں صرف دنیوی زندگی کی چند روزہ کامرانی ہے اور آخرت آپ کے پروردگار کے ہاں اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے ہے۔

(۱۰۹) اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ۝ (۴۷-۳۶)

یہ دنیوی زندگی تو محض لہو و لعب ہے اور اگر تم ایمان و تقویٰ اختیار کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے اجر عطا کرے گا اور تم سے تمہارے مال طلب نہیں کرے گا

(۱۱۰) اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِى الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ؕ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ؕ وَفِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝ (۵۷-۲۰)

تم خوب جان لو کہ دنیوی حیات محض لعب و لہو اور زینت اور باہم ایک دوسرے پر فخر کرنا اور اموال و اولاد میں ایک کا دوسرے سے اپنے کو زیادہ بتانا ہے، جیسا مینہ ہے کہ اس کی پیداوار کاشتکاروں کو اچھی معلوم ہوتی ہے پھر وہ خشک ہو جاتی ہے سو تو اس کو زرد دیکھتا ہے، پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے اور آخرت میں عذاب شدید ہے اور اللہ کی طرف سے مغفرت اور رضامندی ہے اور دنیوی زندگی محض دھوکہ کا اسباب ہے۔

(۱۱۱) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ (۶۳-۹)

اے ایمان والو! تم کو تمہارے مال و اولاد اللہ کی یاد سے غافل نہ کرنے پائیں اور جو ایسا کرے گا سو ایسے لوگ ناکام رہنے والے ہیں۔

(۱۱۲) اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ (۶۴-۱۵)

تمہارے مال و اولاد بس تمہارے لئے ایک آزمائش کی چیز ہے اور اللہ کے پاس بڑا اجر ہے۔

(۱۱۳) فَاَمَّا مَنْ طَغٰىۙ وَاٰثَرَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَاۙ فَاِنَّ الْجَحِیْمَ هِیَ الْمَاْوٰىؕ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰىۙ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰىؕ (۷۹ - ۳۷ تا ۴۱)

تو جس شخص نے سرکشی کی ہوگی اور دنیوی زندگی کو ترجیح دی ہوگی سو دوزخ اس کا ٹھکانہ ہوگا، اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا اور نفس کو خواہش سے روکا ہوگا سو جنت اس کا ٹھکانہ ہوگا۔

(۱۱۴) بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا٘ۖ وَالْاٰخِرَةُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰىؕ (۸۷ - ۱۶، ۱۷)

بلکہ تم اپنی دنیوی زندگی کو مقدم رکھتے ہو حالانکہ آخرت بدرجہا بہتر اور پائیدار ہے۔

(۱۱۵) وَیْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِۙ الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗۙ یَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗۚ كَلَّا لَیُنْۢبَذَنَّ فِی الْحُطَمَةِ٘ۖ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُؕ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُۙ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِؕ اِنَّهَا عَلَیْهِمْ مُّؤْصَدَةٌۙ فِیْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ (۱۰۴ - ۱ تا ۹)

بڑی خرابی ہے ہر ایسے شخص کے لئے جو پس پشت عیب نکالنے والا اور رو در رو طعنہ دینے والا ہو، جو مال جمع کرتا ہو اور اس کو بار بار گنتا ہو، وہ خیال کر رہا ہے کہ اس کا مال اس کے پاس سدا رہے گا ہرگز نہیں، واللہ وہ شخص ایسی آگ میں ڈالا جائے گا جس میں جو کچھ پڑے تو اس کو توڑ پھوڑ دے، اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ وہ توڑ پھوڑنے والی آگ کیسی ہے؟ وہ اللہ کی آگ ہے جو سلگائی گئی ہے، جو دلوں تک جا پہنچے گی، وہ ان پر بند کر دی جائے گی، وہ لوگ آگ کے بڑے لمبے لمبے ستونوں میں ہوں گے۔

بنی اسرائیل کی مذمت میں فرماتے ہیں:

(۱۱۶) اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا بِالْاٰخِرَةِ٘ فَلَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ (۲ - ۸۶)

یہ وہ لوگ ہیں کہ انھوں نے دنیوی زندگی کو لے لیا ہے بعوض آخرت کے، سو نہ تو ان کی سزا میں تخفیف کی جائے گی اور نہ کوئی انکی طرفداری کرنے پائے گا۔

کفار کی مذمت میں فرماتے ہیں:

(۱۱۷) اَلَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَهْوًا

جنہوں نے دنیا میں اپنے دین کو لہو و

وَّ لَعِبًا وَّ غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ج فَالْيَوْمَ نَنْسٰهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا لا وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ○ (۷-۵۱)

لعب بنا رکھا تھا اور جن کو دنیوی زندگی نے دھوکہ میں ڈال رکھا تھا سو ہم بھی آج کے روز ان کا نام نہ لیں گے جیسا انھوں نے اس دن کا نام تک نہ لیا اور جیسا یہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے،

(۱۱۸) عن المستورد بن شداد رضی اللہ تعالی عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول واللہ ما الدنیا فی الاخرۃ الامثل مایجعل احدکم اصبعہ فی الیم فلینظر بم یرجع (رواہ مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی قسم دنیا کی آخرت کے مقابلہ میں ایسی مثال ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنی انگلی سمندر میں ڈال کر نکالے تو دیکھے کہ وہ کیا لائی ؟

(۱۱۹) وعن جابر رضی اللہ تعالی عنہ انّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر بجدی اسك میت قال ایکم یحب ان ھذا لہ بدرھم فقالوا ما نحب انہ لنا بشیء قال فواللہ للدنیا اھون علی اللہ من ھذا علیکم (رواہ مسلم)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بکری کے ایک چھوٹے کانوں والے مُردہ بچے پر گزر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے اس کو ایک درہم کے عوض کون لینا پسند کرتا ہے ؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ہم تو اسے مفت میں لینا بھی پسند نہیں کرتے، آپ نے فرمایا کہ واللہ! دنیا اللہ تعالیٰ کے ہاں اس سے بھی زیادہ ذلیل ہے

(۱۲۰) وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الدنیا سجن المؤمن وجنۃ الکافر (رواہ مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا مؤمن کے لئے قید خانہ ہے اور کافر کے لئے جنت ہے۔

(۱۲۱) وعن عمرو بن عوف رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فواللہ لا الفقر اخشی علیکم ولکن اخشی علیکم ان تبسط علیکم الدنیا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ واللہ میں تم پر فقر کا خوف نہیں کرتا، لیکن مجھے یہ خطرہ ہے کہ تم پر پہلے لوگوں کی طرح دنیا پھیلا دی جائے تو تم اُن کی

کما بسطت علی من کان قبلکم فتنافسوھا کما تنافسوھا وتھلککم کما اھلکتھم (متفق علیہ)

طرح اس میں رغبت کرنے لگو اور وہ تمہیں ان پہلی اُمتوں کی طرح ہلاک کرڈالے۔

(۱۲۲) وعن سھل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو کانت الدنیا تعدل عند اللہ جناح بعوضۃ ما سقی کافرا منھا شربۃ (رواہ احمد والترمذی وابن ماجۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر دُنیا کی اللہ تعالیٰ کے ہاں مچھر کے پر برابر بھی وقعت ہوتی تو کافر کو اس سے ایک گھونٹ پانی بھی نہ پلاتے۔

(۱۲۳) وعن ابی موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من احب دنیاہ اضر باٰخرتہ ومن احب اٰخرتہ اضر بدنیاہ فاٰثروا ما یبقی علی ما یفنی۔
(رواہ احمد والبیھقی فی شعب الایمان)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنی دنیا کو بنایا اُس نے اپنی آخرت کو بگاڑا اور جس نے اپنی آخرت کو سنوارا اُس نے اپنی دُنیا کو بگاڑا، پس تم باقی کو فانی پر ترجیح دو۔

(۱۲۴) وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصدق کلمۃ قالھا الشاعر کلمۃ لبید الا کل شیء ما خلا اللہ باطل۔
(متفق علیہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کلام شعراء میں سب سے زیادہ صحیح حضرت لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول ہے: ”خبردار! اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز باطل ہے“

(۱۲۵) وعن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال خط النبی صلی اللہ علیہ وسلم خطًا مربعًا وخطّ خطًّا فی الوسط خارجًا منہ وخطّ خططًا صغارًا الی ھذا الذی فی الوسط من جانبہ الذی فی الوسط فقال ھذا الانسان وھذا اجلہ محیط بہ وھذا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مربع خط بنایا اور ایک خط اس کے درمیان میں اس طرح بنایا کہ وہ اس مربع سے باہر نکل رہا تھا اور اس درمیانی خط کی طرف اس کے اطراف سے چھوٹے چھوٹے خطوط بنائے پھر فرمایا کہ یہ درمیانی خط انسان ہے اور یہ مربع اس

الذی هو خارج امله وهذه الخطط الصغار الاعراض فان اخطأه هذا نهشه هذا وان اخطأه هذا نهشه هذا (رواه البخاری)

انسان کی موت ہے جو اسے محیط ہے، اور

موت انسان

حوادث کے تیر

یہ خط جو مربع سے خارج ہے یہ انسان کی ہوس ہے

اور یہ چھوٹے خطوط حوادث ہیں، پس اگر وہ ایک حادثہ سے بچ گیا تو اسے دوسرا حادثہ آلے گا اور اگر دوسرے سے بچ گیا تو تیسرا حادثہ اس کا خاتمہ کر دے گا۔

(۱۲۶) وعن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالٰی عنهما وعنهم عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال لو کان لابن آدم وادیان من مال لابتغی ثالثا ولا یملأ جوف ابن آدم الا التراب ویتوب اللّٰہ علی من تاب (متفق علیہ)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ابن آدم کے پاس مال کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری کی تلاش میں ہوگا، ابن آدم کے پیٹ کو صرف مٹی ہی بھرتی ہے، اور اللہ تعالیٰ اس شخص پر توجہ فرماتے ہیں جو ان کی طرف متوجہ ہو۔

(۱۲۷) وعن ابن عمر رضی اللّٰہ تعالٰی عنهما وعنهم قال اخذ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ببعض جسدی فقال کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل وعد نفسک من اصحاب القبور (رواه البخاری)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پکڑ کر فرمایا کہ دنیا میں مسافر بلکہ راہ رو کی طرح رہو اور اپنے کو اصحابِ قبور میں شمار کرو۔

---

(۱۲۸) وعن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالٰی عنهما وعنهم ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یهریق الماء فیتیمم بالتراب فاقول یا رسول اللّٰہ ان الماء منک قریب یقول ما یدرینی لعلی لا ابلغه (رواه فی شرح السنۃ وابن

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے استنجاء سے فارغ ہو کر تیمم فرمایا تو میں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ پانی تو آپ سے قریب ہی ہے" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا معلوم کہ وہاں تک پہنچ ہی

الجوزی فی کتاب الوفاء)

نہ پاؤں۔"

(۱۲۹) عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ انّ النبیّ صلّی اللہ علیہ وسلم قال ھذا ابن اٰدم وھذا اجلہٗ ووضع یدہٗ عند قفاہ ثم بسط فقال وثم املہ۔ (رواہ الترمذی)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی گُدّی پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ یہ ابن آدم کی موت ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ پھیلا کر فرمایا کہ اس کی ہوس وہاں ہے۔

(۱۳۰) وعن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اول صلاح ھٰذہ الامۃ الیقین والزھد واول فسادھا البخل والامل۔ (رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس اُمت کی صلاح کی بنیاد آخرت پر یقین اور دنیا سے بے رغبتی پر ہے اور اس کے فساد کی بنیاد بخل اور ہوس پر ہے۔

(۱۳۱) ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما وعنھم رفعہ ما ذئبان ضاویان فی حظیرۃ یأکلان ویفسدان باضرفیھا من حبّ الشرف وحبّ المال فی دین المرء المسلم (جمع الفوائد)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو خونخوار بھیڑیے بکریوں کے باڑے میں داخل ہو کر حملہ کر دیں تو وہ مسلمان کے دین میں حُبّ جاہ و حُبّ مال سے زیادہ مضر نہیں۔

(۱۳۲) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ دخلت علی سلمان فرأیت بیتہٗ رثا فقلت لہ فی ذلک فقال ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم عھد الیّ ان یکون زادک کزاد الراکب (جمع الفوائد)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا تو میں نے اُن کے مکان کو خستہ حالت میں دیکھا تو میں نے ان سے اس بارے میں کچھ کہا تو انھوں نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت فرمائی ہے کہ تیرا توشہ مسافر کی طرح ہونا چاہیے۔

(۱۳۳) عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا رفعتہ ان کنت تریدین الاسراع واللحوق بی

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

فیکفیک من الدنیا کزاد الراکب و ایاک ومجالسۃ الاغنیاء ولا تستخلقی ثوبا حتی ترقعیہ (جمع الفوائد)

نے فرمایا کہ اگر تو میرا قرب چاہتی ہے تو تجھے دنیا سے توشۂ مسافر کے برابر کافی ہے اور اغنیاء کے پاس بیٹھنے سے بچنا، اور بغیر پیوند لگائے کوئی کپڑا پرانا سمجھ کر نہ اُتارنا۔

سب بیماریوں کی جڑ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: حب الدنیا راس کل خطیئۃ "دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے"۔ انسان دنیوی عزّ و جاہ، مال و دولت اور عیش و عشرت کی حرص میں آخرت سے غافل ہو جاتا ہے حالانکہ حقیقی عزت آخرت کی عزت ہے اور حقیقی شرف وہ ہے جو مالک کی نظر میں ہو اس کے سامنے دنیا کی عزت اور اھلِ دنیا کی نظر میں شرف کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

حدیث میں ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک عورت اپنے بچے کو دودھ پلا رہی تھی کہ اچانک وہاں سے ایک خوبصورت جوان گھوڑے پر سوار بڑی شان و شوکت سے گزرا اس کو دیکھ کر اس عورت نے دعاء کی کہ اے اللہ! میرے بچے کو اس جوان جیسا کر دے، بچے کو اللہ تعالیٰ نے قوتِ گویائی عطاء فرمائی اس نے چھاتی سے منہ ہٹا کر اس سوار کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ اے اللہ! مجھے اس جیسا نہ کیجیو، یہ کہہ کر پھر دودھ پینے لگ گیا، تھوڑی دیر بعد ایک سیاہ فام عورت قریب سے گزاری گئی جو انتہائی خستہ حال تھی اسے مارا گھسیٹا جا رہا تھا، اس کو دیکھ کر اس بچے کی ماں نے دُعاء کی کہ اے اللہ! میرے بچے کو اس عورت جیسا نہ کیجیو، اس پر بچے نے چھاتی سے منہ ہٹا کر کہا کہ اے اللہ! مجھے اس جیسا بنا، اس کی ماں کو بڑی حیرت ہوئی کہ یہ بچہ بولنے کیسے لگ گیا اور پھر یہ نیک دعاء سے انکار کرتا ہے اور بُری حالت کا طلبگار ہے، ماں نے بچے سے اس کا سبب دریافت کیا تو بچے نے کہا کہ وہ جوان سوار ظالم تھا اور یہ خستہ حال عورت نیک ہے لوگ کہتے ہیں کہ اس نے چوری کی ہے اور زنا کا ارتکاب کیا ہے حالانکہ یہ پاک ہے۔

اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت والا وہ ہے جو انکے احکام سے غافل نہ ہو، خود اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ط "اللہ تعالیٰ کے

نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہو۔"

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب سے گزرا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریب بیٹھے ہوئے ایک شخص سے پوچھا کہ تو اسے کیسا سمجھتا ہے؟ تو اس نے کہا کہ یہ ایک رئیس آدمی ہے، واللہ! اگر یہ کہیں نکاح کا پیغام بھیجے یا کسی کی سفارش کرے تو قبول ہو، اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے، پھر ایک دوسرا شخص گزرا، تو پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریب بیٹھنے والے سے فرمایا کہ تو اس کو کیسا سمجھتا ہے؟ اس نے کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ فقراء مسلمین سے ایک آدمی ہے، اگر یہ نکاح کا پیغام بھیجے یا کسی کی سفارش کرے تو قبول نہ کی جائے اور اگر کچھ بات کرے تو کوئی سننے کو تیار نہ ہو، اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس پہلے شخص جیسوں سے پوری زمین بھری ہوئی ہو تو ان سب سے یہ دوسرا شخص بہتر ہے،

غرضیکہ حقیقی عزت وہ ہے جو خالق کی نظر میں ہو، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بہت سے پراگندہ بال اور خستہ حال لوگ جن کو کوئی اپنی مجلس میں نہیں بیٹھنے دیتا اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی اتنی بڑی عزت اور قدر ہوتی ہے کہ وہ اگر اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر قسم کھا لیں تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور پوری فرمادیں۔

حضرت زاہر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گاؤں کے رہنے والے تھے ان کی شکل و صورت بھی کچھ اچھی نہ تھی مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے محبت رکھتے تھے ؎

نہ گوری سے مطلب نہ کالی سے مطلب   پیا جس کو چاہے سہاگن وہی ہے

ایک روز بازار میں بیٹھ کر یہ اپنا سامان بیچ رہے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دبے پاؤں پیچھے سے تشریف لائے اور ان کو بغل میں دبالیا، جب معلوم ہوا کہ دونوں جہاں کے سردار آقائے نامدار اور ناداروں کے غمگسار صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو تبرک کے لئے اپنی کمر سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینۂ مبارک کے ساتھ چپاں کردی، اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمانا شروع کیا کہ اس غلام کو کون خریدے گا؟ اس پر انھوں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! اگر ایسا ہوا تو آپ مجھ کو بہت کم قیمت پائیں گے"، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لیکن تو اللہ کے ہاں بہت قیمتی ہے۔"

افسوس کہ لوگوں نے عزت اور تموّل کی حقیقت کو نہیں سمجھا، حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

دلے دارم جواہر خانۂ عشق است تحویلش — کہ دارد زیر گردوں میر سامانے کہ من دارم

قلوب پر دنیوی مال و دولت کی ہوس کا زنگ چڑھا ہوا ہے اس لئے حقیقت سمجھنے سے کورے ہیں۔ حضرت رومی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ؎

آئینت دانی چرا غماز نیست — زانکہ زنگار از رخش ممتاز نیست

رو تو زنگار از رُخِ او پاک کن — بعد زیں ایں نور را ادراک کن

ملے گا تو وہی جو قسمت میں لکھا ہے، پھر بلا امتیاز حلال و حرام طلبِ دنیا میں منہمک رہ کر آخرت کو برباد کرنا کہاں کی دانشمندی ہے؟ قال العارف الرومی رحمہ اللہ تعالیٰ ؎

گر بریزی بحر را در کوزۂ — چند گنجد قسمتِ یک روزۂ

کوزۂ چشم حریصاں پر نشد — تا صدف قانع نشد پر در نشد

خالق کی رضا پر مخلوق کی رضا کو ترجیح دینا اور آخرت کی غیر فانی نعمتوں کے مقابلہ میں دنیا کے عارضی عیش و عشرت کو اختیار کرنا کتنی بڑی کم ہمتی و کم ظرفی کی بات ہے۔

قال العارف الرومی رحمہ اللہ تعالیٰ ؎

اسپ ہمت سوئے آخر تاختی — آدمِ مسجود را نشناختی

آخر آدم زادۂ اے ناخلف — چند پنداری تو پستی را شرف

یا زنشہ در دست آرد شیر نر — کرگساں بر مردگاں بکشادہ پر

عارف کامل حضرت مجذوب قدس سرہٗ فرماتے ہیں ؎

یہ عالم عیش و عشرت کا یہ حالت کیف و مستی کی — تخیّل کر بلند اپنا کہ یہ باتیں ہیں پستی کی

جہاں در اصل ویرانہ ہے گو صورت ہے بستی کی — بس اتنی سی حقیقت ہے فریبِ خوابِ ہستی کی

کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ ہو جائے

کیا خوب فرمایا ہے ؎

لطف دُنیا کے ہیں کے دن کے لئے — کھو نہ جنّت کے مزے انکے لئے

یہ کیا اے دل تو بس پھر یوں سمجھ — تو نے ناداں گل دیئے تنکے لئے

ہر مرض کا علاج

قرآن و حدیث میں ان ہوسناکیوں کا علاج موت اور قیامت کی ہولناکیوں کا تصوّر

بیان فرمایا ہے، فرماتے ہیں: اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۝ "انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے" وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۝ "اور وہ اسے خوب جانتا بھی ہے" وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۝ اس نافرمانی کی وجہ یہ ہے کہ "بیشک انسان مال کی محبت میں بڑا مضبوط ہے" اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ ۝ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ۝ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ۝ اس میں اس مہلک مرض کا علاج بتایا گیا ہے کہ حساب وکتاب کے دن کو یاد کیا کرو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اکثروا ذکر ھاذم اللذات الموت "موت کو کثرت سے یاد کیا کرو جو کہ سب لذتوں کو ختم کر دینے والی ہے" اور فرمایا: کفی بالموت واعظا "موت کی یاد عبرت ونصیحت حاصل کرنے کے لئے کافی ہے" ؎

رہ کے دُنیا میں بشر کو نہیں زیبا غفلت
موت کا دھیان بھی لازم ہے کہ ہر آن رہے

جو بشر آتا ہے دُنیا میں یہ کہتی ہے قضا
میں بھی پیچھے چلی آتی ہوں ذرا دھیان رہے

حضرت مجذوب قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

رنگ رلیوں پہ زمانے کی نہ جانا اے دل
یہ خزاں ہے جو بانداز بہار آئی ہے

کسی کی موت پر یتیموں، بیواؤں اور بے زبان بہنوں کا حصۂ میراث اور قطعۂ زمین دبانے والوں کو سوچنا چاہیئے کہ ہم بھی عنقریب ہی موت کے چنگل میں گرفتار ہو کر اس زمین کے نیچے دبنے والے ہیں اور علیم وخبیر کے سامنے حساب کتاب کے لئے پیش ہونے والے ہیں ؎

قدم سوئے مرقد نظر سوئے دُنیا
کہاں جا رہا ہے کدھر دیکھتا ہے

تھا جو مشغولِ ہوس تعمیلِ فرماں چھوڑ کر
چل دیا وہ آج سب دُنیا کے ساماں چھوڑ کر

اللّٰھم اجعل حبّک احبّ الاشیاء الیّ واجعل خشیتک اخوف الاشیاء عندی واقطع عنّی حاجات الدّنیا بالشوق الی لقائک واذا اقررت اعین اھل الدّنیا من دنیاھم فاقرر عینی من عبادتک۔ اللّٰھمّ اجعل اٰخرتی خیرًا من اولای وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمّدٍ وعلیٰ اٰلہ وصحبہ اجمعین اٰمین برحمتک یا ارحم الرّاحمین ؛

رشید احمد

غرۃ صفر ۱۳۸۰ھ عشیۃ الجمعۃ

تقسیم وراثت کی اہمیت ــــــــ ۵۰

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
تعلموا الفرائض وعلموها الناس فانها نصف العلم
تسہیل المیراث
اختصار و جامعیت میں "دریا بکوزہ"
کشف مشتبہات میں بے مثال
بعض تحقیقاتِ عمیقہ میں منفرد
طریقِ جدید، ایک عظیم الشان شاہکار
حساب کے انمول اصول

مندرجات :

تقریظ

از شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب قدس سرہٗ
محدث ومفتی اعظم دار العلوم دیوبند

حامدًا ومصلیًا ومسلمًا ۔ **امّابعد**، میں نے اپنے دوست مولانا مولوی رشید احمد صاحب لودھیانوی کی بےنظیر تصنیف "**تسھیل المیراث**" دیکھی اور غور سے دیکھی ۔

کتاب مذکور کی افادیت میں تسہیل فہم ہیں، مسائل کی تحقیق میں کوئی کمی نہیں، بلکہ اگر اہلِ علم حضرات غور فرمائیں گے تو ان کو معلوم ہوگا کہ فرائض کے بعض دقیق مسائل اس وضاحت کے ساتھ بیان کئے ہیں کہ انسان متحیّر ہو جاتا ہے، اس سے زیادہ خوبی یہ ہے کہ اس میں رطب ویابس کی بھرتی نہیں کی ہے، مسائل واحکام مسائل کی پوری تحقیق کی ہے اور اقوال محققہ سے کتاب مذکور کو محلّٰی ومزیّن کیا ہے، میں دُعاگو ہوں کہ منعمِ حقیقی مصنّفِ علّام کو توفیق عطاء فرمائے کہ وہ اسی قسم کے علمی خزانے آئندہ بھی اہلِ علم کے سامنے رکھیں ۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللهِ بِعَزِيْزٍ ،

محمد اعزاز علی امروہوی، مرادآبادی
۲۵ رمضان المبارک سنہ ۶۶ھ

ملاحظہ :

حضرت مؤلف دامت برکاتہم کتابوں پر تقریظ لکھنے لکھوانے کی مروّج رسم کے سخت خلاف ہیں، اس کی مفصل وجہ آپ کی سوانح حیات "انوار الرشید" میں ہے معہذا "تسہیل المیراث" پر اپنے استاذ محترم سے تقریظ لکھوانے کی وجوہ درج ذیل ہیں :

① یہ واقعہ حضرت والا کی بالکل نوخیزی و نو آموزی کا ہے، اس وقت آپ کو تقریظ مروّج کے قبائح کا علم نہ تھا۔

② "تسہیل المیراث" حضرت مؤلف دامت فیوضہم کی سب سے پہلی تصنیف ہے جو دار العلوم دیوبند سے فراغت کے بعد جلد ہی بالکل نو آموزی و نوعمری کے زمانہ میں تحریر فرمائی ہے، دوسری جانب علم فرائض ایسا دقیق و مشکل کہ اکثر بڑے بڑے جلیل القدر علماء بھی اس سے ناواقف ہیں، حتیٰ کہ اس علم کے نام تک سے گھبراتے ہیں، ان حالات کے پیش نظر حضرت مؤلف نے اپنے اُستاذ محترم سے تصدیق کروانے کی ضرورت محسوس فرمائی تاکہ خدانخواستہ اس انتہائی کٹھن اقدام میں کوئی لغزش ہوگئی ہو تو اسکی اصلاح ہوجائے، یہ اُس نوعمری میں بھی آپ میں فکر آخرت کی دلیل ہے مگر تقریظ سے ثابت ہوا کہ عمر و علم دونوں میں بالکل نوخیزی کے زمانہ میں بھی آپ علوم کے شہسوار تھے ع

یہ جس کی ابتدا تھی انتہا اس کی کہاں ہوگی ؟

③ آپ کے اُستاذ محترم نے اس کتاب پر طریق مروّج کے مطابق محض رسمی تقریظ نہیں لکھی بلکہ اس بہت مختصر سی کتاب کو بغرضِ مطالعہ مہینوں اپنے پاس رکھا، اور ایک ایک لفظ پر خوب غور و خوض کے بعد تقریظ تحریر فرمائی، اسلئے یہ تقریظ مروّج میں داخل نہیں۔

اس تقریظ میں یہ امر خاص طور پر محیر العقول ہے کہ حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب قدس سرہٗ جیسی عظیم شخصیت نے اپنے بالکل نوعمر و نو آموز شاگرد کو "دوست" جیسے عظیم اعزاز اور "مصنّف علّام" جیسے عظیم لقب کے شرف سے نوازا۔

تسہیل المیراث کی خصوصیات

① اختصار کے ساتھ جامعیت میں اس کی نظیر نہیں۔

② ہر مسئلہ میں صرف مفتی بہ مذہب ذکر کیا گیا ہے۔

③ میراث کی عام کتابوں میں جو عبارات موہم خلافِ حقیقت تھیں انھیں تسہیل المیراث میں واضح کر دیا گیا ہے یا طرزِ بیان بدل کر وہم رفع کر دیا گیا ہے، مثلاً عام کتابوں میں پہلے عصبہ بنفسہ کی تعریف اور اس کی چار اقسام:

"① اصل میت ② جزء میت ③ جزء اصل قریب میت ④ جزء اصل بعید میت"

مع ان کی ترتیب فی الارث کے بیان کی جاتی ہیں، اس کے بعد عصبہ بالغیر اور عصبہ مع الغیر کا بیان ہوتا ہے، جس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ عصبہ بالغیر اور عصبہ مع الغیر ترتیب فی الارث میں عصبہ بنفسہ سے مؤخر ہیں، چنانچہ جب بنت وعم و اخت وارث ہوں تو بہت سے حضرات اسی مغالطہ کی بناء پر عم کی وجہ سے اخت کو محروم کر دیتے ہیں، تسہیل المیراث میں بیان مذکور ایسے طریق سے تحریر کیا گیا ہے کہ اس میں خلاف حقیقت کا وہم ہرگز نہیں ہو سکتا، اسی طرح اور بھی بہت سے مشتبہ مضامین کو واضح کیا گیا ہے،

④ ضمیمہ اولیٰ میں تخریج مسئلہ کے ایک جدید مختصر اور مفید ترین طریق کا اضافہ کیا گیا ہے، یہ طریقِ جدید مؤلف کا خود ایجاد کردہ ہے، جو مروّج طریق سے بالکل جدا اور بہت سہل و مختصر ہے۔ مناسخہ کے وہ طویل و عریض مسائل جو گھنٹوں میں بمشکل تحریر کئے جاتے تھے اب اس جدید طریق کے ذریعہ منٹوں میں بآسانی حل ہو سکتے ہیں، فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

⑤ ضمیمہ ثانیہ میں حساب کے نہایت قیمتی وانمول اصول تحریر کئے گئے ہیں۔

⑥ ضمیمہ ثالثہ میں دو اہم مسائل کی منفرد علمی تحقیق ہے جو کسی دوسری کتاب میں نہیں۔

الحمد للہ الذی لہ میراث السمٰوٰت والارضین، والصلوٰۃ والسلام علی عبادہ الذین لم یرثوا ولم یورثوا من النبیین خصوصًا علی افضلھم الذی جعل الفرائض نصف الدین وعلی وارثیہ من آلہ واصحابہ ومن حذا حذوھم اجمعین۔

امّا بعد، بندہ سعود اختر الشہیر برشید احمد بن مولانا محمد سلیم لودیانوی رزقہما اللہ حبہ عرض گزار ہے کہ علم میراث کی اہمیت اور عام ضرورت کسی پر مخفی نہیں، دنیا میں شاذ و نادر ہی کوئی شخص ایسا ہوگا جس کو ان مسائل سے سابقہ نہ پڑتا ہو، اسی وجہ سے اس علم میں بے شمار کتابیں مختلف زبانوں میں لکھی گئیں، مگر تا حال بندہ کی نظر سے جتنی کتابیں گزریں ان میں سے بعض انتہائی اختصار اور بعض اختلاف اقوال کی وجہ سے فہم مقصد میں مخل تھیں اور بعض زیادہ طول کی وجہ سے ممل، لہٰذا کسی ایسے رسالہ کی ضرورت تھی جس میں حتی المقدور سہل طریقہ پر بالاختصار ہر بحث میں صرف مفتٰی بہ قول نقل کرنے پر اکتفاء کیا جائے اور اختلاف اقوال کی الجھنوں سے مجرد ہو، شاید کہ مستفیدین کی دعاءِ خیر کی برکت سے ہی آخرت میں کوئی فلاح کی صورت ہو جائے، چنانچہ اسی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے یہ رسالہ شروع کرتا ہوں واللہ الموفق والمعین ومنہ الاصابۃ والاجابۃ۔

مقدمہ

علم فرائض کی تعریف :

یہ چند قواعد فقہیہ کا ایسا علم ہے جس کے جاننے سے میت کے شرعی ورثہ اور ان میں شرعی اصول سے تقسیم ترکہ کا طریقہ معلوم ہو جاتا ہے۔

موضوع :

مستحقین میں ترکہ کی تقسیم۔

غرض وغایت :

ترکہ کے مستحقین اور ان کے شرعی حقوق کی مقدار کا معلوم کرنا۔

وجہ تسمیہ :

فرائض فریضہ کی جمع ہے جو فرض سے مأخوذ ہے، جس کے معنی تقدیر وتعیین کے ہیں، چونکہ اس علم میں وارثوں کے جو حصے بیان کئے جاتے ہیں، ان کی تقدیر وتعیین خود شریعت نے کی ہے، اسلئے اس کو علم فرائض کہتے ہیں۔

سبق اوّل

مستحقین کے مراتب :

① میت کے کُل مال سے سب سے پہلے وہ چیزیں ادا کی جائیں، جن پر غیر کا حق لگا ہوا ہو، مثلاً وہ شے جو قرض خواہ کے پاس رہن ہے یا وہ چیز جس کو میت نے خرید لیا تھا، لیکن قیمت ابھی ادا نہ کی تھی اور نہ اس پر قبضہ کیا تھا، بلکہ اصل مالک اور بائع کے قبضہ میں تھی، ان صورتوں میں قرض خواہ اپنا قرض اور بائع اپنی قیمت ان چیزوں سے وصول کر سکتا ہے، اور یہ تجہیز وتکفین سے بھی مقدم ہے۔

اکثر کتب میں تجہیز وتکفین کو سب سے پہلے ذکر کیا گیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جس مال پر غیر کا حق لگا ہو وہ ترکہ سے خارج ہے، پس ترکہ میں سے تجہیز وتکفین سب سے مقدم ہے۔

② پھر تجہیز وتکفین ضروری شرعی بغیر اسراف وتنگی کے وسط حال سے کی جائے۔

③ پھر وہ امانت وقرض ادا کیا جائے جس کا اقرار میت نے اپنی صحت میں مرض

موت سے پہلے کیا ہو یا اقرار تو مرض موت ہی میں کیا ہو مگر اس قرض کا وجوب عام طور سے لوگوں کو معلوم ہو یا گواہ موجود ہوں۔

(۴) پھر وہ امانت و قرض جس کا اقرار مرض الموت میں کیا ہو اور اس کا وجوب لوگوں کے مشاہدہ سے ثابت نہ ہو اور نہ ہی گواہ موجود ہوں۔

مرض الموت ایسی حالت کو کہتے ہیں جس میں ہلاکت کا اندیشہ غالب ہو اور اسی حالت میں مر بھی جائے، خواہ اسی عارضہ سے مرا ہو یا کسی دوسری وجہ سے، خواہ یہ حالت مرض کی وجہ سے ہو یا کسی اور وجہ سے، مثلاً کوئی شخص کشتی میں ڈوب رہا ہو، چونکہ سبب اکثر مرض ہی ہوتا ہے اس لئے مرض الموت کہا جاتا ہے۔

اگر مرض کا مہلک ہونا معلوم نہ ہو سکے تو اسے مرض الموت جب کہیں گے کہ اس میں اس قدر اضافہ ہو جائے کہ مریض گھر سے باہر کے ضروری مصالح سے عاجز ہو جائے، مثلاً عالم مسجد میں جانے سے اور تاجر تجارت سے عاجز ہو جائے۔

اگر مرض کسی مرحلہ پر ٹھہر جائے یعنی اس میں اضافہ نہ ہو رہا ہو اور اس ٹھہراؤ کے بعد ایک سال اسی حالت میں پورا ہو جائے تو یہ مرض الموت میں داخل نہیں، پھر جب مرض بڑھ جائے اور اسی زیادتی کی حالت میں مر بھی جائے تو اس زیادتی کے وقت سے مرض الموت شمار ہوگا۔

اگر قرضخواہ زیادہ ہوں اور سب کا قرض ترکہ سے پورا نہ ہو سکتا ہو، تو کل ترکہ قرضخواہوں کے سہام کے موافق تقسیم ہوگا۔

(۵) پھر باقی مال کے ثلث سے وصیت ادا کی جائے۔ میت نے مرض الموت میں یا اس سے پہلے کوئی معاملہ کر کے اس کو اپنی موت سے معلّق کر دیا۔ مثلاً کہا کہ میری موت کے بعد مسجد بنوا دینا یا قضا شدہ روزے کا فدیہ ادا کر دینا۔

یا جو چیز میت کے ذمہ واجب نہیں تھی مگر اس نے مرض الموت میں بطور تبرع اس کو لازم کر لیا، مثلاً کسی کا قرض معاف کر دیا، یا کوئی خاص چیز کسی کے لئے مقرر کر دی یا کسی کو ہبہ کر دیا۔ یہ سب چیزیں وصیت شمار ہوں گی اور ثلث مال سے پوری کی جائیں گی۔

اگر میت نے مختلف وصیتیں کی ہوں اور وہ سب ثلث مال سے پوری نہ ہو سکیں تو جو زیادہ ضروری ہو وہ مقدم ہوگی۔ یعنی فرائض کی وصیت واجبات پر اور واجبات کی نوافل پر

مقدم ہوگی، لہذا فدیۂ نماز و روزہ اور حج و زکوٰۃ کی وصیت قربانی کی وصیت سے مقدم ہے، کیونکہ قربانی واجب ہے فرض نہیں۔ اور اگر ضروری و غیر ضروری ہونے میں مساوی ہوں جیسے نماز و روزہ و زکوٰۃ و حج یا بناءِ مسجد و بناءِ مدرسہ تو جس کا ذکر وصیت میں پہلے کیا ہو وہ مقدم ہوگی، یہ قاعدہ حقوق اللہ میں ہے۔

اور اگر حقوق العباد غیر ضروریہ جمع ہوگئے۔ مثلاً زید و عمرو دونوں کے لئے وصیت کی تو ثلث مال دونوں پر تقسیم کیا جائے گا، اور موصی لہم مذکر و مؤنث کو برابر حصہ ملے گا، البتہ اگر بعض کے لئے زیادہ اور بعض کے لئے کم کی وصیت کی تو ان میں ثلث قرض خواہوں کی طرح بقدر سہام تقسیم ہوگا،

اور حقوق العباد غیر ضروریہ وحقوق اللہ آپس میں جمع ہوں تو جملہ حقوق کے عدد پر ثلث مال کو تقسیم کرکے حقوق العباد کے حصے ان کو دیدیئے جائیں اور باقی حقوق اللہ کے حصوں سے اگر سب حقوق ادا نہ ہوسکیں تو جو زیادہ ضروری ہو یا مورث نے جس کو بوقت وصیت پہلے ذکر کیا ہو وہ مقدم ہوگا اور حقوق اللہ کے سب حصے اسی ایک پر لگا دئے جائیں گے۔

فقیر غیر معین کے لئے وصیت حقوق اللہ میں داخل ہے اور معین شخص کے لئے وصیت خواہ فقیر ہو یا غنی حقوق العباد سے ہے۔

مثلاً زید۔ ہندہ۔ بناءِ مسجد۔ بناءِ مدرسہ وفقیر غیر معین کے لئے وصیت کی تو ثلث مال کے پانچ حصے کرکے ایک ایک حصہ زید و ہندہ کو دیا جائے، اور باقی حقوق اللہ کے تین حصوں سے اگر سب حقوق ادا نہ ہوسکیں تو وصیت میں جسکو پہلے ذکر کیا ہو وہ مقدم ہوگا۔

بلا وصیت میت عبادات واجبہ کا ثلث مال سے ادا کرنا وارثوں پر ضروری نہیں اور وصیت و اقرار امانت میں اور ایسے قرض کے اقرار میں جس کا وجوب لوگوں کو معلوم نہ ہو اور نہ ہی گواہ موجود ہوں، یہ شرط ہے کہ موصی و مقر عاقل بالغ ہوں، نیز خاص اقرار فی المرض اور وصیت میں یہ شرط بھی ہے کہ مقرلہٗ اور موصی لہٗ وارث شرعی نہ ہوں، یعنی اقرار فی المرض اور وصیت ایسے شخص کے لئے جائز نہیں جو مقر اور موصی کی موت کے وقت اس کا وارث ہو۔ اقرار اور وصیت کے وقت وارث ہو یا نہ ہو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ البتہ اقرار فی المرض کے عدم جواز کے لئے اگرچہ بوقت اقرار وارث ہونا شرط نہیں مگر یہ ضروری ہے کہ بوقت اقرار سبب ارث موجود ہو، پس اگر کسی شخص نے اپنے بیٹے کی موجودگی میں اپنے بھائی

کے لئے اقرار کیا، پھر یہ بیٹا مقر سے پہلے مرگیا تو یہ اقرار باطل ہے، کیونکہ یہ بھائی مقر کی موت کے وقت وارث ہے اور بوقت اقرار اگرچہ بیٹے کی وجہ سے وارث نہ تھا مگر سبب ارث یعنی اخوۃ بوقت اقرار موجود ہے، اور اگر کسی اجنبیہ عورت کے لئے اقرار کرنے کے بعد اس سے نکاح کرلیا تو یہ اقرار صحیح ہے، کیونکہ اگرچہ یہ عورت موت مقر کے وقت وارث ہے مگر سبب ارث بوقت اقرار موجود نہ تھا، اگر وصیت کرنے کے بعد نکاح کرلیا تو وصیت صحیح نہیں، کیونکہ وصیت ہر وارث کے لئے ناجائز ہے خواہ وصیت کے وقت سبب ارث موجود ہو یا بعد میں پیدا ہوا ہو۔

مرض الموت سے پہلے اقرار وارث کے لئے بھی جائز ہے، اور کسی کے لئے وراثت کا اقرار اور وارث کے لئے امانت مستھلکہ کا اقرار مرض الموت میں بھی جائز ہے بشرطیکہ امانت رکھنا عام لوگوں کو معلوم ہو یا اس پر گواہ موجود ہوں۔

اقرار سے رجوع کرنا درست نہیں، وصیت سے اگر صراحۃً رجوع کیا یا فعل دال علی الرجوع کیا تو رجوع ہو جائے گا۔ البتہ وصیت کا انکار کرنے سے وصیت باطل نہ ہوگی۔

اگر موصی لہٗ نے موصی کو قتل کردیا یا مقتول نے بعد قتل سانس نکلنے سے پہلے قاتل کے لئے وصیت کی تو یہ وصیت باطل ہے۔

مسلم کی وصیت کافر کے لئے اور کافر کی مسلم کے لئے جائز ہے۔

ثلث مال سے زیادہ وصیت میں خرچ کرنا اور وصیت و اقرار کی دوسری غیر معتبر صورتیں اس وقت ناجائز ہیں جب کل وارث راضی نہ ہوں، اگر سب وارث عاقل بالغ ہوں اور مورث کی وفات کے بعد سب راضی بھی ہوں تو کوئی حرج نہیں، مورث کی وفات سے پہلے رضا کا اعتبار نہیں۔

اگر ثلث مال کی وصیت میں ثواب کی نیت اور کوئی ضرورت نہ ہو صرف وارثوں کا حصہ کم کرنا مقصود ہو یا زندگی میں مرض الموت سے پہلے سب مال کا فیصلہ کرکے بلا قصور سب وارثوں کو محروم کرجائے تو یہ تصرف نافذ ہو جائے گا لیکن گنہگار ہوگا۔

اگر کسی غیر شرعی مصرف کے لئے وصیت کی تو وہ نافذ نہ ہوگی۔

اگر مرض الموت میں کوئی چیز کسی کو ہبہ کردی تو اگرچہ یہ وصیت کے حکم میں ہے، مگر چونکہ جب تک مریض میں سانس باقی ہے اس وقت تک اس مرض کا مرض الموت ہونا قطعی

نہیں، ممکن ہے کہ مریض تندرست ہوجائے، لہٰذا بالفعل یہ چیز موہوب لہٗ کو دلوادی جائیگی، لیکن اگر اسی مرض میں مرگیا تو اس کا حکم وصیت جیسا ہے، اسی طرح مرض میں اگر وارث کے لئے اقرار کیا تو فی الحال دلوا دیا جائے گا البتہ اسی مرض میں فوت ہوگیا تو واپس لے لیا جائے گا۔

(۶) پھر ذوی الفروض پر ان کے حصوں کے مطابق تقسیم کیا جائے۔ ذوی الفروض کی تعریف سبق سوم میں اور تفصیل سبق چہارم میں ہے۔

(۷) عصبات۔ اگر ذوی الفروض نہ ہوں یا ان کو پورا حصہ دینے کے بعد کچھ بچ جائے تو عصبات پر بالترتیب تقسیم ہوگا۔ عصبات کی تعریف سبق سوم میں اور تفصیل سبق پنجم میں ہے۔

(۸) عصبات نہ ہوں تو زوجین کے سوا دوسرے ذوی الفروض پر ان کے حصوں کے مطابق رَد کیا جائے گا۔ رد کا طریقہ سبق ششم میں ہے۔

(۹) ورنہ ذوی الارحام کو بالترتیب ملے گا۔ ذوی الارحام کی تعریف سبق سوم میں اور تفصیل سبق نہم میں ہے۔

(۱۰) مولی الموالاۃ۔ ذوی الارحام بھی نہ ہوں تو مولی الموالاۃ کو دیا جائے۔

کوئی مجہول النسب شخص جس کا نسب اور رشتہ کچھ معلوم نہ ہو کسی دوسرے شخص سے کہے کہ آپ میرے مولیٰ یعنی کفیل وسردار ہیں، اگر میں آپ کی زندگی میں مرگیا تو آپ میرے ترکہ کے مستحق ہوں گے، اور اگر میں کوئی نقصان کروں تو تاوان بھی آپ کو دینا پڑے گا۔ وہ دوسرا شخص اس کو قبول کرے تو وہ مولی الموالاۃ کہلاتا ہے۔ یہ مجہول النسب شخص اس کی زندگی میں مرجائے تو اس کی میراث مولی الموالاۃ کو پہنچے گی،

اگر دو مجہول النسب شخص جانبین سے باہم ایسا اقرار کریں تو جانبین سے مولی الموالاۃ ہوجائیں گے اور پہلے مرنے والے کی میراث دوسرے کو ملے گی۔

جب تک مولی الموالاۃ نے کسی قسم کا تاوان ادا نہیں کیا اس وقت تک مجہول النسب کو اس اقرار سے رجوع کرلینا جائز ہے، مولیٰ نے اس کی طرف سے کوئی تاوان ادا کردیا تو اقرار سے رجوع صحیح نہیں۔

(۱۱) پھر مقرلہ بالنسب علی الغیر۔ یعنی وہ مجہول النسب شخص جس کے بارے میں میت

نے اپنے وارثوں میں داخل ہونے اور اپنے نسب میں شریک ہونے کا اس طرح اقرار کیا ہو کہ اس کا علاقۂ نسب کسی دوسرے سے لگ جائے لیکن اصل نسب والے نے اس کا اقرار نہ کیا ہو اور نہ گواہ ہوں، ایسا شخص مقرلہ بالنسب علی الغیر کہلاتا ہے، اس کے وارث ہونے کی تین شرائط ہیں:

① مقر آخری دم تک اپنے اس اقرار پر قائم رہا ہو، اس سے رجوع نہ کیا ہو۔

② مقرلہ کی عمر اس قابل ہو کہ مقر کی تصدیق کی جا سکے۔

③ مقرلہ اگر اتنی عمر کا ہے کہ اپنے نفس سے تعبیر کر سکتا ہے تو وہ بھی مقر کی تصدیق کرے اگرچہ مقر کی وفات کے بعد ہی کرے، البتہ اگر مقرلہ اتنا صغیر ہے کہ اپنے نفس سے تعبیر نہیں کر سکتا تو اس کی تصدیق ضروری نہیں۔

مثلاً زید کسی مجہول النسب شخص سے متعلق کہتا ہے کہ یہ میرا بھائی یا میرا چچا ہے، اور اس شخص کی عمر اس قابل ہے کہ اس کا بھائی یا چچا ہو سکے، یعنی زید کے باپ یا دادا سے پندرہ بیس برس چھوٹا ہے، زید کے اس اقرار سے یہ لازم آیا کہ یہ شخص اس کے باپ یا دادا کا بیٹا ہے لیکن زید کے باپ یا دادا نے کبھی اس کا اقرار نہیں کیا اور نہ گواہ ہیں۔ البتہ مقرلہ زید کی تصدیق کرتا ہے۔ ایسی صورت میں زید کا اقرار اپنے حق میں صحیح ہوگا اور یہ شخص زید کے وارثوں میں داخل ہو جائے گا، لیکن ذوی الفروض یا عصبہ نہ بنے گا بلکہ مذکورہ بالا جملہ اقسام نہ ہونے کی صورت میں وارث ہوگا۔

اگر نسب علی الغیر کا اقرار کرنے کے بعد اس سے رجوع کر لیا تو یہ رجوع صحیح ہے، ایسا مقرلہ وارث نہ ہوگا۔

تنبیہ: اگر غیر نے مثلاً زید کے باپ یا دادا نے بھی اقرار کر لیا کہ یہ میرا بیٹا ہے یا گواہ موجود ہوں یا مقر نے خود اپنے نسب میں داخل ہونے کا اقرار کیا، مثلاً کہا کہ فلاں شخص میرا بیٹا ہے اور اس مجہول النسب کی عمر بھی اس قدر ہے کہ اس کا بیٹا ہو سکتا ہے اور مقر کی تصدیق بھی کرتا ہے تو یہ نسب ثابت ہو جائے گا، اس لئے یہ شخص حقیقی ذوی الفروض و عصبہ کی طرح میراث پائے گا۔ اس صورت میں اقرار کے بعد رجوع صحیح نہیں۔

⑫ پھر جس کو ثلث مال سے زائد کی وصیت کی ہو۔

⑬ اگر وہ بھی نہ ہو یا اس سے کچھ بچے تو بیت المال میں داخل کر دیا جائے۔

بیت المال نہ ہونے کی صورت میں زوجین یا ابن رضاعی یا بنت رضاعیہ یا معتق کے ذوی الفروض و ذوی الارحام کو دے دیا جائے، بشرطیکہ یہ سب بیت المال کے مال کے مستحق ہوں، ورنہ کسی دوسرے کارِ خیر میں لگا دیا جائے۔

سبق دوم

موانعِ ارث:

مانع ارث مدبشیک چیز چار رق¹ و قتل² و اختلاف³ دین و دار⁴
چار ہیں لیکن بکفار ست خاص مختصر گفتم تو ایں را یا دار

① رق خواہ کامل ہو جیسے قن، یا ناقص جیسے مدبر، مکاتب، ام ولد غلام شرعاً مالک ہونے کی قابلیت نہیں رکھتا۔ اس کے قبضہ میں جو کچھ آتا ہے وہ اس کے مولیٰ کی ملک ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اگر غلام کا کوئی رشتہ دار مرجائے تو غلام اس کا وارث نہ ہوگا، کیونکہ اگر اس کو حصّہ دلایا جائے تو وہ مولیٰ کی ملک ہو جائے گا جو اس مال کا مستحق نہ تھا، اور غلام کے انتقال پر اس کے وارثوں کو میراث اس لئے نہیں ملتی کہ غلام کسی چیز کا مالک ہی نہیں جو کچھ بھی اس کے قبضہ میں ہے وہ سب مولیٰ کا مملوک ہے۔

② قتل سے مراد وہ قتل ہے جس کی وجہ سے فی نفسہ قصاص یا کفارہ واجب ہو اگرچہ کسی مانع کی وجہ سے قصاص و کفارہ ساقط ہوگیا ہو، پس اگر باپ نے بیٹے کو قتل کر دیا تو باپ وارث نہ ہوگا اگرچہ اس پر قصاص و کفارہ کچھ نہیں۔ اور اگر مورث نے ناحق قاتل پر حملہ کیا، اس نے اپنے بچاؤ کے لئے مورث پر وار کیا اور مورث مرگیا، یا صبی یا مجنون نے مورث کو قتل کر دیا تو یہ محروم نہ ہوں گے، کیونکہ ان پر فی نفسہ کفارہ یا قصاص نہیں۔

فائدہ: قتل جو قصاص یا کفارہ کا موجب ہے اس کی تین قسمیں ہیں:

① عمد: ایسی چیز سے قصداً قتل کرے جو جارح ہونے کی وجہ سے اجزاء میں تفریق پیدا کرتی ہو، مثلاً تلوار، تیز پتھر، تیز لکڑی، آگ وغیرہ، اس قتل کا موجب قصاص و اثم و ارث سے حرمان ہے۔

② شبہ بالعمد: ایسی چیز سے قصداً قتل کرے جو جارح نہ ہو، مثلاً گلا گھونٹنا

یا پتھر یا لکڑی وغیرہ، خواہ پتھر یا چھڑی اتنی چھوٹی ہو جس سے عموماً انسان مرتا نہیں
اس کا موجب اثم و دیت و کفارہ و حرمان ہے۔

(۳) خطأً: سہواً قتل ہو جائے، مثلاً کسی شکار کی طرف تیر مارا اچانک کسی انسان کو لگ گیا، یا انسان کو شکار سمجھ کر تیر مارا اور وہ مرگیا۔ اس کا موجب دیت و کفارہ و حرمان ہے۔

(۳) اگر وارث اور مورث میں سے ایک مسلمان ہے دوسرا کافر تو ان میں سے کوئی ایک دوسرے کا وارث نہ ہوگا، کافر خواہ عیسائی یا یہودی ہو یا قادیانی یا شیعہ سب کا یہی حکم ہے۔
مرتد کو قتل کر دیا گیا یا مرگیا تو اس کا حالتِ اسلام میں کمایا ہوا مال اس کے مسلمان وارثوں پر تقسیم کر دیا جائے اور حالتِ ارتداد کی کمائی بیت المال کے مصارف میں خرچ کی جائے۔

مرتدہ کی موت کے بعد اس کا مال مسلمان وارثوں کو ملے گا خواہ حالتِ اسلام میں وہ مال اس کو حاصل ہوا ہو یا مرتد ہونے کے بعد، عورت اور مرد میں یہ فرق ہے کہ مرد مرتد ہو جائے تو وہ واجب القتل ہے، جب اس کا خون ہی اس حال میں محفوظ نہیں تو مال بدرجہ اولیٰ محفوظ نہ ہوگا، بخلاف عورت کے کہ اس کا خون محفوظ ہے تو مال بھی محفوظ ہوا، عورت اگر مرتد ہو جائے تو واجب القتل اس لئے نہیں کہ اس سے حرب وغیرہ کا خوف نہیں، لہٰذا جب تک وہ اسلام نہ لائے اس کو محبوس رکھنے کا حکم ہے۔

مرتد جیسے مسلمان کا وارث نہیں ہوتا، اسی طرح کسی کافر یا مرتد کا بھی وارث نہیں ہوتا۔ البتہ اگر کسی علاقے میں اتنے لوگ مرتد ہو جائیں کہ بادشاہ کو ان سے مقاتلہ کی ضرورت پڑے تو یہ لوگ ایک دوسرے کے وارث ہونگے۔

کوئی مسلمان کفار کے یہاں قید ہو جائے تو اس کے تین حال ہیں:

(۱) اگر وہ مسلمان ہے تو میراث میں مسلمانوں کا سا حال ہے۔

(۲) اگر اس نے اپنا دین چھوڑ دیا تو اس کا حکم مرتد کا سا ہے۔

(۳) اگر کچھ معلوم نہیں کہ وہ مرتد ہوگیا یا مرگیا یا زندہ ہے تو اس کا حکم مفقود کا سا ہے۔
مفقود کا بیان رسالہ کے آخر میں ہے۔

فائدہ: چونکہ مسلم کافر پر ولایت رکھتا ہے۔ اسی لئے مسلم کی شہادت بھی کافر پر قبول کی جاتی ہے، لہٰذا قیاس یہ ہے کہ مسلم کافر کا وارث ہوجائے، لیکن خلاف قیاس حدیث وارد ہونے کی وجہ سے وارث نہ ہوگا۔

④ اختلاف دار کفار کے ساتھ خاص ہے، پس اگر ایک مسلم دارالاسلام میں ہو اور دوسرا دارالحرب میں تو ایک دوسرے کے وارث ہوں گے، البتہ کفار کے لئے اختلاف دار مانع عن الارث ہے:۔ اختلاف دار خواہ حقیقۃً وحکماً دونوں طرح ہو مثلاً حربی و ذمّی، یا صرف حکماً ہو مثلاً مستأمن و ذمی، یہ دونوں اگرچہ حقیقۃً دارالاسلام میں ہیں مگر ان میں حکماً اختلاف دار ہے، کیونکہ مستأمن دارالحرب کی طرف واپسی کا خیال رکھتا ہے ذمی نہیں، اور ذمی کے قاتل پر قصاص واجب ہے مستأمن کے قاتل پر نہیں۔

اسی طرح اگر مختلف دارین کے دو حربی ایک دار میں جمع ہوں تو حقیقۃً اگرچہ دار واحد ہے مگر حکماً مختلف ہے، کیونکہ اصل میں دارین مختلفین کے ہیں اور ہر ایک اپنے دار کی طرف رجوع کا خیال رکھتا ہے، لہٰذا ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں گے، البتہ اگر صرف حقیقۃً اختلاف دار ہو حکماً نہ ہو تو مانع ارث نہ ہوگا، مثلاً حربی و مستأمن اگرچہ حقیقۃً دارین مختلفین میں ہیں مگر مستأمن چونکہ دارالحرب کی طرف رجوع کا خیال رکھتا ہے لہٰذا حکماً اختلاف نہیں، پس ان میں توارث جاری ہوگا۔

تنبیہ: اختلاف دار جب ہوگا کہ دونوں جگہ کا بادشاہ مستقل ہو، اور دونوں بادشاہوں کی آپس میں صلح بھی نہ ہو۔

فائدہ: مذکورہ بالا چار اسباب کے علاوہ موت کے وقت کا معلوم نہ ہونا بھی میراث سے محروم ہونے کا ایک سبب ہے، یعنی یہ معلوم نہ ہو کہ پہلے کون مرا ہے اور پیچھے کون، مثلاً بہت سے رشتہ دار ایک ساتھ جہاز میں غرق ہوگئے یا مکان یا دیوار کے گرنے سے دب کر مرگئے یا آگ میں جل گئے، یہ معلوم نہیں کہ کون پہلے مرا ہے کون پیچھے۔ تو یہاں یوں سمجھیں گے کہ گویا سب ایک ہی ساتھ مرے ہیں، نہ یہ اس کا وارث نہ وہ اس کا، ان کے بعد جو وارث موجود ہوں گے ان کو میراث دی جائے گی، مثلاً زید کے تین لڑکے ہیں، عمرو، بکر، خالد، پھر خالد کے دو لڑکے ہیں، سلطان اور حامد، زید اور اس کا لڑکا خالد دونوں غرق ہوگئے، معلوم نہیں کہ پہلے کون مرا ہے اور کون پیچھے، تو زید اور خالد ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں گے، یعنی ایسا نہ

کیا جائے گا کہ زید کے مال کے تین حصے کرکے دو عمرو و بکر کو دیئے جائیں اور ایک خالد کو ملے، پھر خالد کے مرجانے کی وجہ سے اس کے دونوں لڑکوں سلطان و حامد کو ملے، بلکہ خالد محروم ہوجائے گا۔ اس لئے اس کے لڑکوں کو زید کے مال سے کچھ نہ ملے گا، کل مال زید کے لڑکوں عمرو و بکر کو دیا جائے گا۔ اسی طرح یہ بھی نہ ہوگا کہ خالد کے مال سے سدس اس کے باپ زید کو دیا جائے، پھر زید کے مرجانے کی وجہ سے اس کا یہ حصہ اس کے لڑکوں عمرو و بکر کو ملے، بلکہ زید خود محروم ہوگا، لہٰذا خالد کے مال سے زید کے لڑکوں کو کچھ نہ ملے گا، کل مال خالد کے لڑکوں حامد و سلطان کو ملے گا۔

تنبیہ: محروم و محجوب کے اگرچہ لغۃً ایک ہی معنی ہیں مگر اصطلاحاً دونوں میں فرق ہے۔

محروم اسے کہتے ہیں جو مذکورہ بالا اسباب میں سے کسی سبب کی وجہ سے محروم ہو۔

محجوب وہ ہے جس کی میراث کسی دوسرے وارث کی وجہ سے کم ہوجائے یا بالکل رُک جائے، اوّل کو حجب نقصان اور دوم کو حجب حرمان کہتے ہیں۔

محروم کسی وارث کو محجوب نہیں کرتا، نہ حجب نقصان نہ حجب حرمان۔

محجوب حجب نقصان و حجب حرمان دونوں طریقہ سے وارثوں کے لئے حاجب ہوتا ہے۔

سبق سوم

رشتہ دار وارثوں کی اقسام:

رشتہ دار وارثوں کی تین قسمیں ہیں:

(۱) ذوی الفروض۔ جن کا حصہ قرآن یا حدیث یا اجماع اُمت سے معین ہے۔

(۲) عصبات۔ ذوی الفروض کے سوا باقی رشتہ داروں میں سے جو خود بھی مذکر ہوں اور میت کی طرف بواسطہ مذکر منسوب ہوں۔

(۳) ذوی الارحام۔ ذوی الفروض کے سوا جو خود مؤنث ہوں یا میت کی طرف بواسطہ مؤنث منسوب ہوں۔

تنبیہ: لفظ وارث جہاں مطلق ہو اس سے مراد صرف ذوی الفروض اور عصبات ہونگے ذوی الارحام کو شامل نہ ہوگا۔

سبق چہارم

ذوی الفروض اور ان کے سہام

سہام:

شش بود فرض مقدر در کتاب حق عزیز[عہ]
نصف و ربع و ثمن باشد ثلث و ثلثاں سدس نیز

قرآن مجید میں چھ سہام متعین ہیں۔ نصف، ربع، ثمن، ثلث، ثلثان، سدس۔ پہلے تینوں کو طائفہ اولیٰ اور آخری تینوں کو طائفہ ثانیہ کہا جاتا ہے۔ عدد کی دو قسمیں ہیں، مطلق اور مضاف، مطلق کو صحیح بھی کہتے ہیں، مثلاً دو، تین وغیرہ، اور مضاف کو کسر بھی کہتے ہیں، مثلاً نصف، ربع، ثمن وغیرہ۔ ہر کسر کے لئے صحیح عدد کی ضرورت ہے، مثلاً نصف کے لئے دو کی ضرورت ہے، جب تک کسی چیز کے دو حصے نہ کئے جائیں اس کا نصف نہیں نکل سکتا، اسی طرح ربع کے لئے چار کی ضرورت ہے، جو کسر جس اقل عدد صحیح کی محتاج ہو اس صحیح عدد کو اس کسر کا مخرج کہا جاتا ہے اور یہ کسر اپنے اس مخرج کی طرف مضاف ہوا کرتی ہے مثلاً ربع الاربعہ وغیرہ، ربع اگرچہ آٹھ اور بارہ وغیرہ سے بھی نکل سکتا ہے، مگر کم از کم اور اقل عدد جس سے ربع نکل سکے وہ چار ہے، اس سے کم سے ربع نہیں نکل سکتا، لہٰذا ربع کا مخرج چار ہے۔

پس سہام مذکورہ میں سے نصف کا مخرج دو، ربع کا چار، ثمن کا آٹھ، ثلث اور ثلثان کا تین اور سدس کا چھ ہے۔

اگر طائفہ اولیٰ کے افراد آپس میں یا طائفہ ثانیہ کے آپس میں جمع ہو جائیں تو ان میں سے جس کا مخرج اکثر ہو اس کا اعتبار ہوگا، پس نصف و ربع جمع ہوں تو ان کا مخرج چار ہوگا، نصف و ثمن جمع ہوں تو مخرج آٹھ ہوگا، ربع و ثمن کبھی جمع نہ ہوں گے، ثلث و ثلثان جمع ہوں تو چونکہ دونوں کا مخرج تین ہی ہے لہٰذا اجتماع کے وقت بھی تین ہی ہوگا۔

عہ یہ اشعار "رسالہ میراث" مطبوعہ ملتان سے بترمیم و تغییر نقل کئے گئے ہیں ۱۲ منہ

ثلث و سدس یا ثلثان و سدس یا تینوں جمع ہوں تو مخرج چھ ہوگا۔

طائفہ اولیٰ سے نصف طائفہ ثانیہ کے خواہ کسی فرد سے بھی جمع ہو مخرج چھ، ربع جمع ہو تو بارہ، ثمن جمع ہو تو چوبیس ہوگا۔

تنبیہ: ثلث مابقی جس کی تفسیر آگے آئیگی اگر نصف سے جمع ہو تو بدستور سابق مخرج چھ ہوگا۔ البتہ اگر ربع سے جمع ہو تو مخرج بارہ نہیں بلکہ چار ہی ہوگا۔ اور ثلث مابقی و ثمن کبھی جمع نہ ہونگے۔

مسئلہ لکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے **ھوالحی الذی لایموت** ۔ یا **ھو الباقی** ۔ یا **بسم اللہ الرحمٰن الرحیم** لکھیں، پھر لفظ میت بہت لمبا کھینچ کر لکھیں اور اس کے بائیں گوشہ پر میت کا نام اور دائیں گوشہ پر لفظ مسئلہ لکھیں اور اس میت کے نیچے اس کے تمام وارثوں کو لکھیں جو اس کی وفات کے وقت زندہ تھے۔ اگر وارثوں میں زوج یا زوجہ ہو تو سب سے پہلے اس کو لکھیں، اس کے بعد باقی وارثوں کو، زوج یا زوجہ کو بعد میں لکھنے سے بھی اگرچہ مسئلہ صحیح نکل آتا ہے مگر لکھنے والا ناواقف سمجھا جاتا ہے، اگر وارثوں میں کوئی عصبہ بھی ہو تو اس کو سب سے آخر میں لکھیں، پھر ذوی الفروض کے حالات میں غور کر کے ہر وارث کے نیچے اس کا حصہ مقررہ نصف ربع وغیرہ لکھ دیں، عصبہ ہو تو اس کے نیچے ع لکھ دیں، کوئی وارث محروم ہو تو اس کے نیچے م لکھ دیں۔ پھر ذوی الفروض کے نیچے لکھے ہوئے سہام کے مخرج کو لفظ مسئلہ کے اوپر لکھ دیں اور اس مخرج سے ہر وارث کا حصہ نکال کر اس وارث کے نیچے لکھتے جائیں، سب وارثوں کو حصہ دینے کے بعد اگر کچھ بچے تو اس کو عصبہ کے نیچے لکھ دیں، اس کے بعد عبارت والفاظ میں بھی پوری تصریح کر دیں کہ فلاں شخص کے مال کے بعد تقدیم حقوق مقدمہ علی المیراث اس قدر سہام بنا کر فلاں وارث کو اس قدر دیا جائے اور فلاں کو اس قدر۔

مسئلہ ۲۴
ممـــــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

زوجہ	ام	بنت	عم	خال
ثمن	سدس	نصف	ع	م
۳	۴	۱۲	۵	

عول: بعض دفعہ مسئلہ سے وارثوں کو دیئے گئے سہام کا مجموعہ اصل مسئلہ کے عدد سے بڑھ جاتا ہے، اس کا نام عول ہے، وہاں حصوں کے مجموعہ کو اصل مسئلہ پر علامت ع بنا کر اس کے اوپر لکھ دیتے ہیں، آگے جو عمل ہوگا اس عول کے عدد سے ہوگا، عول کے لغوی

معنی تنگی کے ہیں، اس صورت میں چونکہ وارثوں کا حصہ کم ہوجاتا ہے اس لئے اس کو عول کہتے ہیں، دو، تین، چار اور آٹھ کا عول نہیں ہوتا، چھ کا عول دس تک شفعاً و وتراً ہر طرح آتا ہے اور بارہ کا عول سترہ تک صرف وتراً آتا ہے شفعاً نہیں اور چوبیس کا عول فقط ستائیس آتا ہے۔

مسئلہ ۶ عـ۷

زوج	اختین عینیتین
نصف	ثلثان
۳	۴

ذوی الفروض :

دہ دو اصحاب فرائض بس بکن یاد اے فتا || چار ہستند از رجال وہشت بشمار از نسا
چار اول زوج واب ہم جد و اخ خیفی بود || ہشت ثانی اخت خیفی علی و عینی بود
نیز بنت و بنت الابن و زوجہ و مادر شمار || ہشتمیں جدہ صحیحہ دیگرے را نیست کار

جد سے مراد جد صحیح ہے۔

جد صحیح وہ ہے کہ میت کی طرف اس کی نسبت میں مؤنث کا واسطہ نہ ہو، مثلاً باپ کا باپ اور باپ کے باپ کا باپ وغیرہ۔

جد فاسد وہ ہے کہ میت کی طرف اس کی نسبت میں مؤنث کا واسطہ ہو، مثلاً ماں کا باپ اور باپ کی ماں کا باپ وغیرہ۔

جدہ صحیحہ وہ ہے کہ میت کی طرف اس کی نسبت میں جد فاسد کا واسطہ نہ ہو، مثلاً باپ کی ماں اور ماں کی ماں اور باپ کی ماں کی ماں وغیرہ۔

جدہ فاسدہ وہ ہے کہ میت کی طرف اس کی نسبت میں جد فاسد کا واسطہ ہو، مثلاً ماں کے باپ کی ماں اور ماں کے باپ کی ماں کی ماں اور ماں کی ماں کے باپ کی ماں وغیرہ۔

اخوۃ کی تین قسمیں ہیں :

عینی، علی، خیفی۔

عینی وہ اخوۃ ہے جو ماں اور باپ دونوں طرف سے ہو عین سے مأخوذ ہے جو بمعنی افضل ہے، چونکہ دونوں طرف سے اخوۃ یک طرفہ اخوۃ سے افضل ہے لہٰذا اسکو عینی کہا جاتا ہے۔

علی وہ اخوۃ ہے جو صرف باپ کی طرف سے ہو، علّہ[۵] سے مأخوذ ہے جو بمعنی سوکن ہے،

عـ۵ علۃ مأخوذ من العلل وھو الشرب بعد الشرب فان الزوج لما تزوج مرۃ بعد اخری صار کأنہ شرب مرۃ بعد اخری ۱۲

باپ ایک ہو اور ماں جدا ہو تو وہ دونوں مائیں ایک دوسرے کی سوکن ہوں گی، اس لئے یہ اخوۃ علّی کہلاتی ہیں۔

خیفی وہ اخوۃ ہے جو صرف ماں کی جانب سے ہو، خیف سے مأخوذ ہے جو بمعنی مختلف ہے، چونکہ ایسی اخوۃ میں باپ مختلف ہوتے ہیں لہٰذا اسے خیفی کہتے ہیں۔

اس کے بعد خود صاحب اخوۃ یعنی بھائی بہن پر بھی ان الفاظ کا اطلاق ہوتا ہے، بھائی عینی اور بہن عینیہ وغیرہ کہا جاتا ہے، ان کی جمع اعیان، اعیانی، بنوالاعیان وعلات، علاتی بنوالعلات، واخیاف، اخیافی، بنوالاخیاف آتی ہے۔ پھر چونکہ اعمام وعمات واخوال وخالات ماں باپ کے بھائی بہن ہوتے ہیں لہٰذا ان کو بھی اعیانی وعلاتی واخیافی کہا جاتا ہے، پس باپ کا عینی بھائی عم عینی کہلائے گا ــــ قال الشیخ احمد بن محمد بن علی المقری رحمہ اللہ تعالیٰ:

ومتیٰ اردت تمیز الاعیان	فھم الذین یضمھم ابوان
اخیاف ام لیس یجمعھم اب	وبعکسہ العلات یفترقان

بنت الابن جہاں بھی آئے گا عام ہوگا، یعنی بنت الابن وبنت ابن الابن وغیرہ، اسی طرح ابن الابن بھی عام ہے، یعنی ابن الابن وابن ابن الابن وغیرہ۔

احوال الاب:

سدس آید مر پدر را باپسر وابن پسر	سدس وتعصیب آیدش با دختر ودختر پسر
گر ازیں دو قسم مذکورین نباشد ہیچ کس	نیست ز اصحاب فرائض عصبۂ محض است وبس

جب میت کا بیٹا یا پوتا موجود ہو اگرچہ ان کے ساتھ بیٹی یا پوتی بھی ہو تو باپ کو سدس ملے گا۔ اور اگر بیٹا وپوتا نہیں، صرف بیٹی یا پوتی ہے تو باپ کو سدس بھی ملے گا اور عصبہ بھی ہوگا۔

عصبہ کا مختصر حال یہ ہے:

عصبہ آں باشد کہ او دارد دو حال	گر بود تنہا بگیرد کل مال
ور بود با دیگرے صاحب نصیب	ہرچہ زو ماند بگیرد اے حبیب

اس کی پوری تفصیل سبق پنجم میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

احوال الجد:

جد چوں پدر ست میدان جز سقوط ام اب	رد ام ہم سوئے ثلث ما بقی اے پر ادب
جد محروم ست اے دلدار از میراث خویش	باپدر ا قرب کہ از وے ہست در تنسیب پیش

اب اور جد کا دو مسائل میں فرق ہے :

(۱) ام الاب اب کی وجہ سے محروم ہے ، جد سے محروم نہیں۔

(۲) اب کی موجودگی میں ام کو جن صورتوں میں ثلث ما بقی ملتا ہے ان میں اگر اب نہ ہو بلکہ جد ہو تو کُل مال کا ثلث دیا جائے گا۔

ثلث ما بقی کی پوری تفصیل ام کے حالات میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

احوال الاخوۃ والاخوات الخیفیۃ :

درفرائض ہست مر اولاد مادر راسہ حال	مریکے را سدس وثلث از بہر اکثر اے کمال
ساقط ند ایشان بولد و باپدر با جد نیز	قسمتے یکسانست در اولاد ام اے پر تمیز

اولاد عام ہے مذکر ہو یا مؤنث ، اسی طرح ولد کا لفظ جس جگہ بھی آئے گا مذکر و مؤنث ولد الابن ، ولد ابن الابن وھکذا سب کو شامل ہو گا ۔ البتہ ولد البنت کو شامل نہیں۔

قال الشاعر :

بنونا بنو ابنائنا وبناتنا	بنوھن ابناء الرجال الاباعد

احوال الزوج والزوجۃ :

پس بدانکہ نصف شوہر را بباید بے ولد	ربع باشد بے تفاوت گر ولد باوے بود
با ولد ثمن ست زن را ربع باشد بے ولد	واحدے باشد کہ اکثر نیست فرق اے ذی خرد

زوجہ اگر دو یا زیادہ ہوں تو ہر ایک کو جداگانہ ربع یا ثمن نہیں ملے گا بلکہ ایک ہی ربع یا ثمن سب پر برابر تقسیم ہو گا ۔

احوال البنات :

در فرائض مر بنات صلب را سہ حال دان	مریکے را نصف وثلثان بہر اکثر بے گمان
عُصْبَۃٌ بالغیر می گردند ایشان با پسر	پس پسر را حصۂ دو زن بدہ اے پر ہنر

احوال بنات الابن

چوں بنات صلب میدان در تمامی حالہا	مر بنات ابن را اندر ہمہ احوالہا
لیک احوال ست چندین نیز شاں زائد ست	از بنات صلب میت کاں ہمہ لیست لہا

ے عصبہ بالغیر کی تعریف سبق پنجم میں ملاحظہ ہو ۱۲

سدس بایک بنت صلبی مر بنات ابن راست || با پسر محجوب دان رستی ز قیل و قالہا
یا دو بنت ایں حکم باشد لیک با ابن پسر || عصبہ میگرد ان تو شانرا اندریجا کلہا

بنات الابن و بنات ابن الابن وغیرہ کے چھ حال ہیں، تین حال تو بنات کی طرح ہیں، یعنی جب بنات نہ ہوں تو :

① ایک بنت الابن کو نصف

② دو یا زیادہ کو ثلثان

③ اگر ان کے ساتھ ابن الابن بھی ہو خواہ ان کا بھائی ہو یا ابن العم تو ان کو عصبہ کر دے گا اور للذکر مثل حظ الانثیین ان میں تقسیم ہوگی، بشرطیکہ یہ ابن الابن انکا محاذی ہو۔

اور تین حال بنات الابن کے خاص ہیں :

① ایک بنت کی موجودگی میں بنت الابن ایک ہو یا زیادہ انکو سدس ملے گا، البتہ ابن الابن محاذی کے ساتھ عصبہ ہو کر باہم للذکر مثل حظ الانثیین تقسیم کریں گے۔

② ابن کی وجہ سے محروم ہوں گی۔

③ دو یا زیادہ بنات کے ساتھ ساقط ہوں گی، لیکن اگر ان کے ساتھ ابن الابن محاذی یا اسفل ہو تو ان کو عصبہ کر دیگا اور آپس میں للذکر مثل حظ الانثیین تقسیم کریں گے۔

غرضیکہ بنات الابن جب صاحب فرض ہوں تو ابن الابن محاذی سے عصبہ ہوں گی اسفل سے نہیں، اور اگر بنات کی وجہ سے محروم ہو گئی ہوں تو محاذی و اسفل دونوں کی وجہ سے عصبہ ہو جاتی ہیں، اور عالی بہرصورت سفلیات کے لئے حاجب ہے، اسی طرح بنت الابن عالیہ کی وجہ سے بھی سفلیات جب کہ عصبہ نہ ہوں محروم ہوں گی، البتہ اگر بنت نہ ہو تو سب سے عالیہ بنت الابن بنت کے حکم میں ہوگی اور اس سے سفلی بنت الابن کے حکم میں اور اس سے سفلی اگر عصبہ نہ ہو تو محروم رہے گی۔

خلاصہ یہ کہ ابن الابن اور بنت الابن کے اجتماع کی تین حالتیں ہیں :

① ابن الابن عالی ہو تو بہرحال بنت الابن کے لئے حاجب ہوگا۔

② ابن الابن محاذی بہرصورت بنت الابن کو عصبہ کر دیتا ہے۔

③ ابن الابن اسفل ہو تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ بنت الابن اگر صاحبِ فرض ہے تو اسے عصبہ نہ کرے گا، اور اگر محروم ہے تو عصبہ کر دے گا۔

مسئلہ
۴
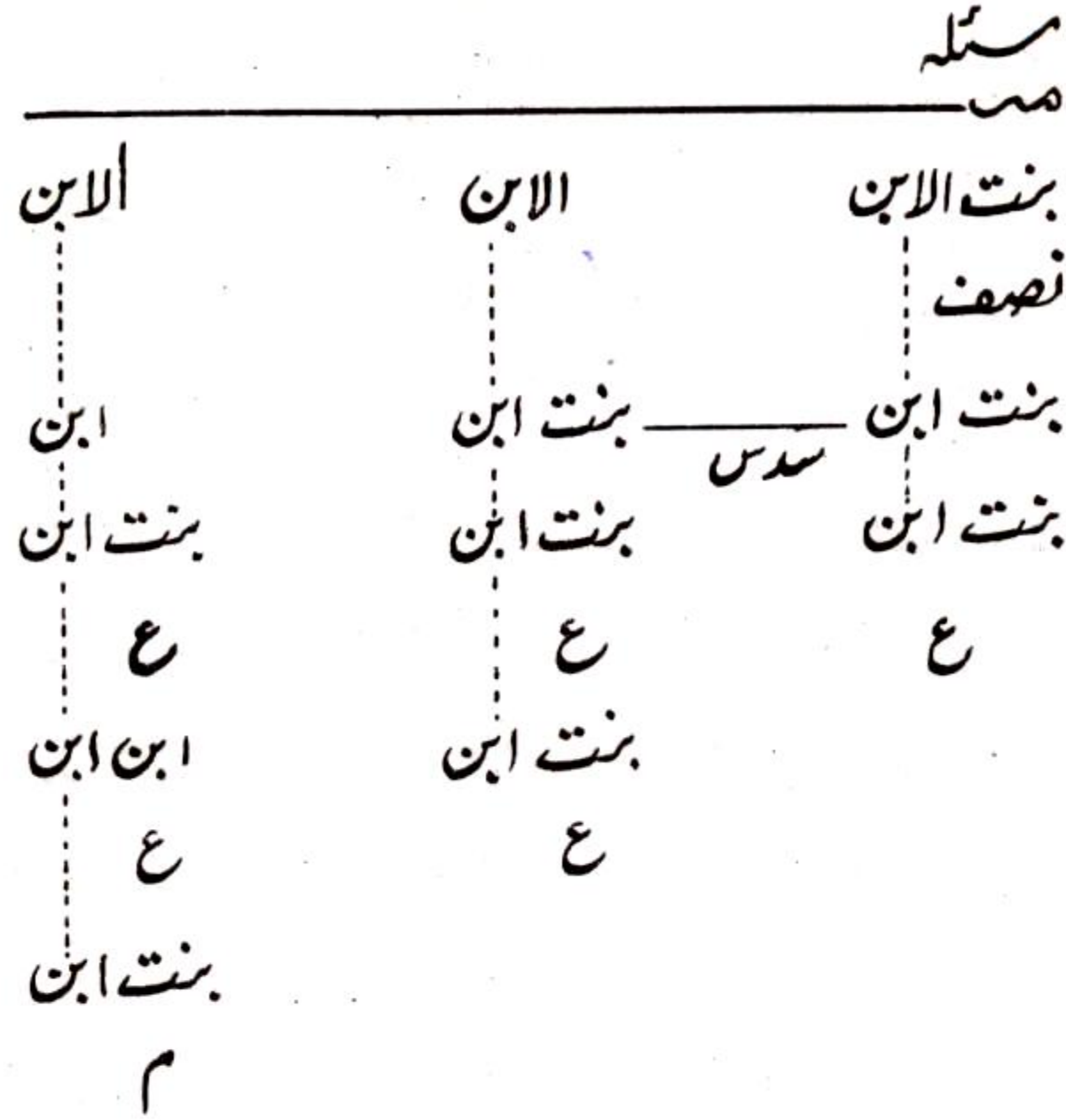
پہلے درجہ میں ایک بنت الابن کو نصف اور دوسرے درجہ میں دو بنات الابن کو سدس ملے گا، تیسرے درجہ کی تین بنات الابن اور چوتھے درجہ کی ایک بنت الابن اسی درجہ کے ابن الابن کی وجہ سے عصبہ ہوں گی، اس لئے باقی مال انہیں للذّکر مثل حظّ الاُنثیین تقسیم ہوگا، پانچویں درجہ کی بنت الابن محروم ہوگی۔

احوال الاخوات العینیۃ :

خواہران عینی میت را بود احوال پنج	نصف گر باشد یکے ثلثان اگر باشند گنج
با برادر عینی و ہم دختر و دختر پسر	عصبہ گردان جملہ را اسہام شان نیکو بسنج

پہلے شعر میں دو حال مذکور ہیں :

(۱) ایک کو نصف۔

(۲) دو یا زیادہ کو ثلثان۔

اور دوسرا شعر بھی دو حال کو متضمن ہے :

(۱) برادر عینی کی وجہ سے عصبہ بالغیر ہوں گی اور باقی مال للذّکر مثل حظّ الانثیین تقسیم کریں گے۔

(۲) دختر و دختر پسر کی وجہ سے عصبہ مع الغیر ہوں گی مگر دختر و دختر پسر خود عصبہ نہ ہوں گی بلکہ ذوی الفروض ہی رہیں گی۔

عصبہ بالغیر و عصبہ مع الغیر میں فرق اور ان کی تعریف سبق پنجم میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

پانچواں حال احوال اخوات علیہ کے آخر میں ہے کیونکہ وہ بھی اس میں شریک ہیں۔

احوال الاخوات العلیۃ :

خواہران علیہ را حالات جملہ ہفت ہست	نصف مریک راست ثلثان ہر چہ زاید بریکست
سدس ایشان راست با یک خواہر عینی فقط	ور بود دو باید از میراث شان زاشست دست
لیک میدان گراخ علی بایشان ہم بود	عصبہ ہریک میشود از داغ محرومی برست
ور بود ملحق بایشان دختر دختر پسر	عصبہ میگردند زان کلیہ کان شایع ببست
باپسر و ابن پسر ہم با پدر بالاتفاق	نیز با جد نزد نعمان غیر را اینجا شک است
ہست ساقط اخوۃ و اخوات اعیان ہم علی	نیز علی با اخ عینی بدان یکسو نشست

اخ علی کی وجہ سے اخوات علیہ عصبہ بالغیر ہوں گی اور باقی ماندہ مال ان میں للذکر مثل حظ الانثیین تقسیم ہوگا،

بنت و بنت الابن کی وجہ سے عصبہ مع الغیر ہوں گی، مگر بنت اور بنت الابن خود عصبہ نہ ہوں گی۔

جب بنت یا بنت الابن کے ساتھ اخت عینیہ و اخت علیہ دونوں جمع ہو جائیں تو دونوں عصبہ ہوں گی، مگر قوی عصبہ کی موجودگی میں ضعیف عصبہ محروم ہو جاتا ہے جس کی تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ سبق پنجم میں آئے گی، اس لئے اخت علیہ محروم ہوگی، اسی طرح اخ علی بھی محروم ہوگا۔

احوال الجدۃ :

سدس آید جدہ را پدری بود یا مادری	یا کہ اکثر ریک بعدی شد بقربی یاں بری
جملہ جدہ گشت ساقط با وجود ام بدان	جدہ ابوی گشت ساقط با پدر دان ہمچنان

ہر شخص کی چار پشت تک تیس جدہ ہو سکتی ہیں جن میں سے چودہ صحیحہ ہیں اور باقی سولہ فاسدہ ہیں۔

نقشہ آئندہ صفحہ پر ہے۔

چودہ جدات صحیحہ کا نقشہ

نمبر پشت	جدات صحیحہ ابوی				جدات صحیحہ امی
پشت اوّل	دادی ۱	پہلی پشت میں صرف دو جدہ صحیحہ ہو سکتی ہیں			نانی ۲
پشت دوم	دادا کی ماں ۳	دادی کی ماں ۴	اس پشت میں تین ہو سکتی ہیں		نانی کی ماں ۵
پشت سوم	دادا کی دادی ۶	دادا کی نانی ۷	دادی کی نانی ۸	اس میں چار	نانی کی نانی ۹
پشت چہارم	دادا کے دادا کی ماں ۱۰	دادا کی دادی کی ماں ۱۱	دادا کی نانی کی ماں ۱۲	دادی کی نانی کی ماں ۱۳	نانی کی نانی کی ماں ۱۴

اگر میت کی زیادہ جدات ہوں اور قرب و بعد میں فرق ہو مثلاً ایک جدہ پشت اول سے اور دوسری پشت دوم سے ہو تو قربی کی وجہ سے بعدی محروم ہوگی اگرچہ قربی خود بھی محروم ہو، مثلاً باپ دادی اور پرنانی کی موجودگی میں دادی کی وجہ سے پرنانی محروم ہوگی اگرچہ دادی خود بھی باپ کی وجہ سے محروم ہے۔

اور اگر سب جدات ایک ہی درجہ کی ہوں تو ان سب میں سدس برابر تقسیم ہوگا اگرچہ ایک جدہ صاحب قرابتین اور دوسری صاحب قرابت واحدہ ہو، مثلاً ہندہ کے پوتے اور نواسی کا آپس میں نکاح ہوا اور ان سے زید پیدا ہوا تو ہندہ زید کی جدہ صاحب قرابتین ہوئی، کیونکہ یہ زید کے باپ کی دادی بھی ہے اور اس کی ماں کی نانی بھی، ایک دوسری عورت صالحہ ہے جو زید کے باپ کی نانی ہے اور اس کو زید سے بس یہی علاقہ ہے، تو اس صورت میں

مسئلہ زید

اب	ام
ام	ام
ام	ام
صالحہ	ہندہ

زید کے مرنے پر صالحہ و ہندہ پر سدس برابر تقسیم ہوگا، یہ نہیں ہوگا کہ ہندہ دو حصے اور صالحہ کو ایک حصہ دیا جائے، بخلاف دوسرے مواقع کے کہ وہاں دو طرف کی قرابت سے حصہ بھی دو طرح سے ملتا ہے، مثلاً ایک شخص کسی عورت کا زوج بھی ہے اور ابن العم بھی، تو زوج ہونے کی وجہ سے اپنا مقررہ حصہ بھی لے گا اور اگر کوئی عصبہ اس سے مقدم موجود نہ ہو تو ذوی الفروض کے بعد باقی ماندہ مال بھی یہی زوج لے گا، کیونکہ ابن العم عصبہ ہے۔

جد کی وجہ سے ام الاب وام ام الاب وغیرہ محروم نہ ہوں گی، کیونکہ ان میں جد کا واسطہ نہیں، البتہ ام الجد محروم رہے گی۔

احوال الام :

در فرائض گر ببینی ہست مادر را سہ حال
سدس با ولد ست و ولد الابن بے از قیل و قال
مثل مذکور ست گر باشد دوئی از اخت واخ
عینی وعلی وخیفی بست ویک باشد مثال
ثلث مایبقی ست بعد از فرض زوجہ زوج ہم
گر بایشان ہم پدر ماند ز میت در مآل
ثلث از کل ست چوں نبود ازیں مذکور کل
ضبط احوال فرائض شد بفضل ذی الجلال

ماں کے تین حال ہیں :

① سدس ② ثلث ما بقی ③ ثلث کل۔

یہ تینوں حالات ترتیب وار معتبر ہیں، یعنی سب سے پہلے ان صورتوں کا اعتبار کیا جائے گا جن میں ماں کو سدس ملتا ہے، اگر سدس کی صورتوں میں سے کوئی صورت بھی نہ ہو تو پھر وہ صورتیں معتبر ہوں گی جن میں ثلث ما بقی ملتا ہے، اگر ان میں سے کوئی صورت نہ ہو تو ثلث کل دیا جائے گا، مثلاً میت نے بیٹی، ماں، باپ اور شوہر وارث چھوڑے تو ماں کو سدس ملے گا، شوہر کو دے کر باقی کا ثلث نہیں دیا جائے گا۔

اگر میت کے بھائی اور بہنوں میں سے دو یا زیادہ موجود ہوں اگرچہ خود محروم ہی ہوں تب بھی ماں کو سدس ملے گا۔

تمت احوال اصحاب الفروض بحمد اللہ

سبق پنجم

عصبات :

عصبہ بمعنی پٹھا ہے، اصطلاحاً وہ جو کہ گوشت پوست میں شریک ہو، جس کے عیب دار ہونے سے خاندان میں عیب لگے، شرع میں اولاد باپ کی ہوتی ہے اس لئے عورت کے خاندان کی اولاد عصبہ نہیں، کیونکہ وہ اولاد تو اس کے شوہر کی ہے۔

اصلی وارث عصبہ ہے، اس لئے بیٹا شرع میں عصبہ ہوا ذوی الفروض میں سے

نہ ہوا، ذوی الفروض کے بعد عصبہ کا حق ہے، اگر ذوی الفروض میں سے کوئی بھی نہ ہو یا ان سے کچھ بچے تو وہ عصبہ کو ملے گا۔

عصبہ کی دو قسمیں ہیں :

① عصبہ نسبی ② عصبہ سببی۔

عصبہ سببی معتق ہے، مذکر ہو یا مؤنث۔ یہ عصبہ نسبی سے مؤخر ہے، اگر معتق بھی نہ ہو تو اس کا عصبہ[ف] بنفسہ وارث ہوگا، پھر سببی، وھکذا معتق کے ذوی الفروض اور عصبہ بالغیر و مع الغیر اور ذوی الارحام کا کوئی حق نہیں۔

اگر کوئی اپنے ذی رحم محرم کا مالک ہو جائے تو وہ غلام خود بخود آزاد ہو جائے گا، اگرچہ مالک نے آزاد کرنے کا قصد نہ کیا ہو، اس غلام کی میراث کا مستحق عصبہ نسبی کی عدم موجودگی میں یہی مالک ہوگا، اگر دو یا زیادہ شخصوں نے مشترک غلام آزاد کیا تو ہر ایک کو اس کے حصے کے مطابق میراث ملے گی۔

عصبہ نسبی کی تین قسمیں ہیں :

① عصبہ بنفسہ ② عصبہ بالغیر ③ عصبہ مع الغیر

عصبہ بنفسہ : یہ خود بھی مذکر ہوتے ہیں اور میت کی طرف بواسطۂ ذکور منسوب ہوتے ہیں۔

عصبہ بالغیر: وہ ذوی الفروض عورتیں ہیں جو اپنے بھائیوں کے ساتھ مل کر عصبہ ہو جاتی ہیں، اور وہ بھائی خود بھی عصبہ بنفسہ ہوتے ہیں اس لئے ان میں تقسیم للذکر مثل حظ الانثیین ہوتی ہیں، جیسے ابن کے ساتھ بنت اور ابن الابن کے ساتھ بنت الابن اور اخ عینی کے ساتھ اخت عینیہ اور اخ علّی کے ساتھ اخت علیہ۔

جو عورتیں ذوی الفروض نہیں وہ اپنے بھائی کے ساتھ مل کر عصبہ نہیں ہوتیں، پس عم کے ساتھ عمہ عصبہ نہ ہوگی۔

عصبہ مع الغیر: وہ ذوی الفروض عورتیں ہیں جو دوسری ذوی الفروض عورتوں کی وجہ سے عصبہ ہو جاتی ہیں اور عصبہ بنانے والی خود ذوی الفروض ہی رہتی ہیں، جیسے بنت اور بنت الابن کی وجہ سے اخت عینیہ و اخت علیہ۔

جہاں مطلق لفظ عصبہ لکھا جاتا ہے اس سے عصبہ بنفسہ مراد ہوتا ہے اور فی الواقع عصبہ

[ف] عصبہ بنفسہ اور عصبہ بالغیر و مع الغیر کی تفسیر عنقریب آرہی ہے۔ ۱۲

یہی ہے عصبہ مع الغیر و بالغیر اصل میں ذوی الفروض ہیں، اس لئے جہاں کوئی عصبہ کی تعریف پوچھتا ہے تو عصبہ بنفسہ کی تعریف بیان کی جاتی ہے، اسی وجہ سے سبق سوم میں عصبہ کی تعریف میں عصبہ بنفسہ کی تعریف بیان کی گئی ہے۔

عصبہ نسبی کی باعتبار استحقاق کے چار اقسام ہیں:

(۱) جزء میت: ابن و ابن الابن وھکذا، اور بنت و بنت الابن وھکذا، جب کہ ابن یا ابن الابن کی وجہ سے عصبہ ہوگئی ہوں۔

(۲) اصل میت: اب و اب الاب وھکذا۔

(۳) جزء اصل قریب میت: اخ عینی و علی اور ان کی ذکور اولاد وان سفلوا، اور اخت عینیہ و علیہ جب کہ اخ یا بنت کی وجہ سے عصبہ ہوگئی ہوں۔

(۴) جزء اصل بعید میت: عم عینی و علی و عم الاب و عم الجد وان علوا واولادھم الذکران وان سفلوا۔

یہ چاروں اقسام ترتیب وار وارث ہوتی ہیں، یعنی سب سے مقدم پہلی قسم، پھر دوسری پھر تیسری، پھر چوتھی۔

پھر ہر قسم میں سے قریب کی وجہ سے بعید محروم ہوگا، جیسے اخ علی کی وجہ سے ابن الاخ العینی اور ابن العم کی وجہ سے عم الاب۔

پھر قوی کی وجہ سے ضعیف محروم ہوگا، جیسے اخ عینی کی وجہ سے اخ علی، اسی طرح اخت عینیہ بیٹی یا پوتی کی وجہ سے عصبہ ہوگئی ہو تو اخ علی اور قسم چہارم کے سب عصبات محروم ہوں گے۔

التمرین

مسئلہ ۶ — مس

زوج	ام	اب
۳	۱	۲

مسئلہ ۶ — مس عہ[۸]

زوج	ام	ام الام	اختین عینیتین
۳	۱	م	۴

مسئلہ ۶ — مس عہ[۹]

زوج	اختین عینیتین	اختین خیفیتین
۳	۴	۲

مسئلہ ۴ — مس

زوجہ	ام	اب
۱	۱	۲

مسئلہ ۶ — مس عہ[۱۰]

زوج	ام الام	اختین عینیتین	اختین خیفیتین
۳	۱	۴	۲

مسئلہ ۲ — مس

بنت	اخت عینیہ
۱	۱

عہ اس کی تحقیق رسالہ کے آخر میں ضمیمہ ثالثہ میں ملاحظہ ہو ۱۲

مسئلہ ۳

مــ

بنتین	اخت عینیہ	عم
۲	۱	م

مسئلہ ۱۲

مــ

زوج	بنت	اب	ام الاب
۳	۶	۳	م

مسئلہ ۴

مــ

زوج	بنت	اخت عینیہ	اخ علی
۱	۲	۱	م

مسئلہ ۹

مــ

خمس اخوات عینیہ	اخ عینی	اخ عینی	ابن قاتل
۵	۲	۲	م

مسئلہ ۵

مــ

اخت عینیہ	اخ عینی	اخ عینی
۱	۲	۲

مسئلہ ۱۲ عـ ۱۵

مــ

زوج	بنت	بنت	ام	اب الاب
۳	۴	۴	۲	۲

مسئلہ ۲۴

مــ

زوجہ	بنتین	ام الام	ابن الاخ العینی
۳	۱۶	۴	۱

مسئلہ ۸

مــ

زوجہ	بنت	ابن	ابن	ابن
۱	۱	۲	۲	۲

مسئلہ ۲۴ عـ ۲۷

مــ

زوجہ	بنتین	اب	ام
۳	۱۶	۴	۴

مسئلہ ۶

مــ

ام	بنت	اب	اخ خیفی
۱	۳	۲	م

مسئلہ ۷

مــ

اخت علیہ	اخت علیہ	اخت علیہ	اخ علی	اخ علی
۱	۱	۱	۲	۲

مسئلہ ۱۲ عـ ۱۷

مــ

زوجہ	ام	ابن قاتل	اخت عینیہ	اخت عینیہ	اخت خیفیہ	اخت خیفیہ
۳	۲	م	۴	۴	۲	۲

سبق ششم

نسبِ اربع :

اسوۂ دو عدد تماثل شد　　عددِ کم بیش را تداخل شد

شد تباین چوں عاد شد واحد　　گو توافق چوں ثالثے زاید

① **تماثل** : دو یا زیادہ اعداد آپس میں متساوی ہوں ۔

ان کا عاد اعظم بھی ان سے مساوی ہوتا ہے جو ان متساوی اعداد میں سے ہر ایک کو یکبارگی تقسیم کرتا ہے۔

بڑے سے بڑا ایسا عدد جو دو یا زیادہ اعداد کو پورا پورا تقسیم کرتا ہو اسے عاد اعظم یا مشترک مقسوم علیہ اعظم کہا جاتا ہے۔

ان اعداد میں سے ہر ایک کو عاد اعظم پر تقسیم کرنے سے جو جواب آئے وہ اس عدد کا وفق کہلاتا ہے۔

مثلاً چار اور چار میں نسبت تماثل ہے، ان کا عاد اعظم بھی چار ہے، جو دونوں کو پورا تقسیم کرتا ہے اور ہر ایک کا وفق ایک ہے۔

② **تداخل**: دو عدد متساوی نہ ہوں بلکہ کم و بیش ہوں اور چھوٹا عدد بڑے کو پورا پورا تقسیم کر دیتا ہو۔

ان کا عاد اعظم چھوٹے عدد سے مساوی ہوتا ہے جو کہ چھوٹے عدد کو یکبارگی اور بڑے کو دو یا زیادہ بار تقسیم کرتا ہے، مثلاً تین اور چھ میں تداخل ہے ان کا عاد اعظم تین ہے، تین کا وفق ایک اور چھ کا وفق دو ہے۔

③ **توافق**: چھوٹا عدد بڑے کو پورا تقسیم نہ کر سکے مگر کوئی تیسرا عدد ان دونوں میں سے ہر ایک کو پورا پورا تقسیم کر دے جو ان کا عاد اعظم ہوگا، مثلاً آٹھ اور بارہ میں توافق ہے، ان کا عاد اعظم چار ہے جو دونوں کو پورا پورا تقسیم کر دیتا ہے، آٹھ کا وفق دو ۲ اور بارہ کا وفق تین ہے۔

توافق میں بڑے اعداد کا عاد اعظم معلوم کرنے کا طریقہ عنقریب آرہا ہے۔

④ **تباین**: نہ چھوٹا عدد بڑے کو پورا تقسیم کرے اور نہ کوئی تیسرا عدد ان دونوں کو پورا پورا تقسیم کر سکے، ان کا عاد اعظم ایک ہوتا ہے، مثلاً تین اور سات میں تباین ہے، سوائے ایک کے کوئی عدد ان دونوں کو پورا پورا تقسیم نہیں کر سکتا، اس لئے ان کا وفق بھی نہیں نکلتا۔

اشکال: توافق کی تعریف (جن عددوں کو کوئی تیسرا عدد پورا پورا تقسیم کر دے) پر لازم آتا ہے کہ عاد اعظم ایک ہونے کی صورت میں بھی نسبت توافق ہو کیونکہ یہ ہر ایک عدد کو پورا پورا تقسیم کر دیتا ہے۔

جواب: ایک عدد نہیں اور توافق میں عاد اعظم کا عدد ہونا ضروری ہے۔

عدد: وہ ہے جس کے طرفین کا مجموعہ اس سے دوگنا ہو۔

فائدہ: یہ نسب اربع صرف اعداد میں ہیں۔ اس لئے ایک کی نسبت ایک سے یا کسی عدد سے معلوم کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، البتہ ان دونوں صورتوں میں چونکہ وفق نہیں نکلتا اس لئے یہ تباین کے حکم میں ہیں۔

توافق میں عاد اعظم معلوم کرنے کا طریقہ:

بڑے عدد کو چھوٹے پر تقسیم کرنے سے جو باقی بچے اس پر چھوٹے عدد مقسوم علیہ کو تقسیم کریں، پھر اس نئے مقسوم علیہ کو دوسرے باقی پر، اسی طرح عمل کرتے جائیں یہاں تک کہ کچھ باقی نہ رہے، آخری مقسوم علیہ عاد اعظم ہوگا۔

اگر یہ عاد اعظم ایک ہے تو نسبت تباین ہوگی، اور اگر کوئی عدد ہے تو نسبت توافق ہوگی۔

مثال:

۳۸۴ اور ۱۲۹۶ کا عاد اعظم یوں نکلے گا۔

```
۳۸۴ ) ۱۲۹۶ ( ۳
      ۱۱۵۲
      ۱۴۴ ) ۳۸۴ ( ۲
            ۲۸۸
            ۹۶ ) ۱۴۴ ( ۱
                 ۹۶
                 ۴۸ ) ۹۶ ( ۲
                      ۹۶
                      ۰۰
```

عاد اعظم مطلوب ۴۸ ہے

دو سے زیادہ اعداد کا عاد اعظم نکالنے کے لئے پہلے دو اعداد کا عاد اعظم نکالیں، پھر اس عاد اعظم اور تیسرے عدد کا عاد اعظم نکالیں، اسی طرح عمل کرتے جائیں، آخری عاد اعظم جواب ہوگا۔

سبق ہفتم

تصحیح المسألۃ:

اگر سہام ورثہ پر منکسر ہوں تو اس کے دفع کے لئے ایک طریقہ ہے جس کو تصحیح المسألۃ کہتے ہیں۔

طریقہ یہ ہے کہ اگر کسر صرف ایک طائفہ میں ہو تو اس طائفہ کے رؤس وسہام کی

آپس میں نسبت معلوم کی جائے ۔

اگر تماثل یا تداخل ہو اور سہام رؤس سے زیادہ ہوں تو تصحیح کی ضرورت نہیں ۔ تداخل میں سہام رؤس سے کم ہوں یا توافق ہو تو رؤس کے وفق کو اور تباین ہو تو کل رؤس کو اصل مسئلہ میں اور اگر عول ہو تو عول میں اور ہر وارث کے سہم میں ضرب دیں ۔

اصل مسئلہ یا عول میں ضرب دینے سے جو حاصل آئے وہ تصحیح المسألۃ ہے، اس کو اصل مسئلہ کے ساتھ علامت ـــــ بنا کر اس کے اوپر لکھ دیا جائے ۔

مسئلہ ۶ تـ ۳۰

اب	ام	خمس بنات
$\frac{1}{5}$	$\frac{1}{5}$	$\frac{4}{20}$

مسئلہ ۶ تـ ۱۸

اب	ام	ست بنات
$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{3}$	$\frac{4}{12}$

مسئلہ ۶ عـ ۷ تـ ۱۴۰

زوج	ثمانی اخوات علیہ
$\frac{3}{6}$	$\frac{4}{8}$

اگر کسر دو یا زیادہ طائفہ میں ہو تو اولاً ہر طائفہ کے سہام و رؤس کی نسبت معلوم کریں، اگر تداخل ہو اور سہام رؤس سے کم ہوں یا توافق ہو تو رؤس کے وفق کو اور تباین ہو تو کل رؤس کو محفوظ رکھیں، پھر رؤس طائفہ اولیٰ کے محفوظ داشتہ عدد اور رؤس طائفہ ثانیہ کے محفوظ داشتہ عدد کی آپس میں نسبت دیکھیں، تباین ہو تو ایک کو دوسرے میں ضرب دیں، توافق ہو تو ایک کے وفق کو دوسرے کے کل میں ضرب دیں، تداخل ہو تو اکثر کو لے لیں، تماثل ہو تو دونوں میں سے ایک کو لے لیں، پھر اس حاصل ضرب یا مأخوذ کی رؤس طائفہ ثالثہ کے محفوظ داشتہ عدد سے نسبت دیکھیں اور اسی طرح عمل کرتے جائیں، حتیٰ کہ سب طائفے پورے ہو جائیں، پھر اس آخری حاصل ضرب یا مأخوذ کو اصل مسئلہ یا عول میں اور ہر وارث کے سہم میں ضرب دیں، جو حاصل آئے وہ تصحیح المسألۃ ہے ۔

مسئلہ ۶ تـ ۱۸

ثلث بنات	ثلث جدات	ثلث اعمام
$\frac{4}{12}$	$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{3}$

مسئلہ ۱۲ تـ ۱۴۴

اربع زوجات	ثلث جدات	اثنا عشر عما
$\frac{3}{36}$	$\frac{2}{24}$	$\frac{7}{84}$

مسئلہ ۲۴ تـ ۵۰۴۰

زوجتین	ست جدات	عشر بنات	سبعۃ اعمام
$\frac{3}{630}$	$\frac{4}{840}$	$\frac{16}{3360}$	$\frac{1}{210}$

مسئلہ ۲۴ تـ ۴۳۲۰

اربع زوجات	ثمانی عشر بنتا	خمس عشرۃ جدۃ	ستۃ اعمام
$\frac{3}{540}$	$\frac{16}{2880}$	$\frac{4}{720}$	$\frac{1}{180}$

مسئلہ ۳ تصحیح ۴۵

بنت	بنت	بنت
خرچ کرد در خرید پدر ۲۰ درم ہیچ خرچ نہ کرد	خرچ کرد در خرید پدر ۲۰ درم	خرچ کرد در خرید پدر ۳۰ درم
۱۹	۱۶	۱۰

سبق ہشتم

طریق ردّ:

اگر ذوی الفروض میں سے ہر ایک کو پورا حصہ ملنے کے بعد کچھ مال بچ جائے اور کوئی عصبہ بھی نہ ہو تو باقی مال ذوی الفروض نسبیہ یعنی زوجین کے سوا باقی ذوی الفروض پر ان کے سہام کے مطابق رد کیا جائے گا، اس لئے ذوی الفروض نسبیہ کو من یرد علیھم کہا جاتا ہے، زوجین کو اس سے کچھ نہ ملے گا، لہٰذا یہ من لا یرد علیھم کہلاتے ہیں۔

رد کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اگر مسئلہ میں من لا یرد علیھم نہ ہوں اور من یرد علیھم جنس واحد ہوں تو بعد الردان کے رؤس سے اور مختلف جنس کے ہوں تو ان کے سہام سے مسئلہ کیا جائے اور اس کو اصل مسئلہ کے ساتھ علامت لعـ بنا کر اس کے اوپر لکھدیا جائے۔

مسئلہ ۳ لعـ ۴

اربع بنات
$\frac{۲}{۴}$

مسئلہ ۶ لعـ ۲

جدہ	اخت خیفیہ
۱	۱

مسئلہ ۶ لعـ ۳

ام	اخت خیفیہ
۲	۱

مسئلہ ۶ لعـ ۵

اخت عینیہ	اختین خیفیتین
۳	۲

مسئلہ ۶ لعـ ۴

بنت	بنت الابن
۳	۱

مسئلہ ۶ لعـ ۵

اخت عینیہ	اخت علیہ	اخت خیفیہ
۳	۱	۱

مسئلہ ۶ لعـ ۵

اختین عینیتین	اختین علتیین	اخت خیفیہ
۴	۳	۱

مسئلہ میں من لا یرد علیہ بھی ہو تو پہلے صرف من لا یردّ علیہ کا مسئلہ اسکے سہم کے اقل مخرج سے نکالیں، اس سے من لا یرد علیہ کو حصہ دے کر باقی محفوظ رکھیں، پھر صرف من یردّ علیہم کا مسئلہ نکالیں گویا کہ من لا یردّ علیہ ان کے ساتھ نہیں اور من یردّ علیہم

میں سے ہر ایک کو ان کے مسئلہ سے حصہ دے کر مندرجۂ بالا طریقہ سے ان پر رد کریں، یعنی ان کے رؤس یا سہام سے مسئلہ کیا جائے، پھر من یرد علیہم کے مسئلہ بعد الرد کی من لا یرد علیہ کے مسئلہ سے باقی کے ساتھ نسبت دیکھیں۔

اگر تماثل ہو تو مسئلہ من لا یرد علیہ برحال رہے گا۔

تباین ہو تو کل مسئلہ من یرد علیہم کو اور تداخل ہو تو اس کے وفق کو من لا یرد علیہ کے کل مسئلہ میں اور من لا یرد علیہ کے اس سہم میں جو اس کو اپنے مسئلہ سے ملا ہے ضرب دیں۔

توافق اس جگہ نہیں ہو سکتا۔

من لا یرد علیہ کے مسئلہ میں ضرب دینے سے جو حاصل آئے وہ مخرج بعد الرد ہے۔

من یرد علیہم میں سے ہر ایک کو اپنے مسئلہ سے جو سہم ملا ہے اس کو من لا یرد علیہ کے مسئلہ سے باقی کے کل یا وفق میں ضرب دیں۔

مسئلہ ۲ لعہ ۴

زوج	ثلث بنات
۳	۸
۱	۳

مسئلہ ۱۲ لعہ ۱۶

زوجہ	اربع اخوات عینیہ
۳	۸
۴	۱۲

مسئلہ ۱۲ لعہ ۸

زوج	ست بنات
۳	۸
۲	۶

مسئلہ ۱۲ لعہ ۴ تصح ۴۸

زوجہ	اربع جدات	ست اخوات خیفیہ
۳	۲	۴
۱	۱	۲
۱۲	۱۲	۲۴

مسئلہ ۲۴ لعہ ۴ تصح ۱۴۴۰

اربع زوجات	تسع بنات	ست جدات
۳	۱۶	۴
۵	۲۸	۷
۱۸۰	۱۰۰۸	۲۵۲

ذوی الارحام:

ذوی الارحام کی بھی بلحاظ استحقاق عصبات نسبیہ کی طرح چار اقسام ہیں۔ اور عصبات و من یرد علیہم کی عدم موجودگی میں بالترتیب وارث ہوتے ہیں، یعنی قسم اول سب سے

مقدم، پھر ثانی، پھر ثالث، پھر رابع۔

① جزء میت: اولاد البنات واولاد بنات الابن وان سفلوا۔

② اصل میت: الاجداد والجدات الفاسدۃ۔

③ جزء اصل قریب میت: اولاد الاخوات وبنات الاخوۃ وبنو الاخوۃ لام واولادھم۔

④ جزء اصل بعید میت: اعمام خیفیہ، عمات، اخوال وخالات، بنات الاعمام وکل ھؤلاء للابوین وابوی الابوین، اوران سب کی اولاد۔

اگر ایک قسم کے مختلف ذوی الارحام جمع ہوجائیں تو ہر ایک قسم کا آپس میں طریق تقسیم جدا ہے

مسئلہ ۴

بنت	بنت	بنت
بنت	بنت	بنت
بنت	ابن	بنت
۱	۲	۱

قسم اول: قریب کی وجہ سے بعید محروم ہوگا، جیسے بنت البنت کی وجہ سے بنت بنت الابن،

پھر ولد الوارث[1] کی وجہ سے ولد غیر الوارث محروم ہوگا، جیسے بنت بنت الابن کی وجہ سے ابن بنت البنت۔

پھر ان ذوی الارحام کے اصول جو میت تک وسائط ہیں ان کو دیکھا جائے کہ ان میں ذکورۃ وانوثۃ کا اختلاف ہے یا نہیں؟

اگر نہیں تو موجودہ ذوی الارحام پر للذکر مثل حظ الانثیین تقسیم کی جائے۔

اختلاف ذکورۃ وانوثۃ ہے تو میت کی طرف سے سب سے پہلے جس جگہ اختلاف ہو وہاں للذکر مثل حظ الانثیین تقسیم کی جائے۔

اس تقسیم میں وصف اصول کی اور عدد سب سے آخری فروع کا معتبر ہوگا، مثلاً اصول میں اگر ایک ابن ہے اور اس کے آخر میں ایک ابن اور ایک بنت یا دو بنت یا دو ابن ہیں تو اس ابن کو جو اصول میں ہے دو ابن کے قائم مقام کیا جائے، اسی طرح اگر اصول میں ایک بنت ہے اور اس کے آخر میں ایک ابن اور ایک بنت یا دو بنت یا

---

[1] وارث سے مراد ذو الفرض یا عصبہ ہے۔

دو ابن ہوں تو اس بنت کو جو اصول میں ہے دو بنت فرض کیا جائے ،

اس کے بعد ذکور و اناث کو علیحدہ علیحدہ طائفہ کر کے ہر ایک طائفہ کے فروع کو آخر تک دیکھا جائے۔

اگر ذکورۃ و انوثۃ کا اختلاف نہ ہو تو اُن کا حصہ ان کے آخری فروع کو دیدیا جائے۔

اختلاف ہے تو للذکر مثل حظّ الانثیین تقسیم کر کے ذکور و اناث کو جدا جدا طائفہ کر کے مثل مذکور عمل کیا جائے۔ الی ان ینتہی الی اُخر الفروع۔

مسئلہ ۲۸
مص

بنت بنت بنت
بنت بنت ابن
۳ ۴
بنت ابن بنت
۶ ۶
ابنی بنت بنتی
۶ ۶ ۴/۱۶

مسئلہ ۵ ، ۶۰
مص

بنت بنت بنت بنت بنت بنت بنت | ابن ابن ابن
۹ | ۶
بنت بنت بنت بنت بنت بنت بنت | بنت بنت بنت
بنت بنت بنت بنت بنت | ابن ابن ابن | بنت بنت | ابن
۱۸ | ۱۸ | ۳ | ۳
بنت بنت | ابن ابن ابن | بنت بنت | ابن | بنت بنت بنت
۶ | ۱۲ | ۹ | ۹
بنت بنت | ابن | بنت بنت | ابن | بنت بنت بنت | بنت | ابن | بنت
۳ | ۳ | ۶ | ۶ | ۱ | ۲
بنت ابن بنت | بنت ابن بنت | بنت بنت ابن بنت | بنت بنت بنت
۱ ۲ ۳ | ۴ ۲ ۶ | ۶ ۳ ۹ | ۱/۴ ۲/۸ ۳/۱۲

قسم دوم: قریب کی وجہ سے بعید محروم ہوگا، جیسے اب الام کی وجہ سے اب ام الام، اس میں مدلی[۵] بالوارث کی وجہ سے مدلی بغیر الوارث محروم

مسئلہ ۳ ، ۹ ، ۲۷
مص

ام ۱/۳ | اب ۲
اب ۲/۶ | ام
ام | اب ۲/۶ ، ۱۸
اب ۴ | ام ۲ | اب ۱/۳

۵ من الادلاء وھو ارسال الدلو فی البئر ثم استعمل فی کل شیء یمکن فیہ (باقی برصفحہ آئندہ)
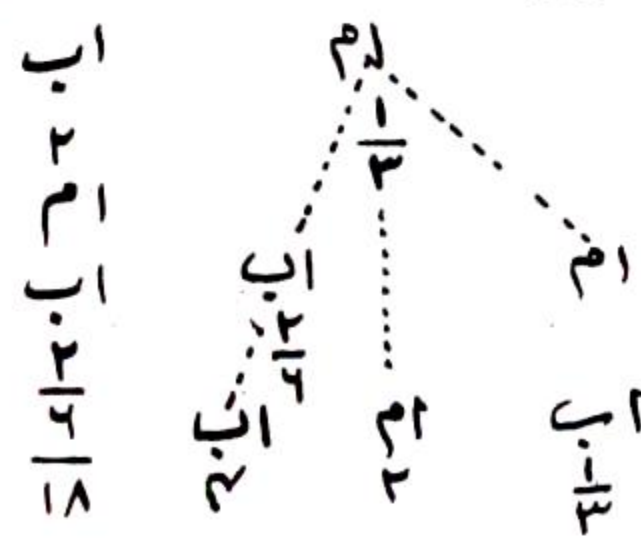
نہیں، پس اب ام الام کی وجہ سے اب اب الام محروم نہ ہوگا۔

پھر مثل قسم[۵] اول عمل کیا جائے مگر اس میں سب سے آخری بطن کے عدد کا اعتبار نہیں بلکہ اسی بطن کا عدد معتبر ہے جس پر اختلاف ذکورۃ وانوثۃ کی وجہ سے تقسیم کر رہے ہیں۔

قسم سوم: قریب کی وجہ سے بعید محروم ہوگا، جیسے بنت الاخ کی وجہ سے بنت ابن الاخ۔

پھر ولد الوارث کی وجہ سے ولد غیر الوارث محروم ہوگا، جیسے بنت ابن الاخ کی وجہ سے ابن بنت الاخ۔

پھر اگر سب اصول خیفی ہوں تو آخری فروع میں مذکر و مؤنث پر علی السویہ تقسیم کردی جائے۔

اور سب اصول عینی یا سب علی ہوں تو باعتبار اختلاف ذکورۃ وانوثۃ قسم اول کی طرح عمل کیا جائے۔

اور مختلف ہوں تو پہلے اصول پر تقسیم کی جائے یعنی عینی علی خیفی بھائی اور بہنوں میں سے ذوی الفروض کو ان کا حصہ مقررہ دے کر باقی عصبات کو دیا جائے، اگر عصبہ کوئی نہ ہو اور رد کی ضرورت پڑے تو رد کیا جائے۔

ذوی الفروض کو حصہ دیتے وقت بھی وصف اصول کی اور عدد سب سے آخری فروع کا معتبر ہوگا۔

اس کے بعد عینیہ علیہ خیفیہ ہر ایک کو جدا جدا طائفہ کر کے خیفیہ کا حصہ ان کے آخری فروع پر علی السویہ تقسیم کر دیا جائے اور عینیہ وعلیہ میں مثل قسم اول عمل کیا جائے۔

مسئلہ ۳ تصـ ۹
مـیـت

اخ عینی	اخت عینیہ		اخ علی	اخت علیہ		اخ خیفی	اخت خیفیہ	
۳	۲/۶	۳	م	م		۱/۳		
بنت	ابن	بنت	بنت	بنت	ابن	ابن	بنت	بنت
۳	۲	۱	م	م	م	۱	۱	۱

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) ولو بطریق المجاز فمن یدلی الی المیت یرسل قرابتہ الیہ بشخص والباء فیہ للالصاق فالقرابۃ مشترکۃ بین المدلی والواسطۃ ۱۲

[۵] اس کی تحقیق رسالہ کے آخر میں ضمیمہ ثالثہ میں ملاحظہ ہو ۱۲ منہ

مسئلہ ۶ تـ ۳۰
مس

اخت عینیہ	اخت خیفیہ	اخ علی	اخت علیہ
۳	۲	بنتی ۴ ۱	—
۱۵	۱۰	۱۴ ۵	ابن ۱
ابن			
۱۵			

مسئلہ ۶ لعـ ۴ تـ ۱۲
مس

اخت عینیہ	اخت علیہ
۳	۱
۹	ابن بنت
بنت ۹	۲ ۱

قسم چہارم: قریب کی وجہ سے بعید محروم ہوگا، جیسے عمہ کی وجہ سے بنت العم اور بنت العم کی وجہ سے عمۃ الاب۔

پھر اگر اصول صرف جانب ام یا صرف جانب اب ہوں تو قوی کی وجہ سے ضعیف محروم ہوگا، یعنی عینی کی وجہ سے علی وخیفی اور علی کی وجہ سے خیفی محروم ہوگا۔

پھر ولد الوارث کی وجہ سے ولد غیر الوارث محروم ہوگا، جیسے بنت العم کی وجہ سے ابن العمہ ثم مثل القسم الاوّل خیفیہ میں بھی للذکر مثل حظّ الانثیین تقسیم ہوگی۔

اور اگر دونوں جانب موجود ہوں تو پہلے جانب ام کو ثلث اور جانب اب کو ثلثان دیکر ہردو کو جدا جدا طائفہ کردیا جائے، ہر ایک طائفہ میں قوی کی وجہ سے ضعیف محروم ہوگا۔

پھر ولد الوارث کی وجہ سے ولد غیر الوارث محروم ہوگا۔

ایک طائفہ کے قوی یا ولد الوارث کی وجہ سے دوسرے طائفہ کا ضعیف یا ولد غیر الوارث محروم نہ ہوگا۔

اس کے بعد ہر دو طائفہ میں مثل قسم اول عمل کیا جائے۔

اگر میت کی عمہ وخالہ وغیرہ نہ ہوں تو میت کے باپ یا ماں کی عمہ وخالہ میت کی عمہ و خالہ کے قائم مقام ہوں گی۔

اگر باپ کی عمہ وخالہ اور ماں کی عمہ وخالہ جمع ہو جائیں تو جانب اب کو ثلثان اور جانب ام کو ثلث دے کر جدا جدا طائفہ کردیں، پھر ہر طائفہ کو جو حصہ ملا ہے اس میں سے اس طائفہ کی جانب عمہ کو ثلثان اور جانب خالہ کو ثلث دے کر جدا جدا طائفہ کرکے ہر ایک طائفہ میں مثل قسم اوّل عمل کریں۔

مسئلہ ۳ ۲۱ ت ۱۰۵

مـــ

عمہ عینیہ	عم عینی	عم عینی	عم عینی	خالہ علیہ	خالہ علیہ	خال علی	خال خیفی
م		۲ / ۱۴ / ۷۰		۳	۱/۷	۴	م
ابن	ابن	ابن	ابن	بنت	ابن	بنت	بنت
ابنی	بنتی	بنتی	بنت	۳	۱۲		ابن
م	۲۸	۲۸	۱۴	بنت	ابنی ۴ / ۲۰ / ۱۲ / ۳۲		م
				۳			

مسئلہ ۳ ۱۲ ت ۳۶

مـــ

عمہ علیہ	عمہ علیہ	عم علی	خالہ علیہ	خالہ عینیہ	خالہ عینیہ	خال عینی
۱۲	۲ / ۸ / ۲۴	۱۲	م	۲	۱/۴	۲
بنت	ابن	بنت	بنت	بنت	ابن	بنت
۴	۸			۲	۴	
ابن	بنتی		ابن	بنتی	ابنی	
۴	۲۰		م	۲	۲ / ۶ / ۴ / ۱۰	

سبق دہم

مناسخہ :

مناسخہ اسے کہتے ہیں کہ کسی وارث کا حصہ اس کو ملنے سے پہلے میراث بن کر اس کے وارثوں کی طرف منسوخ ومنقول ہوجائے، یعنی میراث تقسیم ہونے سے پہلے میت کے وارثوں میں سے کوئی شخص مرجائے، یا اسکے بعد بھی کوئی شخص میت اوّل یا میت ثانی کے وارثوں سے مرجائے، یا اسی طرح بہت سے وارث یکے بعد دیگرے تقسیم ترکہ سے پہلے مرجائیں۔

سب سے پہلا میت جس سے سلسلۂ تقسیم چلایا جائے اسے ”مورثِ اعلیٰ“ کہا جاتا ہے۔

مناسخہ کی تخریج کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے مورث اعلیٰ کا مسئلہ نکالنے کے

لئے لفظ میت کا لمبا خط کھینچ کر اس کے اوپر "مورث اعلیٰ" اور اس کا نام لکھیں اور نیچے اس کی وفات کے وقت اس کے جو وارث زندہ تھے مع ان کے ناموں کے لکھیں، کیونکہ صرف ام یا زوجہ یا ابن وغیرہ لکھنے سے دوسرے تیسرے نمبر کے مسئلہ میں جب پھر اسی رشتہ کے وارث لکھے جاتے ہیں تو اشتباہ ہو جاتا ہے۔

پھر اس کے نیچے کچھ جگہ چھوڑ کر اس میت کے لئے جو مورث اعلیٰ کے بعد اور دوسروں سے پہلے مرا ہو خط کھینچ کر اس کے اوپر "ثانی" اور اس میت کا نام لکھیں اور نیچے اس کی وفات کے وقت اس کے جو وارث زندہ تھے مع ناموں کے لکھیں۔

اسی طرح تھوڑی جگہ چھوڑ کر ترتیب وار ہر میت کے لئے خط کھینچ کر اس کے اوپر اس کا درجہ ثالث، رابع وغیرہ اور اس کا نام اور نیچے اس کے وارث جو اس کی وفات کے وقت زندہ تھے مع ناموں کے لکھتے جائیں۔

پھر پہلے مورث اعلیٰ کا مسئلہ نکالیں، باوجوہ سابقہ عول ورد و تصحیح وغیرہ۔ پھر اس کے وارثوں سے جو شخص مرگیا ہو اس کے نام اور سہام کے نیچے قبر کا نشان بنا دیں، ان سہام کو جو میت ثانی کو میت اول سے حاصل ہوئے "ما فی الید" کہا جاتا ہے، اس ما فی الید کے عدد کو میت ثانی کے خط کے اوپر بائیں طرف اس کے نام کے ساتھ علامت مع بنا کر اس کے اوپر لکھ دیں۔

پھر میت ثانی کا مسئلہ مثل سابق نکالیں، پھر میت ثانی کے مسئلہ کی اس کے ما فی الید سے نسبت معلوم کریں۔

تماثل ہو تو مسئلہ میت اول برحال رہے گا۔

تداخل یا توافق ہو تو مسئلہ ثانیہ کے وفق کو اور تباین ہو تو اس کے کل کو مسئلہ اولیٰ کے کل میں اور میت اول کے وارثین میں سے ہر ایک کے سہام میں ضرب دیں۔

مسئلہ اولیٰ میں ضرب دینے سے جو حاصل آئے وہ دونوں مسئلوں کا مخرج ہوگا، اس کو مسئلہ اولیٰ کے اوپر خط کھینچ کر اس پر لکھ دیں۔

پھر میت ثانی کے وارثوں میں سے ہر ایک کے سہام کو ما فی الید کے وفق یا کل میں ضرب دیں۔

پھر میت ثالث کا نام جس جس جگہ وارثوں میں ہو اس پر مع سہام کے قبر کا

نشان بنادیں اور جس جس جگہ سے اس کو سہام ملے ہوں سب کو جمع کرکے میت ثالث کے خط پر مافی الید کی علامت بناکر اس کے اوپر لکھ دیں، پھر اس کا مسئلہ نکال کر اس کی مافی الید سے نسبت دیکھیں، تماثل ہو تو مخرج اول برحال رہے گا، ورنہ مسئلہ ثالثہ کے وفق یا کل کو مخرج اول میں اور میت اول وثانی کے وارثوں کے سہام میں ضرب دیں اور میت ثالث کے وارثوں کے سہام کو اس کے مافی الید کے وفق یا کل میں ضرب دیں، پھر میت رابع وخامس وغیرہ میں یہی عمل کرتے جائیں، الیٰ آخر الصورۃ المسئولۃ عنھا۔

مسئلہ کامل ہوجانے کے بعد "الاحیاء" لمبا کھینچ کر اس پر "المبلغ" لکھ کر اس کے اوپر آخری مخرج کا عدد لکھ دیں اور "الاحیاء" کے نیچے سب میتوں کے موجودہ وارثین کے نام لکھ کر ہر ایک کے نیچے جو سہام اس کو جس جگہ سے ملے ہوں جمع کرکے لکھ دیں اسکے بعد بدستور سابق عبارت میں بھی ہر ایک کے سہام کی تصریح کردیں۔

فائدہ: جہاں کہیں مناسخہ میں ایسی صورت پیش آئے کہ کسی میت کے وہی وارث ہوں جو اس کے مورث کے تھے اور اس میت کے ساتھ ترکہ میں شریک تھے، ان سے زائد کوئی وارث نہ ہو، خواہ اسی حیثیت سے وارث ہوں جس سے پہلے تھے یا دوسری حیثیت سے تو ایسی صورت میں ایسا مورث اختصار عمل کے لئے کالعدم سمجھا جاتا ہے، اس کے نام کے نیچے "کالعدم" لکھ دیتے ہیں، مگر اس میں دو شرائط ہیں:

(۱) کالعدم کرنے سے جن وارثوں کا حصہ بڑھتا ہے بعینہٖ وہی وارث میت ثانی کے ہوں، نہ ان سے کم ہوں نہ زیادہ۔

(۲) مسئلہ ثانیہ کے سہام میں مناسبت بھی وہی ہو جو مسئلہ اولیٰ کے سہام میں ہے۔

تنبیہ: اگر مسئلہ میں من لا یرد علیہ بھی ہو اور کالعدم کرنے سے پہلے عول کی صورت ہو اور اس کے بعد رد کی ضرورت پڑے تو کالعدم کرنا صحیح نہ ہوگا، اگرچہ مسئلہ ثانیہ کے سہام میں بھی مناسبت وہی ہو جو مسئلہ اولیٰ کے سہام میں ہے، کیونکہ اس صورت میں کالعدم کرنے سے سہام کی زیادتی میں تناسب نہیں رہتا۔

کالعدم کرنے کی مثال:

کسی شخص نے ایک زوجہ اور چار ابن وارث چھوڑے، پھر وہ زوجہ مرگئی اس نے بھی یہی چار بیٹے وارث چھوڑے۔

اس صورت میں زوجہ کو اول ہی سے کالعدم سمجھیں گے، اس تطویل کی حاجت نہیں کہ مورثِ اعلیٰ نے زوجہ اور چار ابن چھوڑے پھر زوجہ مری اس نے بھی چار ابن چھوڑے بلکہ اول ہی سے اس شخص کی جائیداد چار بیٹوں کو دیدی جائے۔

یہ مثال اس کی تھی کہ ایک ہی حیثیت سے وارث ہیں، جس طرح اس شخص کے بیٹے تھے اسی طرح اس کی زوجہ کے بھی بیٹے ہیں۔

دوسری حیثیت سے وارث ہونے کی مثال یہ ہے کہ کسی شخص نے فقط چار ابن چھوڑے اور پھر ایک ابن نے صرف یہی تین بھائی وارث چھوڑے تو ایسا ابن کالعدم سمجھا جائے گا، گو وارثین باقی نے میت اول سے ابن ہوکر اور میت ثانی سے بھائی ہوکر حصّہ لیا۔

۱۲۸ / ۳۲

مسئلہ ۱۲ تصـ ۱۶ مورث اعلیٰ حلیمہ

زوج	بنت	ام
زید	زینب	ہندہ
(۳/۴)	(۶/۹)	(۲/۳/۶)

مسئلہ ۴ ثانی زید مـ ۴

زوجہ	ام	اب
فاطمہ	کلثوم	مسعود
۱/۲/۸	۱/۲/۸	۲/۴/۱۶

مسئلہ ۶ ثالث زینب مـ ۹

ام الام	ابن	ابن	بنت
ہندہ	سلطان	حامد	سارہ
(۱/۳)	۲/۶/۲۴	۲/۶/۲۴	۱/۳/۱۲

مسئلہ ۲ تـ ۴ رابع ہندہ مـ ۹

زوج	اخ عینی	اخ عینی
محمود	ولید	خالد
۲/۱۸	۱/۹	۱/۹

المبلغ ۱۲۸

الاحیاء

فاطمہ	کلثوم	مسعود	سلطان	حامد	سارہ	محمود	ولید	خالد
۸	۸	۱۶	۲۴	۲۴	۱۲	۱۸	۹	۹

مسئلہ ۱۲ تـ ۴۲ مورث اعلیٰ بکر

زوجہ	ام الاب	اخ عینی	اخ عینی	اخت عینیہ	اخت عینیہ
عائشہ	رقیہ	سلیم	عظیم	سعیدہ	کریمہ
۳/۱۸	(۲/۱۲)	۱۴	۱۴ ۷	۷	۷

مسئلہ ۶ ثانی رقیہ مـ ۱۲

زوج	ابن	بنت
سعید	حمید	زبیدہ
۱/۳	۲/۶	۱/۳

المبلغ ۴۲

الاحیاء

عائشہ	سلیم	عظیم	سعیدہ	کریمہ	سعید	حمید	زبیدہ
۱۸	۱۴	۱۴	۷	۷	۳	۶	۳

سبق یازدہم

ترکہ کی سہامِ وارثین پر تقسیم :

مخرج کی عدد ترکہ سے نسبت دیکھیں۔

اگر تماثل ہو تو ظاہر ہے کہ کسی قسم کے عمل کی ضرورت نہیں۔

تداخل یا توافق ہو تو عدد ترکہ کے وفق کو اور تباین ہو تو اس کے کل کو ہر وارث کے سہم میں ضرب دے کر حاصل ضرب کو مخرج کے کل یا وفق پر تقسیم کریں۔

فیصد حصہ معلوم کرنا چاہیں تو عدد ترکہ = ۱۰۰ فرض کر کے عمل مذکور کریں۔

مسئلہ ۱ ۱۵/۳۰/۱۲۰ مورث علی ابراہیم

زوجہ	ابن	بنت
صفیہ	عبداللہ	عاجزہ
کالعدم	۲	۱/۵

مسئلہ ۲ ثانی عبداللہ مف ۲

ابن	ابن	بنت
زاہد	عابد	ہاجرہ
۲/۴/۸	۲/۴/۸/۳۲	۱/۲/۴/۱۶

مسئلہ ۳ ثالث عاجزہ مف ۵

ابن الاخ	ابن الاخ	بنت الاخ
زاہد	عابد	ہاجرہ
۱/۵	۱/۵/۲۰	م

مسئلہ ۴ رابع زاہد مف ۱۳

زوجہ	اخت عینیہ	اخ علی
عظیمہ	ہاجرہ	عابد
۱/۱۳	۲/۲۶	۱/۱۳

المبلغ ۱۲۰ الاحیاء

عابد	ہاجرہ	عظیمہ
۶۵	۴۲	۱۳
فیصد = $۵۴\frac{۱}{۶}$	۳۵	$۱۰\frac{۵}{۶}$

مسئلہ ۵ ۸۰/۴۸۰/۱۹۲۰ مورث علی زید

زوجہ	زوجہ	ابن	بنت	بنت	بنت
کریمہ	عزیزہ	عبداللہ	ہاجرہ	خدیجہ	عظیمہ
۵/۳۰/۱۲۰	۵	۲۸/۱۶۸/۶۷۲	۱۴/۸۴/۳۳۶	۱۴/۸۴/۳۳۶	۱۴/۸۴

مسئلہ ۶ ثانی عزیزہ مف ۵

ابن	ابن	بنت	بنت
حمید	ولید	خدیجہ	عظیمہ
۲/۱۰/۴۰	۲/۱۰/۴۰	۱/۵/۲۰	۱/۵

مسئلہ ۴ ثالث عظیمہ مط ۸۹

زوج	بنت	اخت عینیہ	اخت علیہ	اخ علی
احمد	فاطمہ	خدیجہ	ہاجرہ	عبداللہ
۱/۸۹	۲/۱۷۸	۱/۸۹	م	م

مسئلہ ۲ ت ۴ رابع کریمہ مص ۱۲۰

بنت	ابن العم	ابن العم
ہاجرہ	عزیز	سعید
۲/۶۰	۱/۳۰	۱/۳۰

۱۹۲۰

الاحیاء المبلغ

	عبداللہ	ہاجرہ	خدیجہ	حمید	ولید	احمد	فاطمہ	عزیز	سعید
	۶۷۲	۳۹۶	۴۴۵	۴۰	۴۰	۸۹	۱۷۸	۳۰	۳۰
فیصد =	۳۵	۲۰ ۵/۸	۲۳ ۱۷/۹۶	۲ ۱/۱۲	۲ ۱/۱۲	۴ ۶۱/۹۶	۹ ۱۳/۴۸	۱ ۹/۱۶	۱ ۹/۱۶

مسئلہ ۱۲ عـ ۱۳ تـ ۶۵

	زوج	ام	خمس اخوات عینیہ
	۱۵	۱۰	۴۰
فیصد =	۲۳ ۱/۱۳	۵ ۵/۱۳	۶۱ ۷/۱۳

مسئلہ ۲۴ تـ ۱۹۲

	زوج	ام	ابن	ابن	ابن	بنت	بنت
	۲۴	۳۲	۳۴	۳۴	۳۴	۱۷	۱۷
فیصد =	۱۲ ۱/۲	۱۶ ۲/۳	۱۷ ۱۷/۲۴	۱۷ ۱۷/۲۴	۱۷ ۱۷/۲۴	۸ ۴۱/۴۸	۸ ۴۱/۴۸

سبق دوازدہم

تخارج :

اگر کوئی وارث ترکہ میں سے کسی معین چیز پر صلح کرے، مثلاً کہے کہ فلاں چیز یا اتنے روپے ترکہ سے مجھے دیدیں، یا متوفاۃ کا مہر جو میرے ذمہ ہے مجھ سے نہ لیں، باقی ترکہ میں مجھے کوئی حق نہیں، اسے تخارج کہتے ہیں، یہ صلح جائز ہے۔

مطلق صلح کو بیع، اجارہ، ابراء وغیرہ عقود میں سے جس عقد پر ممکن ہو حمل کرکے اس کے صحیح کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، اگر کسی عقد پر بھی محمول نہ ہوسکے تو صلح جائز نہ ہوگی، تخارج بیع پر محمول ہوسکتا ہے۔

لہٰذا اگر بدل صلح عرض ہے یعنی مکیل، موزون اور سونے، چاندی کے سوا کوئی اور چیز ہے تو بہر صورت صلح جائز ہے۔

اگر سونے سے چاندی پر یا بالعکس یا دونوں سے دونوں پر یا سونے اور چاندی اور عرض سے دونوں پر صلح کی تو ترکہ کا حاضر ہونا اور قبضہ اسی مجلس میں کرنا شرط ہے، خواہ بدل صلح مصالح کے حصہ سے کم ہو یا زیادہ۔

اگر دونوں سے یا تینوں سے صرف سونے یا صرف چاندی پر صلح کی تو شرط مذکور سے زائد یہ شرط بھی ہے کہ بدل صلح اپنی جنس میں سے مصالح کے حصہ سے زیادہ ہو۔

اسی طرح اگر بدل صلح مکیل یا موزون ہو تو ربوا کی صورتیں ناجائز ہوں گی۔

اگر میت پر دین محیط بالترکہ ہے تو صلح جائز نہیں، البتہ اگر محیط بالترکہ نہیں تو بہتر یہ ہے کہ ادائے دین سے پہلے صلح نہ کریں، اگر کرلی جائے تو جائز ہے۔

اگر میت کا لوگوں پر دین ہے تو کسی وارث کے لئے یہ جائز نہیں کہ کسی چیز پر صلح کرکے اپنا حصۂ دین دوسروں کے سپرد کردے، کیونکہ قرض خواہ کا مقروض کے سوا کسی دوسرے کو کسی چیز کے عوض میں قرض کا مالک بنانا صحیح نہیں۔

اگر ایسی ضرورت پیش آئے تو یہ تدبیر ہوسکتی ہے کہ باقی وارث کھجور وغیرہ کی ایک مٹھی مصالح سے اس کے حصۂ دین کے برابر ثمن میں فروخت کردیں، پھر مصالح اس ثمن کو مقروض پر حوالہ کردے تاکہ باقی وارث اس مقروض سے وصول کرلیں۔

صلح کے بعد باقی ترکہ کی تقسیم کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے مصالح کو دوسرے وارثوں میں داخل کرکے مسئلہ نکالیں بوجوہِ سابقہ عول، رد، تصحیح وغیرہ، پھر مصالح کے سہم کو کل مسئلہ سے تفریق کرکے باقی مسئلہ کو علامت صـ بناکر اس کے اوپر لکھدیں اور مصالح کے نام اور سہام پر "صـ" کا احاطہ کردیں۔

مسئلہ ۶ صـ ۳

زوج	ام	عم
صـ ۳	۲	۱
فیصد =	۶۶ ۲/۳	۳۳ ۱/۳

مسئلہ ۸ رد ۳۲ صـ ۲۵

زوجہ	ابن	ابن	ابن	ابن
۴	صـ ۷	۷	۷	۷
فیصد = ۱۶		۲۸	۲۸	۲۸

سبق سیزدہم

خنثیٰ کا حکم :

جہاں تک ہو سکے خنثیٰ کو سب احکام میں مرد یا عورت کی طرح شمار کریں گے، اگر اس میں مرد کی علامات زیادہ ہوں، مثلاً ڈاڑھی نکل آئے یا مرد کی پیشاب گاہ سے پیشاب کرتا ہو یا اس سے کسی عورت کو حمل رہ جائے تو اس کو مرد سمجھا جائے گا، اگر عورت کی علامات زیادہ ہوں، مثلاً وہ خود حاملہ ہو گئی یا پستان ظاہر ہو گئے یا حیض آنے لگے یا عورت کی پیشاب گاہ سے پیشاب کرتی ہو تو عورت سمجھی جائے گی، اگر دونوں مقاموں سے پیشاب کرتا ہو تو جس مقام سے پہلے پیشاب نکلے اس کا اعتبار ہوگا، لیکن جب دونوں حالتیں بالکل برابر ہوں اور حالت ایسی مشتبہ ہو جائے کہ کسی وجہ سے کسی طرح بھی مرد یا عورت ہونے کو ترجیح نہ دے سکیں تو اس کو خنثیٰ مشکل کہتے ہیں، میراث میں اس کا حکم اسوأ الحالین ہے، یعنی مرد یا عورت فرض کرنے سے جس تقدیر پر محروم رہے یا حصہ کم ملے اسی تقدیر کا اعتبار رہے۔

مسئلہ
مـــ ۴

زوجہ	ابن الاخ العینی	ولد الاخ العینی خنثیٰ مشکل
۱	۳	م
فیصد = ۲۵	۷۵	

مسئلہ
مـــ ۴

ابن	بنت	خنثیٰ مشکل
۲	۱	۱
فیصد = ۵۰	۲۵	۲۵

سبق چہاردہم

حمل کا حکم :

حمل کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں :

① مورث کا ہو، یعنی اس کی زوجہ حاملہ ہو۔

② غیر مورث کا ہو، مثلاً مورث کی والدہ کو حمل ہو۔

حمل مورث :

زوجۂ مورث معتدۂ موت تو ہوگی ہی، علاوہ ازیں معتدۂ طلاق بھی ہوسکتی ہے، اس لئے اس کی تین صورتیں ہیں :

① فقط معتدۂ موت : اس حمل کے وارث ہونے کی یہ شرط ہے کہ عورت نے انقضاءِ عدت کا اقرار نہ کیا ہو تو موتِ مورث سے دو سال کے اندر پیدا ہو۔

انقضاءِ عدت کا اقرار کرلیا ہو تو شرطِ مذکور کے علاوہ یہ شرط بھی ہے کہ وقتِ اقرار سے چھ ماہ کے اندر پیدا ہو۔

② معتدۂ موت و معتدۂ رجعیہ : اس میں یہ شرط ہے کہ انقضاءِ عدت کا اقرار نہ کیا ہو تو موتِ مورث سے دو سال کے اندر پیدا ہو، اگرچہ وقتِ طلاق سے برسوں بعد ہو، یوں سمجھا جائے گا کہ زوج نے عدت کے اندر صحبت کرکے طلاق سے رجوع کرلیا تھا، اور جوان عورت کی عدت تین حیض ہے، جن کے لئے کوئی مدت متعین نہیں۔

انقضاءِ عدت کا اقرار کرلیا ہو تو مزید یہ شرط بھی ہے کہ وقتِ اقرار سے چھ ماہ کے اندر پیدا ہو۔

③ معتدۂ موت و معتدۂ بائنہ : انقضاءِ عدت کا اقرار نہیں کیا تو وقتِ بینونۃ سے دو سال کے اندر پیدا ہو۔

انقضاءِ عدت کا اقرار کرلیا ہو تو یہ شرط بھی ہے کہ وقت اقرار سے چھ ماہ کے اندر پیدا ہو۔

حمل غیر مورث :

اس کی چار صورتیں ہیں :

① غیر معتدہ : اس میں موت مورث سے چھ ماہ کے اندر پیدا ہونا شرط ہے البتہ اگر موت مورث کے وقت حمل کا ظہور عام طور پر معلوم ہو یا اس پر شاہد موجود ہوں تو اس میں شرط مذکور نہیں، موتِ مورث سے چھ ماہ کے بعد پیدا ہونے کی صورت میں بھی وارث ہوگا، بشرطیکہ اکثر مدتِ حمل یعنی وقت علوق سے دو سال کے اندر پیدا ہو۔

اگر ظہورِ حمل عام طور پر معلوم نہیں اور نہ ہی اس پر شاہد ہیں، مگر بعض وارث

موتِ مورث کے وقت وجودِ حمل کا اقرار کرتے ہیں اور مقرین کا عدد نصابِ شہادت سے کم ہے تو یہ حمل صرف مقرین کے حق میں وارث ہوگا۔

(۲) معتدۂ رجعیہ: انقضاءِ عدت کا اقرار نہ کیا ہو تو موتِ مورث سے چھ ماہ اور وقت طلاق سے دو سال میں سے جو مدت زیادہ ہو، اس کے اندر پیدا ہو۔

انقضاءِ عدت کا اقرار کر لیا ہو تو یہ شرط مزید ہے کہ وقتِ اقرار سے چھ ماہ کے اندر ہو۔

(۳) معتدۂ بائنہ: انقضاءِ عدت کا اقرار نہ کیا ہو تو وقتِ بینونۃ سے دو سال کے اندر پیدا ہو۔ انقضاءِ عدت کا اقرار کر لیا ہو تو یہ شرط بھی ہے کہ وقتِ اقرار سے چھ ماہ کے اندر ہو۔

(۴) معتدۂ موت: اس کا حکم بعینہ معتدۂ بائنہ کی طرح ہے۔

شرائطِ مذکورہ کے علاوہ حمل کے وارث ہونے کی یہ شرط بھی ہے کہ ماں کے پیٹ سے اکثر زندہ باہر آجائے، خروج اکثر کا اعتبار اگر بچہ سیدھا پیدا ہو تو خروج سینہ سے ہے ورنہ خروج ناف سے، پس اگر مردہ پیدا ہوا یا خروج اکثر سے پہلے مرگیا تو وارث نہ ہوگا، یہ شرط جب ہے کہ بچہ خود بخود نکلے، اگر جنایت سے نکالا گیا تو وارث ہوگا۔

تقسیم ترکہ میں بہتر تو یہ ہے کہ حمل کی پیدائش کا انتظار کر لیں تاکہ اس کا وارث یا غیر وارث اور مرد یا عورت ہونا ظاہر ہو جائے، لیکن اگر انتظار نہ کریں اور پیدا ہونے سے پہلے ہی تقسیم کرنا چاہیں تو حمل کے لئے بتقدیرِ ذکورۃ و انوثۃ جدا جدا دو مسئلے نکالیں، حمل کے سوا باقی وارثوں کو جس صورت میں کم ملے وہ ان کو دے کر مسئلہ سے جو باقی بچے وہ حمل کے لئے امانت رکھیں۔

ایک حمل سے زیادہ بچے پیدا ہو جانے کا بھی احتمال ہے اس لئے بہتر ہے کہ وارثوں سے ضامن لے لیا جائے۔

بچہ پیدا ہونے کے بعد اگر کل امانت داشتہ کا مستحق ہوا تو فبہا ورنہ اس کی وجہ سے جن وارثوں کو اقل حصہ دیا تھا ان کا حصہ پورا کر دیا جائے، مگر سہام کا اقل و اکثر ہونا مخرج متحد ہونے کے بعد معلوم ہوتا ہے، اگر مخرج مختلف ہے تو سہام کا اقل و اکثر ہونا ظاہر نہیں ہوتا، مثلاً ایک شخص نو سے تین اور دوسرا چار سے دو لیتا ہے، اس صورت میں بظاہر تین لینے والے کا حصہ زیادہ معلوم ہوتا ہے مگر حقیقۃً دو لینے والے کا حصہ

زیادہ ہے، کیونکہ دو چار کا نصف اور تین نو کا ثلث ہے، اس لئے ہر دو صورت ذکورۃ وانوثۃ میں سے اقل واکثر معلوم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ دونوں مسئلوں کا مخرج متحد ہو۔

مخرج متحد کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اگر دونوں مسئلوں میں تداخل یا توافق ہو تو ہر ایک مسئلہ کے وفق کو اور تباین ہو تو کل کو دوسرے مسئلہ کے کل میں ضرب دے کر ہر مسئلہ کے سہام کو دوسرے مسئلہ کے وفق یا کل میں ضرب دیں، مخرج متحد ہو کر اقل و اکثر معلوم ہو جائے گا۔

مسئلہ ۲۴/۲۷ باعتبار ذکورۃ ۷۲ × ۳ = ۲۱۶

زوجہ	ام	اب	بنت	حمل
۹	۱۲	۱۲	۱۳	۲۶
۲۷	۳۶	۳۶	۳۹	۷۸

مسئلہ ۲۴/۲۷ باعتبار انوثۃ ۲۷ × ۸ = ۲۱۶

زوجہ	ام	اب	بنت	حمل
۳	۴	۴	۸	۸
۲۴	۳۲	۳۲	۶۴	۶۴

زوجہ کو ۲۴ اور ام و اب میں سے ہر ایک کو ۳۲ اور بنت کو ۳۹ دے کر باقی ۸۹ حمل کے لئے محفوظ رکھیں گے، اگر لڑکا پیدا ہوا تو زوجہ کو ۳ اور ام و اب میں سے ہر ایک کو ۴ دے کر باقی ۷۸ اس کو دیں گے۔

لڑکی ہوئی تو ۸۹ میں سے ۲۵ بنت کو دیں گے تو اس کا حصہ ۶۴ ہو جائے گا، باقی ۶۴ اس نومولود لڑکی کو دیں گے۔

بچہ مردہ پیدا ہوا تو زوجہ کو ۳ اور اب وام میں سے ہر ایک کو ۴ اور بنت کو ۶۹ دیں گے، تاکہ اس کا حصہ نصف یعنی ۱۰۸ پورا ہو جائے اور باقی ۹ اب کو عصبہ ہونے کی وجہ سے ملیں گے۔

تنبیہ: وارثوں میں صغیر یا حمل موجود ہو تو اس کی ماں، بھائی اور چچا وغیرہ کو تقسیم ترکہ اور صغیر کے مال میں تجارت اور زمین میں زراعت وغیرہ کی اجازت نہیں، البتہ صغیر کے مال کی حفاظت، بیع منقول بغرضِ حفاظت اور صغیر کے لئے خوراک و پوشاک وغیرہ ضروریات خریدنے کی اجازت ہے بشرطیکہ صغیر ان کی پرورش میں ہو، ترکہ کی تقسیم اور صغیر کے مال منقول میں تجارت اور زمین میں زراعت کا اختیار صرف ولی یعنی باپ پھر اس کے وصی پھر دادا پھر اس کے وصی اور پھر حاکم مسلم کو ہے، اگر وہ بھی نہ ہو تو

محلہ کے دیانتدار لوگ کوئی متولّی متعین کردیں۔

صغیر کی زمین بیچنے کا اختیار بجز چند مخصوص صورتوں کے ولی کو بھی نہیں۔

سبق پانزدہم

مفقود کا حکم:

مفقود ایسا غائب ہے جس کے مرنے یا زندہ ہونے کا کچھ حال معلوم نہ ہو، مفقود کا حکم لگنے کی کوئی میعاد نہیں، بلکہ اس کا مدار اس پر ہے کہ اس کا کچھ پتہ چلنے کی امید منقطع ہو جائے۔

جب مفقود کی عمر نوے برس ہو جائے تو اس کے مرنے کا حکم دیا جائے گا، اور اس کا مال موجودہ وارثین پر تقسیم ہوگا۔

غیر کے مال میں جب سے مفقود ہوا اسی وقت سے مردہ متصوّر ہوگا، یعنی اگر کوئی شخص اس کے مفقود ہونے کے بعد مر گیا تو یہ مفقود اس کا وارث نہ ہوگا، اگرچہ مفقود کی عمر ابھی تک نوے برس کی نہ ہوئی ہو، مگر چونکہ غیر کے مال میں بھی مردہ ہونے کا حکم نوے برس کی عمر کے بعد ہی ظاہر ہوتا ہے، اس سے پہلے اس کے واپس آکر وارث بن جانے کا احتمال ہے، اس لئے اس میت کے مال سے مفقود کا حصّہ امانت رکھا جائے گا، اگر واپس آگیا تو اس کو مل جائے گا، ورنہ نوے برس کی عمر ہو جانے کے بعد جس میت کے مال سے امانت رکھا تھا اسی کے ان وارثوں پر لوٹایا جائے گا جو اس کے انتقال کے وقت زندہ تھے، موجودہ وارثوں کا اعتبار نہیں اور نہ ہی مفقود کے وارثوں کا اسمیں کوئی حق ہے۔

تنبیہات:

(۱) مفقود کی عمر نوے برس ہو جانے پر اس کو مردہ قرار دینے کا یہ مطلب نہیں کہ اس حکم کے بعد اگر وہ زندہ یا اس کی حیات کی خبر معتبر آجائے تب بھی مردہ متصور ہوگا، بلکہ اس کا مال اس کو واپس کر دیا جائے گا۔

(۲) غائب کے مال میں قاضی کے سوا کسی کو تصرف کا اختیار نہیں، اس لئے مفقود کی صورت میں ترکہ کی تقسیم اور اس کے حصہ میں تصرف کے لئے قاضی کوئی شخص متعین کرے۔

مفقود کا مسئلہ نکالنے کا طریقہ بھی وہی ہے جو حمل کا ہے یعنی مفقود کو زندہ و مردہ فرض کرکے ہر دو تقدیر پر دو مسئلے نکال کر دونوں کا مخرج متحد کرکے مفقود کے سوا باقی وارثوں کو اقل دیدیں اور جو مسئلہ سے باقی بچے وہ مفقود کے لئے امانت رکھیں، اگر مفقود واپس آکر کل امانت داشتہ کا مستحق ہوگیا تو فبہا، اور اگر بعض کا مستحق ہوا یا واپس نہ آیا تو اس کی وجہ سے جن وارثوں کو اقل دیا تھا ان کا حصہ پورا کردیا جائے۔

مسئلہ ۲ ت ۸ / ۵۶ باعتبار حیوٰۃ

زوج	اختین عینیتین	اخ عینی مفقود
۴	۲	۲
۲۸	۱۴	۱۴

مسئلہ ۶ ت ۷ / ۵۶ باعتبار وفاۃ

زوج	اختین عینیتین	اخ عینی مفقود
۳	۴	
۲۴	۳۲	

زوج کو ۲۴ اور اختین کو ۱۴ دے کر باقی ۱۸ مفقود کے لئے امانت رکھیں گے، اگر مفقود آگیا تو ۱۸ سے ۴ زوج کو دے کر باقی ۱۴ اس کو ملیں گے، اگر نہ آیا تو کل امانت داشتہ یعنی ۱۸ اختین کو مل جائیں گے اور ان کے مجموعہ سہام ۳۲ ہو جائیں گے۔

فائدہ: جب مناسخہ میں حمل یا مفقود کی صورت پیش آئے تو وہاں دو صورتوں میں سے ایک صورت لکھی جائے گی، مگر پہلے الگ دونوں صورتوں کو حل کرکے جس صورت میں باقی وارثوں کو کم ملے وہ سلسلۂ مناسخہ میں داخل کی جائے۔

آخر میں غرقی، حرقی، ہدمی اور اسیر و مرتد کے احکام بیان کرنے کا دستور ہے مگر یہ تینوں مضمون بقدر ضرورت موانع ارث کے بیان میں گزر چکے ہیں لہٰذا اب ان کے لئے مستقل بحث کی حاجت نہیں۔ فقط وهذا اول ما تیسر لی جمعه وتألیفه فی عنفوان الشباب، ورشح به قلم الناصب فی نهزات الفرصة من خدمة الطلاب، فالمأمول ممن طالعه وعلمه، او استفاد به وتعلمه، ان لاینسانی فی دعواته، واطیب ساعاته، والمسئول من الله تعالیٰ ان ینفع به الطالبین، ویجعله لی ذخرا لیوم الدین، سبحان ربك رب العزة عما یصفون، و سلام علی المرسلین، والحمد لله رب العلمین، وصلی الله تعالیٰ علی خیر خلقه محمد وعلی اٰله و صحبه اجمعین، اٰمین برحمتك یا ارحم الراحمین ٥

زبرۃ العبد رشید احمد

۲۶ ربیع الآخر ۱۳۶۶ھ یوم الخمیس

ضمیمۂ اولیٰ

ذیل میں تخریج مسئلہ کا ایک جدید اور مفید ترین طریقہ لکھا جاتا ہے جو بندہ نے خود ایجاد کیا ہے، عول، رد وغیرہ سب جدید طریق پر کئے گئے ہیں، اس میں مہارت ہو جانے کے بعد مناسخہ کے لمبے چوڑے مسائل بہت مختصر وقت میں بسہولت نکالے جا سکتے ہیں، طریق مروّج کی بنسبت بہت سہل و مختصر ہے۔

طریقہ یہ ہے کہ سہام کا مخرج متحد نکالنے کی بجائے فیصد کے حساب کے مطابق سَو کو مخرج بنا کر اس سے ہر وارث کو حصہ دیا جائے، اس طریق میں حساب کسور کی ضرورت پڑتی ہے، اس لئے اس کے چند ضروری اور آسان طریقے لکھے جاتے ہیں۔

اصطلاح عربی میں خط کے اوپر کی رقم کو کسر اور نیچے کی رقم کو اس کسر کا مخرج کہا جاتا ہے، مثلاً دو بٹہ تین ($\frac{2}{3}$) میں ۲ دو کسر اور تین ۳ اس کا مخرج ہے، جس سے مقصود یہ ہے کہ مقسوم کے تین حصے کر کے ان میں سے دو حصے لے لئے جائیں۔

(۱) جمع:

سب کسور کا مخرج متحد نکالیں، اس کا طریقہ یہ ہے کہ دو مخارج کی آپس میں نسبت[ع۵] معلوم کریں۔

اگر تباین ہو تو ایک مخرج کے کل کو دوسرے کے کل میں ضرب دیں۔

توافق ہو تو ایک کے وفق کو دوسرے کے کل میں ضرب دیں۔

تداخل ہو تو اکثر کو لے لیں۔

تماثل ہو تو دونوں میں سے ایک کو لے لیں۔

پھر اس حاصل ضرب یا مأخوذ کی تیسرے مخرج کے ساتھ نسبت دیکھ کر اس کے کل یا وفق میں ضرب دیں، پھر اس دوسرے حاصل ضرب کی چوتھے مخرج سے نسبت دیکھیں، اسی طرح عمل کرتے جائیں، حتی کہ سب مخارج ختم ہو جائیں۔

آخری حاصل ضرب کو خط کھینچ کر اس کے نیچے لکھ دیں، پھر اس آخری حاصل ضرب

ع۵ نسبت معلوم کرنے کے لئے دیکھئے سبق ششم - ۱۲

کو ہر کسر کے اصل مخرج پر تقسیم کرکے حاصل تقسیم کو ہر کسر میں ضرب دیکر حاصل ضرب کو خط مذکور کے اوپر لکھتے جائیں، سب کسور کا مخرج متحد ہو جائے گا۔

پھر یہ جدید کسور جو ہر کسر کی ضرب سے حاصل ہوئیں اور خط کے اوپر لکھی گئی ہیں، ان کے مجموعہ کو مخرج متحد پر تقسیم کرکے صحیح عدد بنالیں، اگر تقسیم کے بعد کچھ بچ جائے تو وہ مخرج کی کسر ہوگی۔

اگر اس کسر اور مخرج میں تباین ہو تو دونوں برحال رہیں گے، اور اگر تداخل یا توافق ہو تو دونوں کی بجائے ان کے وفق رکھ دیں، اس طرح عدد چھوٹے ہو جائیں گے تو حساب میں سہولت ہوگی۔

$$\frac{۲}{۳}+\frac{۵}{۶}+\frac{۷}{۹}+\frac{۳}{۵}$$

$$\frac{۶۰+۷۵+۷۰+۵۴}{۹۰\ \text{مخرج متحد}}=۲\frac{۷۹}{۹۰}\ \text{حاصل جمع}$$

(۲) تفریق:

اس میں بھی بطریق مذکور سب کسور کا مخرج متحد کرکے تفریق کریں، باقی ماندہ کسر اور اس کے مخرج میں اگر تداخل یا توافق ہو تو ان کی بجائے ان کے وفق رکھ کر عدد کو چھوٹا کرلیں، جیسے جمع میں گزرا۔

اگر مفروق کی کسور مفروق منہ سے زیادہ ہوں اور مفروق منہ کے ساتھ عدد صحیح بھی ہو تو صحیح عدد میں سے ایک لے کر اسے مخرج کے ساتھ ضرب دیکر جنس کسور سے کرکے ساتھ والی کسور سے جمع کرکے تفریق کریں۔

$$\frac{۳}{۴}-\frac{۱}{۳}$$

$$\frac{۹-۴}{۱۲}=\frac{۵}{۱۲}\ \text{حاصل تفریق}$$

(۳) کسر کی عدد صحیح میں ضرب:

مخرج کو صحیح عدد پر تقسیم کریں، حاصل تقسیم کسر سے کم ہو جائے تو کسر کو اس پر تقسیم

کرکے صحیح عدد بنائیں۔

اگر مخرج صحیح عدد پر پورا تقسیم نہ ہوسکے تو کسر کو صحیح عدد میں ضرب دیکر حاصل ضرب کو مخرج پر تقسیم کرکے صحیح عدد بنالیں، تقسیم کے بعد کچھ بچ جائے تو وہ اس مخرج کی کسر ہوگی، پھر اس کسر اور مخرج کے اعداد کو بطریق مذکور چھوٹے کرلیں۔

حاصل ضرب $\frac{۳}{۴} \times ۳ = \frac{۹}{۴} = ۲\frac{۱}{۴}$

④ کسر کی عدد صحیح پر تقسیم:

اگر کسر مقسوم علیہ پر پوری تقسیم نہ ہوسکے تو مخرج کو مقسوم علیہ میں ضرب دیکر مخرج اور کسر دونوں کو بطریق مذکور چھوٹے کرلیں۔

حاصل تقسیم $\frac{۴}{۵} \div ۶ = \frac{۴}{۳۰} = \frac{۲}{۱۵}$

⑤ اگر عدد صحیح مقسوم مقدار میں مقسوم علیہ سے کم ہے یا مقسوم کو مقسوم علیہ پر تقسیم کرنے سے کچھ باقی بچ جاتا ہے تو کل مقسوم کو یا باقی کو کسر، اور مقسوم علیہ کو اس کا مخرج کردیا جاتا ہے، پھر بطریق مذکور کسر اور اس کے مخرج کو چھوٹے کرلیں۔

حاصل تقسیم $۶ \div ۸ = \frac{۶}{۸} = \frac{۳}{۴}$ حاصل تقسیم $۸ \div ۳ = ۲\frac{۲}{۳}$

⑥ اگر عدد صحیح مقسوم کے ساتھ کسور بھی ہوں اور عدد صحیح مقسوم علیہ پر تقسیم نہ ہوسکتا ہو یا تقسیم کے بعد کچھ بچ جاتا ہو تو اس مقسوم عدد صحیح کو مخرج میں ضرب دیکر جنس کسور سے کرکے ساتھ والی کسور کے ساتھ جمع کرکے مقسوم علیہ پر بطریق مذکور تقسیم کریں۔

حاصل تقسیم $۲\frac{۳}{۴} = \frac{۱۱}{۴} \div ۳ = \frac{۱۱}{۱۲}$

مسئلہ ۱۰۰ — مورث اعلی زید

زوجہ	زوجہ	ابن	بنت	بنت	بنت
کریمہ	عزیزہ	عبداللہ	ہاجرہ	خدیجہ	عظیمہ
$(۶\frac{۱}{۴})$	$(۶\frac{۱}{۴})$	۳۵	$۱۷\frac{۱}{۲}$	$۱۷\frac{۱}{۲}$	$(۱۷\frac{۱}{۲})$

مسـ — ثانی عزیزہ مہ $۶\frac{۱}{۴}$

ابن	ابن	بنت	بنت
حمید	ولید	خدیجہ	عظیمہ
$۲\frac{۱}{۱۲}$	$۲\frac{۱}{۱۲}$	$۱\frac{۱}{۲۴}$	$(۱\frac{۱}{۲۴})$

مسئلہ ثالث عظیمہ مصـ $\frac{13}{24}$ ۱۸

زوج	بنت	اخت عینیہ
احمد	فاطمہ	خدیجہ
۴ $\frac{61}{96}$	۹ $\frac{13}{48}$	۴ $\frac{61}{96}$

مسئلہ رابع کریمہ مصـ ۶ $\frac{1}{4}$

بنت	ابن العم	ابن العم
ہاجرہ	عزیز	سعید
۳ $\frac{1}{8}$	۱ $\frac{9}{16}$	۱ $\frac{9}{16}$

الاحـــــــــیاء — المبلغ ۱۰۰

عبداللہ	ہاجرہ	خدیجہ	حمید	ولید	احمد	فاطمہ	عزیز	سعید
۳۵	۲۰ $\frac{5}{8}$	۲۳ $\frac{17}{96}$	۲ $\frac{1}{12}$	۲ $\frac{1}{12}$	۴ $\frac{61}{96}$	۹ $\frac{13}{48}$	۱ $\frac{9}{16}$	۱ $\frac{9}{16}$

عول :

وارثوں کے سہام بطور کسور یعنی $\frac{1}{2}$ + $\frac{1}{4}$ وغیرہ کی صورت میں لکھ کر انھیں جمع کریں، مجموعہ پر مافی الید کو تقسیم کرکے حاصل تقسیم کو ہر وارث کے سہام میں ضرب دیتے جائیں۔

مثالہ

مسئلہ

زوج	ام	اخت عینیہ	اخت عینیہ
۳۷ $\frac{1}{2}$	۱۲ $\frac{1}{2}$	۲۵	۲۵

رد :

اس کی چار صورتیں ہیں :

(۱) من لا یردّ علیہم مسئلہ میں نہ ہوں اور من یردّ علیہم جنس واحد ہوں تو کل مال من یرد علیہم کے رؤس پر علی السویۃ تقسیم کردیا جائے۔

(۲) من لا یردّ علیہم مسئلہ میں نہ ہوں اور من یردّ علیہم مختلف جنس کے ہوں تو مثل عول عمل کیا جائے۔

(۳) من لا یردّ علیہ بھی مسئلہ میں موجود ہو اور من یردّ علیہم جنس واحد ہوں تو من لا یردّ علیہ کو اس کا حصہ مقررہ فیصد دیکر باقی کو من یردّ علیہم کے رؤس پر برابر تقسیم کیا جائے۔

(۴) مسئلہ میں من لا یردّ علیہ موجود ہو اور من یردّ علیہم مختلف جنس کے ہوں تو من لا یردّ علیہ کو اس کا حصہ مقررہ دیکر باقی کو من یردّ علیہم پر عول کی طرح تقسیم کریں، یعنی من لا یردّ علیہ سے باقیماندہ کو من یردّ علیہم کے سہام کے مجموعہ پر تقسیم کرکے حاصل تقسیم

کو من یردّ علیہم میں سے ہر ایک کے سہام میں ضرب دیئے جائیں۔

مسئلہ ۱۰۰

بنت	بنت	بنت	بنت
۲۵	۲۵	۲۵	۲۵

مسئلہ ۱۰۰

بنت	بنت الابن
۷۵ — ۰	۲۵ — ۰

مسئلہ ۱۰۰

زوج	بنت	بنت	بنت	بنت
۲۵	$۱۸\frac{۳}{۴}$	$۱۸\frac{۳}{۴}$	$۱۸\frac{۳}{۴}$	$۱۸\frac{۳}{۴}$

مسئلہ ۱۰۰

زوج	بنت	جدہ
۲۵	$۵۶\frac{۱}{۴}$	$۱۸\frac{۳}{۴}$

رشید احمد

۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۷ھ یوم الخمیس

ضمیمۂ ثانیہ

نسب اربع کا معلوم کرنا اس علم پر موقوف ہے کہ بڑا عدد چھوٹے پر یا یہ دونوں عدد کسی تیسرے پر تقسیم ہوتے ہیں یا نہیں؟ لہٰذا ذیل میں چند ایسے اصول تحریر کئے جاتے ہیں جن سے ہر عدد کے متعلق خواہ وہ کتنا ہی بڑا ہو فوراً معلوم کیا جا سکتا ہے کہ یہ کس کس عدد پر تقسیم ہو سکتا ہے۔

(۱) جس عدد کے شروع میں جفت یا صفر ہو وہ دو پر یقیناً تقسیم ہو سکے گا۔

(۲) درجات عدد میں سے تین، چھ اور نو کو چھوڑ کر باقی کا مجموعہ تین پر تقسیم ہو جائے تو کل عدد بھی تین پر تقسیم ہو سکے گا، مجموعہ کو تین پر تقسیم کرنے سے اگر کچھ بچے تو کل عدد کو تین پر تقسیم کرنے سے بھی اتنا ہی بچے گا۔

(۳) جس عدد کے شروع میں دو صفر ہوں یا پہلے دو درجے چار پر تقسیم ہو سکیں وہ کل عدد چار پر تقسیم ہو سکے گا۔

اسی طرح جس کے شروع میں دو صفر ہوں یا پہلے دو درجے پچیس پر تقسیم ہو سکیں وہ کل عدد بھی پچیس پر تقسیم ہو گا۔

(۴) جس عدد کے شروع میں صفر یا پانچ ہو وہ پانچ پر تقسیم ہو جائے گا۔

(۵) جو عدد دو عددین متباینین پر تقسیم ہو سکے وہ دونوں کے حاصل ضرب پر بھی تقسیم ہو سکے گا، مثلاً جو عدد دو اور تین دونوں پر تقسیم ہو وہ چھ پر بھی تقسیم ہو گا، جو تین اور چار دونوں پر تقسیم ہو وہ بارہ پر، جو تین اور پانچ دونوں پر تقسیم ہو وہ پندرہ پر، جو دو اور نو دونوں پر تقسیم ہو وہ اٹھارہ پر تقسیم ہو گا، وقس علیٰ ھذا۔

(۶) جس عدد کے شروع میں تین صفر ہوں یا پہلے تین درجات آٹھ پر تقسیم ہو سکیں وہ کل عدد آٹھ پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

اسی طرح جس کے شروع میں تین صفر ہوں یا پہلے تین عدد ایک سو پچیس پر تقسیم ہو جائیں وہ کل عدد بھی ایک سو پچیس پر تقسیم ہو سکے گا۔

(۷) درجات عدد میں سے نو کو چھوڑ کر باقی کا مجموعہ نو پر تقسیم ہو سکتا ہو تو یہ کل عدد

بھی نو پر تقسیم ہوگا اور مجموعہ کو نو پر تقسیم کرنے سے اگر کچھ بچے تو اس کل عدد کو نو پر تقسیم کرنے سے بھی وہی بچے گا۔

(۸) عدد کے شروع میں ایک صفر ہو تو دس پر، دو صفر ہوں تو سو پر، تین ہوں تو ہزار پر تقسیم ہو سکے گا، وقس علیٰ ھٰذا۔

(۹) درجات عدد میں سے فرد درجات یعنی پہلا، تیسرا، پانچواں (اکائی، سیکڑہ، دہ ہزار) وغیرہ کو جمع کریں اور زوج درجات یعنی دوسرا، چوتھا، چھٹا (دہائی، ہزار، لاکھ) وغیرہ کو الگ جمع کریں، اگر دونوں مجموعے برابر ہوں یا دونوں میں اتنا تفاضل ہو کہ وہ گیارہ پر پورا پورا تقسیم ہو سکے تو یہ کل عدد گیارہ پر تقسیم ہوگا۔

(۱۰) جس عدد کے شروع میں چار صفر ہوں یا پہلے چار درجات سولہ پر تقسیم ہو سکیں وہ کل عدد سولہ پر تقسیم ہو سکتا ہے۔

(۱۱) کسی عدد کو تقسیم کرنے کے بعد حاصل تقسیم اگر پہلے مقسوم علیہ پر یا کسی دوسرے عدد پر تقسیم ہو سکے تو ہر دو مقسوم علیہ کا حاصل ضرب پہلے مقسوم کو تقسیم کر دے گا۔

(۱۲) جو عدد کسی بڑے عدد پر تقسیم ہو سکے وہ اس میں متداخلہ اعداد پر بھی تقسیم ہوگا، مثلاً جو چھ پر تقسیم ہوگا وہ تین اور دو پر بھی تقسیم ہوگا۔

(۱۳) جو عدد کسی چھوٹے عدد پر تقسیم نہ ہو وہ اس کے اضعاف پر بھی تقسیم نہ ہوگا، مثلاً جو دو پر تقسیم نہیں ہوتا وہ چار اور چھ پر بھی تقسیم نہ ہوگا۔

(۱۴) جس اقل عدد کے شروع میں جفت ہو وہ ایسے اکثر عدد کو تقسیم نہیں کر سکتا جسکے شروع میں طاق ہو۔

(۱۵) جس اقل عدد کے شروع میں پانچ ہو اس پر وہ اکثر عدد تقسیم نہ ہو سکے گا جسکے شروع میں پانچ یا صفر نہ ہو۔

(۱۶) جس اقل عدد کے شروع میں صفر ہو اس پر ایسا اکثر عدد تقسیم نہ ہوگا جسکے شروع میں صفر نہ ہو۔

(۱۷) جب کسی عدد کو ایک عدد میں ضرب اور دوسرے پر تقسیم کرنا ہو تو مضروب فیہ کے وفق میں ضرب اور مقسوم علیہ کے وفق پر تقسیم کرنے سے بھی وہی جواب آئے گا، اس میں سہولت و اختصار ہے۔

رشید احمد

۱۴ ذی القعدہ ۷۶ھ یوم خمیس

الله تعالیٰ نے بندہ سے عرصۂ دراز تک علم الفرائض کی تدریس، اس کے مباحث میں تدبّر و تفکر اور ان کی بہتر تشریح و تعبیر و تحریر کی خدمات لی ہیں، اس دوران ازمنۂ مختلفہ میں درج ذیل دو بہت اہم اشکال اور ان کے حل ذہن میں آئے، مزید تثبت کے لئے میں نے یہ اشکالات بعض دوسرے علماء کو بھی بھیجے، ان کا جواب بھی میرے مطابق آیا، یہ مباحث تو پہلے کے ہیں مگر ان کے ساتھ تاریخیں وہ لکھی گئی ہیں جب اس بارہ میں تحریرات مختلفہ کے حاصل کو ایک تحریر میں مرتب کیا گیا۔

احسن الفتاویٰ قدیم کے مرتب نے ان کو بصورت سوال و جواب شائع کر دیا، پھر بعض ناشرین نے وہاں سے اسی طرح بصورت سوال و جواب لے کر تسہیل المیراث کے ضمیمہ میں شائع کر دیا، درحقیقت یہ دونوں اشکالات کسی غیر کی طرف سے نہیں۔

رشید احمد

۳۰ ذی القعدہ ۱۴۱۳ ہجری

اشکال اوّل:

سلسلۂ عصبات عم الجد پر ختم ہو جاتا ہے یا کہ اوپر بھی جاری ہے؟ اگر عم الجد پر ختم نہیں تو ذوی الارحام اور ان سے متأخر اصناف کی توریث کی کیا صورت ہوگی؟ کیونکہ جب سلسلۂ عصبات منتہی نہیں تو ہر شخص کا دنیا میں کوئی نہ کوئی عصبہ ضرور ہوگا جو کسی نہ کسی درجہ میں اس کے جد میں شریک ہوگا، حتی الی آدم علیہ السّلام۔

نیز فقہاء رحمہم الله تعالیٰ کا سلسلۂ عصبات کو عم الجد پر ختم کر دینا، آگے ذکر نہ کرنا دال ہے کہ اس سے آگے سلسلہ نہیں چلتا اور عم الجد میں عموم (وان علا) نہ تو عام کتب میں مذکور ہے اور نہ درایۃً اس کا اس جگہ عموم مراد لینا صحیح ہے، کیونکہ اگر جد میں عموم مراد ہو تو جزء الجد کے بعد کوئی دوسرا مرتبہ نہ نکلنا چاہیے، عم الاب عم الجد بھی اسی میں داخل ہو جاتے ہیں، حالانکہ فقہاء رحمہم الله تعالیٰ ان دونوں مراتب کو جزء الجد کے بعد مستقل ذکر کرتے ہیں، جس سے ظاہر ہے کہ جد

میں عموم مراد لینا صحیح نہیں، اور عصبات کا سلسلہ عم الجد پر ختم ہوجاتا ہے۔

حل :

سلسلۂ عصبات عم الجد پر ختم نہیں ہوتا، بزازیہ میں ہے وھکذا عمومۃ الاجداد وان علوا واولادھم الذکران وان سفلوا اور معین الحکام کے حاشیہ پر لسان الحکام میں بھی "وان علوا" کی تصریح موجود ہے، عام کتب میں اس کی تصریح نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جب پہلے مراتب میں بار بار عموم کی تصریح کی جاچکی تو اب ہر مرتبہ میں اس کی ضرورت نہ رہی بلکہ علیٰ سبیل المقایسہ فہم مخاطب پر چھوڑ دیا گیا اور بعض مصنفین نے احتیاطاً ذکر بھی کردیا۔

چونکہ وراثت کا مدار ثبوت نسب پر ہے اس لئے اگر کوئی شخص اپنا سلسلۂ نسب اپنے آباء کے اسماء سے میت کے کسی جد تک ثابت کردے تو وارث ہوگا۔ والّافلا ، محض شرکت فی النسب مبہم طور پر کافی نہیں۔ کیونکہ ابہام کی حالت میں عصبات کے قرب و بعد کا پتہ چلنا محال ہے، اور بلا لحاظ قرب و بعد ساری دنیا پر میراث تقسیم کرنا بھی محال، اور امر محال کو مستلزم قول باطل ہے، پس ذوی الارحام اور اصناف متأخرہ کی توریث پر کوئی اعتراض نہ رہا۔

عمومۃ الاجداد میں وان علوا کا عموم کتب بالا میں مصرح ہے۔

حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کا جزء الجد کے بعد عم الاب وعم الجد کو مستقل ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ عصبات کی توریث میں تین قسم کی ترتیب ملحوظ ہے، پہلے ترتیب فی الجھۃ، پھر ترتیب فی الدرجۃ، پھر ترتیب فی القوۃ والضعف، جزء الجد کے مرتبہ میں یہ وہم ہوتا تھا کہ عم اور عم الاب وعم الجد وغیرہ ایک ہی صنف ہیں اور متساوی فی الجھۃ ہیں، اس وہم کے دفعیہ کے لئے ثم عم الاب ثم عم الجد کا اضافہ کیا گیا، تاکہ ان میں اختلاف جہت اور ہر ایک کا علیحدہ صنف ہونا ظاہر ہوجائے، لہٰذا ابن ابن العم کی موجودگی میں عم الاب محروم ہوگا۔ کیونکہ جہت میں متأخر ہے، اگر ان سب کو ایک ہی جہت سمجھا جاتا تو معاملہ برعکس ہوتا، کیونکہ اتحاد صنف کے بعد اقرب فی الدرجۃ مقدم ہوتا ہے اور عم الاب اس لحاظ سے اقرب ہے۔

غرضیکہ اس اضافہ سے حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کا مقصد سلسلۂ عصبات کو ختم کرنا نہیں بلکہ میت کے ہر درجہ کے اب کی اولاد ذکور کو مستقل صنف اور مختلف الجھۃ ظاہر کرنا مطلوب ہے، مراتب غیر محصورہ میں سے دو تین مراتب کو ذکر کرکے عموم و شمول مراد لینا

اور بقیہ کو علیٰ سبیل المقایسۃ فہم مخاطب کے اعتماد پر چھوڑ دینا عام طور پر شائع و ذائع ہے۔
واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۴ رجب ۱۳۷۵ھ

اشکال ثانی:

ذوی الارحام کی صنف ثانی میں اعلیٰ اختلاف پر تقسیم کرتے وقت صنف اوّل کی طرح آخری بطن کا عدد معتبر ہوگا یا نہیں؟

مجھے اس میں کچھ مدت تک تعارض ادلہ کی وجہ سے تردّد رہا ہے لہٰذا اولاً ادلہ متعارضہ نقل کی جاتی ہیں۔

عباراتِ ذیل سے ثابت ہوتا ہے کہ آخری بطن کا عدد معتبر نہ ہوگا۔

① قال فی الشریفیۃ فی بیان اولاد القسم الرابع وذلک لان الشیء انما یتعدد حکماً اذا کان یتصور ثبوتہ حقیقۃً ومن البین امکان التعدد فی الاولاد من البنین والبنات فیثبت التعدد فیھم حکماً بتعدد الفروع اما الاب والام فلا یتصور فیھما التعدد حقیقۃً فلذا لا یثبت التعدد حکماً فی القرابات المنشعبۃ منھما۔

② قسم رابع میں جب عمۃ الاب وخالۃ الاب اور عمۃ الام وخالۃ الام جمع ہوں تو پہلے جانب اب کو ثلثان اور جانب ام کو ثلث دیکر پھر ہر ایک طائفہ میں جانب عمہ کو ثلثان اور جانب خالہ کو ثلث دیا جاتا ہے، اس میں فروع کی کثرت وقلت سے کوئی فرق نہیں پڑتا، جب اب کی عمہ وخالہ کے ثلث وثلثان میں عدد فروع سے کوئی فرق نہیں ہوتا تو قسم دوم میں اب کے ابوین کے ثلث وثلثان میں آخری بطن کے عدد سے بطریق اولیٰ فرق نہ پڑنا چاہیے۔

ذیل کی عبارات سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ بطن اول پر تقسیم کرتے وقت اگرچہ آخری بطن کا عدد معتبر نہیں، بہرکیف جانب اب کو ثلثان اور جانب ام کو ثلث ملے گا، مگر بطن ثانی اور اس کے مابعد پر تقسیم کرتے وقت آخری بطن کا عدد معتبر ہوگا۔

① سب کتب میں ہے "ثم مثل الصنف الاول"۔

② سب کتب میں ہے کہ اعلیٰ اختلاف پر تقسیم کرکے ذکور واناث کو علیحدہ علیحدہ طائفہ کیا جائے، لفظ "ذکور واناث" بصیغۂ جمع تب ہی صحیح ہوسکتا ہے کہ عدد فروع معتبر ہو۔

③ اگر آخری بطن کا عدد معتبر نہیں تو قسم دوم کے بیان میں سب کتب میں جو تفصیل

لکھی گئی ہے وہ فضول ہوجاتی ہے، سب کتب میں جو طویل عبارت موجود ہے اس کی بجائے صرف اتنی عبارت کافی تھی :

وان استوت منازلہم ولیس فیہم من یدلی بوارث او کان کلہم یدلون بوارث و اتفقت صفۃ من یدلون بہم فالقسمۃ حینئذٍ علی ابدانہم وان اختلفت صفۃ من یدلون بہم یقسم المال علی اول بطن اختلف کما فی الصنف الاول۔

یعنی جب اتحاد قرابت اتحاد صفت میں اور اختلاف قرابت اختلاف صفت میں داخل ہے تو عام کتب میں دونوں کو جداگانہ ذکر کرنا فضول ہے، جداگانہ ذکر کرنے سے صرف یہی مقصد ہوسکتا ہے کہ اختلاف قرابت سے مراد بطن اول میں اختلاف ہے، اس میں ثلث وثلثان کے طور پر تقسیم ہوگی، اور اختلاف صفت سے بطن ثانی اور اس کے مابعد میں اختلاف مراد ہے، جس پر تقسیم کرتے وقت آخری بطن کا عدد معتبر ہوگا، اگر اس میں بھی آخری بطن کے عدد کا اعتبار نہیں بلکہ ثلث وثلثان کا طریقہ ہی ہے تو اختلاف صفت و اختلاف قرابت کو الگ الگ کیوں ذکر کیا گیا ؟

حل :

تحقیق کے بعد یہی صحیح معلوم ہوتا ہے کہ آخری بطن کے عدد کا اعتبار نہیں، جو ادلہ اس کے خلاف معلوم ہوتی ہیں ان کے جواب یوں دیئے جاسکتے ہیں :

① صنف اول سے تشبیہ جملہ امور میں نہیں بلکہ صرف اعلیٰ اختلاف پر تقسیم کرنے میں تشبیہ ہے۔

② چونکہ قسم اول میں "ذکور واناث" بصیغۂ جمع مذکور تھا، لہٰذا قسم ثانی میں مسامحۃً بلا تبدیل و تغییر جمع کا صیغہ لے آئے۔

③ چونکہ اتحاد قرابت اتحاد صفت میں داخل ہے لہٰذا جمیع کتب میں اس موقع پر مندرج تفصیل محض تطویل لاطائل ہے، اس مسامحہ کا منشأ یہ ہے کہ قسم رابع کی اولاد میں یہ تفصیل ضروری ہے کسی نے اس اشتباہ کی وجہ سے وہ تفصیل یہاں بھی درج کردی، پھر بواسطہ نقل درنقل سب کتابوں میں پھیل گئی۔ واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۲ ذی القعدہ سنہ ۱۳۰۶ ہجری

تمّت بالخیر